إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مجلد سوم: مشتمل بر دلائل و معجزات

اولاً مقدمہ میں نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ، علم کلام، فلسفۂ جدیدہ اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے،

اور اس کے بعد

خصائص نبوت، یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے، پھر وہ آیات و معجزات مذکور ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبوی ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں، اور جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں، اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے،

تالیف

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۲۳ نومبر ۱۹۵۳ء

مطبوعہ گوردید
کتبہ اقبال احمد

شہر اعظم گڈھ
سنہ ۱۳۸۵ھ
۱۹۶۶ء

مطبع دار المصنفین معارف
طبع چہارم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

خدا کا شکر ہی کہ اُس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرۂ پاک کی تیسری جلد کی تکمیل و انجام کا سامان بہم پہنچایا اور ایک گنہگار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دیکر اپنی سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لئے آبِ رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے، دوسری جلد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی، چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہی، اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب، واقعات کی تفتیش و تلاش، اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت وکاوش، اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اُس کا بڑا صلہ یہی ہے کہ صواب کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو، والعصمۃ للہ وحدہٗ،

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے اُن محسنوں کے شکر گذار ہیں جنھوں نے اُن کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا، مشکلات اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب فراہی کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفیق کار مولٰنا عبد السلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر مولٰنا عبد الباری ندوی (معلم فلسفۂ جدیدہ، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن) سے بڑھکر فلسفۂ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں، معجزات کی

بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفۂ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں، ان سے بھی تعرض کیا جائے، چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفۂ جدیدہ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے، جو اس کتاب کے ص ۱۱۰ سے شروع ہو کر ص ۲۱۰ پر تمام ہوا ہے،

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی، ابو یعلی، ابن راہویہ، ابن ابی شیبہ، بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائیداً ملیں گے، ہم نے اُن کے حوالوں میں دوسرے مفسرین، شارحین حدیث اور مصنفین سیرت مثلاً ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے، معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے، تو اُن سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں، اس نوع کے معجزات کی دوسری تائید میں بھی گو اس رتبہ کی نہیں، مگر موجود ہیں،

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں جن کی آخر میں غلطنامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے،

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اُس کے سامنے ہے، احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم اُن کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے،

سید سلیمان ندوی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچۂ طبع سوم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت، حقیقتِ نبوت، اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے، تیسری دفعہ چھپ کر اب منظرِ عام پر آرہی ہی، اس اثنا میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں، اس لئے پوری کتاب پر نظرِ ثانی کی گئی، روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا، اگر کوئی اختلاف نظر آیا تو تصحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر مشتبہ تھی تو اس کے شبہہ کو دور کیا گیا، بخصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی، یا حالتِ بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا، معجزات کی روایتوں کی اصل سے پھر تطبیق کی گئی، اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے،

ایک ظلوم و جہول انسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی، اس نے اپنی وسعت کے مطابق وہ پوری صرف کی ہی، اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہلِ نظر سے التماس ہی کہ اگر اب بھی کوئی قابلِ اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں،

حسنِ خاتمہ کا طالب:۔ **سید سلیمان ندوی**

۱۶رشوال ۱۳۶۶ھ - ۳۱راگست ۱۹۴۷ء، دارالقضا بھوپال

فہرست مضامین

سیرۃ النبی حصہ سوم

دلائل و معجزات

اور

فلسفۂ جدیدہ

۱۱۷ - ۲۱۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلائل و معجزات

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ (مائدہ)

اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آیا کیے،

روحانی نوامیس کا وجود

سیرت نبوی کا یہ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اُس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم، اور اُس کے مادی قوانین کے حدود سے باہر ہے جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظامِ خاص پر چل رہی ہے، مثلاً رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے، ستارے غروب ہوتے ہیں تو آفتاب نکلتا ہے، گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے خزاں اور بہار ہے فصل و موسم ہے،

آسمانہاست در ولایتِ جاں — کارفرمائے آسمانِ جہاں

نبوت کے فطری و روحانی آثار

جب روے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا

ترکا ہوتا ہے اور آفتابِ ہدایت نمودار ہوتا ہے، باغِ عالم میں جب برائیوں کی خزاں چھا جاتی ہے، تو موسم بدلتا ہے اور بہارِ نبوت[1] رونق افزا ہوتی ہے،

اور جس طرح زمین، آسمان، چاند، سورج، پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں، جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتا، اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں، جن میں تغیر راہ نہیں پاتا، انبیاء و رسل اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں اُن کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں، منکرین ہلاک، اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں، اس روحانی جہاد میں انبیاء و رسل سے ہمارے علم و دانش سے بالاتر اعمال صادر ہوتے ہیں، اور اُن سے عجیب عجیب خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں،

نبوت کے روحانی قواعد جسمانی قوانین پر حکمراں ہیں

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پُر اسرار مخفی قوت ہمارے کالبدِ خاکی پر حکمراں ہے، اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر

---

[1] خاتم النبیین محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا، حضور کی آمد کے بعد جانشینانِ نبوتِ محمدی یعنی مجددینِ اُمت اس فرض کو انجام دیتے ہیں، یہ مجددینِ ملتِ رسول کے تبع کامل ہوتے ہیں، اور منصبِ نبوت سے عاری ہوتے ہیں، اسی لئے ان کے انکار سے کفر نہیں لازم آتا، اور یہ بھی ممکن ہو کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددینِ ملت ہوں، اُن کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق اور طرقِ دعوت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ کامل ہے، اُن کا کام یہ ہے کہ وقت کے اوہام و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آکر دین میں شامل ہو گئے ہوں، دور کریں، اور امورِ دین میں سے جو امور مٹ گئے ہیں، اُن کو دوبارہ جاری کریں،

حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روحِ اعظم اذنِ الٰہی سے سارے عالمِ جسمانی پر حکمراں ہو جاتی ہے، اور روحانی دنیا کے سنن واصول عالمِ جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں اس لئے وہ چشم زدن میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اُسکی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اُس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے، اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں، اُس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں، اس کے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں، اور مُردے جی اٹھتے ہیں، وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے، کوہ و صحرا، بحر و بر، جاندار و بے جان بحکمِ الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، مگر با این ہمہ وہ بندہ اور بشر ہوتا ہے، اور اس سے یہ جو کچھ عجائبِ قدرت ظاہر ہوتے ہیں، وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے ربّ کا فعل ہوتا ہے، اور اسی کی مشیئت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے ظاہر کئے جاتے ہیں،

نبوت کے قوانین کے اسباب وعلل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین سے،

لیکن جس طرح ہم کبھی یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول، خاص خاص درخت، خاص خاص ستارے، فلاں فلاں معین اوقات ہی پر کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں، پھول سُرخ کیوں ہوتے ہیں، ستارے چمکتے کیوں ہیں، شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے، چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں، تخم، درخت، غذا، خون، گوشت کیونکر بن جاتا ہے، اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے، کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے، اور ان سے یہ مافوق العادۃ افعال و اعمال بحکمِ الٰہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ

وہ ہوتے ہیں، چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حامل اپنی پُر اسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات وکیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے، عالم کی تاریخ آپکے سامنے ہے جس میں اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات وسوانح غور سے پڑھیں، تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا، کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے تھے، جو ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ، وہ کچھ سنتے تھے، جو ہم نہیں سُن سکتے، وہ، وہ کچھ جانتے تھے، جو ہم نہیں جان سکتے، اور اُن سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے ہیں، جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے یہ تاریخی واقعات ہیں، جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح سکندر اور نپولین کے فتوحات اور بودھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے، ہندوستان کی روحانی داستان کا ایک ایک حرف، اسرائیلی نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب، اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ اس تاریخ کی مثالیں اور نظیریں ہیں،

انبیاء کا اصلی معجزہ خود اُن کا سرتاپا وجود ہے

گو پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اُس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لئے اُس کی چشم وابرو میں اور سننے والوں کے لئے اُس کے لہجہ و آواز میں اور سمجھنے والوں کے لئے اُس کے پیام ودعوت میں اعجاز ہوتا ہے لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں، اُن کو اس سے تسکین نہیں ہوتی، اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں، جو بالآخر اُن کو دی جاتی ہیں، لیکن انبیاء کے متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین وصالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت ہارونؑ ویوشعؑ نے حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر اُن کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے اُن کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا حضرت

انبیاء کے کامل پیرو اُن سے معجزہ نہیں مانگتے تھے،

خدیجہؓ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، مگر چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں، بلکہ یہ جان کر کہ "آپؐ غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں"[1]۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپؐ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، اُن کے لئے آپ کا سرتاپا وجود نفس دعوت حق، اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا، انھوں نے اسی کو دیکھا، اور اسی سے ایمان کی دولت پائی، مگر نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، قحط مکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے، پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے، لیکن بایں ہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے، جس کے بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ جھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں اُن آئینوں پر پڑتی ہیں، تو وہ چمک اٹھتے ہیں، اور آمَنَّا بِرَبِّ هَارُوْنَ وَمُوْسٰى (طٰہٰ - ۳) پکار اٹھتے ہیں، فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کو دیکھا تو موسیٰؑ و ہارونؑ کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی، تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی، اور حقیقت کا پیکر اُن کے سامنے جلوہ نما ہوگیا[2]، یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ مؤیدات

معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے۔

معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] جامع ترمذی تفسیر سورۂ روم۔

یعنی تائیدِ حق کے لئے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں اُن کے ذریعہ سے تسکین دیجاتی ہے، اور رسوخِ ایمان اور ثباتِ قدم مرحمت ہوتا ہے، اُن کی بے سرو سامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کیجاتی ہے، اور اُس سے اُن کی دولتِ ایمان کا سرمایہ ترقی کرتا ہے،

ان واقعات کا اصطلاحی نام

حضرات انبیاے کرام علیہم السلام سے جو یہ مافوق العادت کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں، اُن کے لئے عام طور پر **معجزہ** کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے، اول تو اس لئے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کی جگہ آیت (نشانی) اور برہان (دلیل) کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں، قدیم محدثین نے اُن کی جگہ دلائل اور علامات کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں، دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بناء پر لفظ "معجزہ" کے ساتھ کچھ خاص لوازم ذہنی پیدا ہو گئے ہیں، جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں، مثلاً اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے، جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے، اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجز ہونا گویا اُس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں، اُن کا ایک بڑا حصہ خود لفظِ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص کیفیات، مشاہدات، اور اعمالِ خارقہ عادت اُدو

غیر خارقِ عادت، سب داخل ہوں لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں، آیندہ جہاں از روئے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی وہاں اس کے متعلق مزید تفصیل کی جائے گی جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے، ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت، برہان اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں، تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہوسکے لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے، اس لئے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جاسکتا،

دلائل و براہین وآیات کا تعلق انبیا کی سیرتوں سے

قرآن مجید اور دیگر صحفِ آسمانی میں انبیاے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں، اُن میں اُن کے روحانی حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیرِ ملکوت، مکالمۂ الٰہی، رویتِ ملائکہ، رویائے صادقہ، استجابتِ دعا، طوفانِ نوح، آتشِ خلیل، عصائے موسیٰ، نفسِ عیسیٰ، اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، اور ان کے ساتھ اُن کے عواقب و نتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے، اور اس وجہ سے وہ اُن کے واقعاتِ زندگی کا جزءِ لاینفک ہوگئے ہیں،

انبیا علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے، لیکن نتائج کے

لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاقِ ذمیمہ کے خس و خاشاک سے پاک کر کے محاسنِ اخلاق کے گل و ریحان سے آراستہ کیا جائے، تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے الجھنے نہ پائے، اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے، لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں، اور مادی آلات کے استعمال میں بھی اُن کے جسمانی دست و بازو سے زیادہ اُن کے روحانی دست و بازو کام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے واقعاتِ زندگی میں ان دلائل و آیات کو نہایت اہمیت دی ہے، اور اُن کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالاتِ زندگی کو سلسلۂ علل و اسباب سے مربوط کر دیا ہے،

دلائل و آیات کا تعلق سیرۃ محمدی سے

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعاتِ زندگی کا خلاصہ، اُن کی تعلیمات کا عطر، اور اُن کے حالات و مشاہدات کا برزخ ہے، آپ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا، جن کو طوفانِ نوح دفعۃً بہالے گیا تھا، جن کو دریائے قلزم کی نہریں نگل چکی تھیں، جن کو نفسِ عیسیٰؑ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا، اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا، جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں، بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا، اس بنا پر جس چشمۂ فیض نے اسباط موسیٰؑ کو سیراب کیا تھا وہ ان تشنہ کامان

روحانیت سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا، چنانچہ اس نے آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا، جو علی قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لئے ضروری تھے، آپ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے، آپ کی شریعت معجزہ تھی، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی، اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا، ان کے علاوہ آپ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا، اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لئے بستر لگایا، کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی، کبھی مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا، اور کبھی مَا زَاغَ الْبَصَرُ کے سرمہ سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا، کبھی نزولِ رحمتِ الٰہی کے لئے آسمان کے دروازے کھولے، کبھی وادیٔ حق کے پیاسوں کے لئے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے اُبالے، کبھی سنگِ خارا کے شراروں کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے، کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبانِ الہام سے اپنی کامیابی کے نغمے ہائے بشارت سُنائے، اور آیندہ دنیا کے واقعاتِ غیب بتا کر رہروانِ عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے،

آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے واقعاتِ زندگی کا سب سے بڑا جزء، غزوات و محاربات ہیں، ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصّہ میں بہ تصریح گذر چکا ہے، لیکن جہاد کے میدان میں آپ کو جو فتوحاتِ عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں، انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ، فرشتوں کے پرے، دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر، اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی، آپ کی زندگی کا سب سے

بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہی، اور روئے انور نے، نگاہِ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نما نے، آیات و دلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے، غرض آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر منظر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات، اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو، اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں،

دلائل، ومعجزات اور عقلیت

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہونے لگتا ہے، کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں.؟ کیا عقلِ خردہ گیر ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے،؟ دنیا میں عقل و نقل، اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے، ان مباحث پر معرکہ آرا بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں، لیکن فلسفۂ قدیمہ ہو یا جدیدہ، فلسفۂ یونان ہو، یا فلسفۂ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا، ان سب کا حاصلِ بحث یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں، تو دوسرے اُن کو محال قطعی تصور کرتے ہیں، عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا، قائم ہے، اور قائم رہے گا، لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں، وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلّی، طمانیت اور رفعِ شک کے لئے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی راز جُو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکیں، ان تمام نظریات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو، اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں، لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا محسوس و غیر محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا، دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے، کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی و

استقرائی سے ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہی کہ جو جانا نہیں جاسکتا، اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں، اور جو سمجھا نہیں جاسکتا، اس کو سمجھنا چاہتے ہیں جب ہماری عقل وفہم کی لنگ پائی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے تو ماوراے محسوسات میں اُس کی تگ ودو کہاں تک منزلِ مقصود کے قریب کرسکتی ہے،،

آنانکہ وصفِ حسن تو تقریر می کنند　　خوابِ نہ دیدہ راہمہ تعبیر می کنند

بہرحال اب تک انسان نے اس "خوابِ نہ دیدہ" کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ ذیل کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے، اور سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے فلسفۂ قدیمہ کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے، اور اس کے بعد فلسفۂ جدیدہ ان چیزوں کی گرہ کشائی جہاں تک کرسکتا ہے اُسکی تفصیل ہی، اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے، اُس کو بیان کیا جائے گا،

دلائل و معجزات

اور

فلسفۂ قدیمہ و علم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی، دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہو سکتے تھے، اور نہ ہوئے، لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو وہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزا بن گئے، اور ان کو اس درجہ اہمیت ہوگئی، کہ اب ان سے تعرض کئے بغیر گویا موضوع فرید بحث کے لئے تشنہ رہ جاتا ہے،

اہل یونان کسی شریعتِ الٰہی سے مشرف نہ تھے، اس لئے وہ نبوت، خواصِ نبوت، وحی، الہام، اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن رشد نے تہافۃ التہافہ میں اس کی خاص تصریح کی ہے، اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جابجا لکھا ہے، مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے، لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں، کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے، اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کئے، چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص الحکم[1] میں نبوت اور خواصِ نبوت کے متعلق بہ ترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کئے ہیں،

---

[1] فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں جگہ چھپ گئی ہے اس وقت میری پیش نظر لیڈن ای جی بریل کا نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء ہے

فقرہ ۲۸ - صاحبِ نبوت کی روح میں ایک قوتِ قدسیہ ہوتی ہے جس طرح تمھاری روحِ عالمِ اصغر میں (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے، اور تمھارا جسم تمھاری روح کا تابع و فرمانبردار رہتا ہے، اسی طرح وہ روحِ قدسی عالمِ اکبر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے، اور تمام عالمِ جسمانی اس کا تابع و فرمانبردار ہوتا ہے، اور اسی بنا پر اس سے خوارقِ عادات معجزات صادر ہوتے ہیں، اور چونکہ اس کا آئینہ باطنی صاف اور زنگ و غبار سے پاک ہوتا ہے، اس لئے لوحِ محفوظ یعنی اُس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی، اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے، اس کا عکس اُس کے آئینہ پر پڑتا ہے، اور وہ قدرتِ قدسیہ یا روحِ قدسیہ اُس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے،

فقرہ ۲۹ - ملائکہ اُن صورِ علمیہ کا نام ہے جو بذاتہا قائم ہیں، اسی طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں، بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں، اور وہ امرِ الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں، عام روحِ بشری تو حواسِ ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں عالمِ الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روحِ نبوی بیداری ہی میں اس سے تخاطب کرتی ہے،

فقرہ ۳۰ - عام روحِ بشری کا حال یہ ہے کہ جب اُس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواسِ باطنی معطل ہو جاتے ہیں، اور جب حواسِ باطنی کام کرتے ہیں، تو حواسِ ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں، مگر ارواحِ قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ اُن کے حواس ظاہری کی مصروفیت، اُن کے حواسِ باطنی کو، اور اُن کے حواس باطنی کی مشغولیت اُن کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی، اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے، بلکہ

بلکہ اُن کی تاثیر کا عمل اُن کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے، اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں، بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تلقی کرتے ہیں،

فقرہ ۱۴۔ عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے، کہ نہ صرف یہ کہ حواسِ ظاہری کی مصروفیت، حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت حواسِ ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے، بلکہ خود اُن کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے حس کو بیکار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں، دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں، تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہو سکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں، تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے، اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہو جاتے ہیں لیکن ارواحِ قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، اُن کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور اُن کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا،

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابنِ سینا اور ابنِ مسکویہ تک پہونچتے پہونچتے ایک داستان بن گئے ہیں، اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوات کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے انہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے، اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا رومی کے سازِ "نے" سے بھی یہی آواز نکلتی ہے،

فلسفہ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزلِ حقیقت کے جویاں ہیں، اُن کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں،

۱۔ اوّل یہ کہ اُس کو امورِ غیب پر اطلاع ہو،

۲۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ اُس کو نظر آئیں، اور وہ اُس سے ہم کلام کریں،

۳۔ تیسرے یہ کہ اُس سے خوارقِ عادت ظاہر ہوں،

ان تینوں دعووں کے امکان پر اُن کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں،

اطلاعِ غیب | یہ عالمِ کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظامِ فطرت پر قائم ہے، جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے، پہلے جمادات ہیں، جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ نطق ہے نہ ادراکِ کلیات کی قوت، اُس کے بعد نباتات کا درجہ ہے، جن میں حرکت اور نمو تو ہے لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں، جن میں حرکت و نمو کے ساتھ احساس و ارادہ بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے، جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراکِ کلیات کی قوت بھی ہے، کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے، بلکہ اُن میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ اُن کا پست ترنقطہ اپنے پچھلے سے، اور بلند تر اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، نہیں، ابھی نطق ادراک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہونچا ہے، انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع ہو کر تو اُن سے ترقی یافتہ وحقانی اور گنوار ہیں، اُن سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں، اور اُن سے بھی زیادہ بلند تر علماء اور عقلائے روزگار ہیں، جو نظر و فکر، اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں، لیکن انسانوں کی بلند تر صنف وہ ہے جس کی عقل و ہوش

کے سامنے نظریات بھی بدیہیات ہیں، جن کی روحِ قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں، بلکہ براہ راست عالمِ ملکوت سے حاصل کرتی ہی جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اس قدر تیز ہوتی ہو کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے، اور وہ، وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سُن سکتے، یہ قوتِ کمالیہ اور یہ روحِ قدسیہ جس صنفِ انسانی میں ہوتی ہی، وہی انبیاء ہیں"

رویتِ ملائکہ

رویت و کلام ملائکہ

انسان کے علم و احساس کا منبع روح ہے، اور اُس کے آلات و ذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں۔ اگر اس سطحِ زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرّا ہو، تو وہ نہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے، اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے، لیکن جیسے جیسے علم و احساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آتی جاتی ہے اُس کے علم و احساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہی، یہانتک کہ ایک خاص نقطہ پر اکر وہ رُک جاتے ہیں، اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے، لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہی تو غیر مادی چیزوں کو مشاہدہ کرتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ روحِ انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے، اسی قدر اُس کے علم و احساس کے قویٰ میں ترقی ہوگی، اور جس قدر اس عالمِ مادی سے اُس کو افتراق ہوگا، اسی قدر عالمِ ملکوت کے ساتھ اس کا اتصال بڑھتا جائے گا، اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوئی ہو کہ وہ عالمِ بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے، اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس مشاہد ہو سکتا ہے وہ غیب کی آوازوں کو سُن سکتی ہے، فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، ان سے باتیں کر سکتی ہے، اور اُن کے

ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے،

خوارقِ عادت

خوارقِ عادت | دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی سلسلۂ اسباب و علل کے نتائج ہیں، اسی طرح وہ نفسیاتی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں، نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں، اور اُن سے ہمارا مادی جسم متاثر ہوتا ہے، درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اُس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، اور وہ کانپ جاتا ہے، اور گر پڑتا ہے، وہمی خوف سے انسان بیہوش ہو جاتا ہے، بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے، شرمندگی اور خجالت سے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے، یہ کمزور نفوس کا حال ہے، اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں، اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابِ نفوسِ قدسیہ اور اربابِ قوتِ کمالیہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں[1]،

اکثر متکلمینِ اسلام نے پہلی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے، اور ہیں بھی وہ درحقیقت ایک ہی، امورِ غیب کی اطلاع، ملائکہ اور روحانیات کا مشاہدہ، رویت اور اُن سے تخاطب، یہ تمام تر وحی و مشاہدۂ روحانیات کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں، اور تیسری چیز کا نام اُن کی زبان میں معجزہ ہے، ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں،

---

[1] ابنِ سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور نجات میں اختصار کے ساتھ ان نظریات کو بیان کیا ہے، امام رازی نے مباحثِ مشرقیہ میں اور ابنِ مسکویہ نے فوز الاصغر میں اُن کو لکھا ہے، دیگر فلسفیانہ تصانیف میں بھی کم و بیش یہی ہے،

وحی و مشاہدہ

ہمارے حکمائے متکلمین اور صوفیہ نے وحی و الہام اور مشاہدۂ روحانیات کی تشریح میں متعدد نظریے قائم کئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

الہامِ فطری اور الہام نوعی، دنیا میں جتنی چیزیں پردۂ عدم سے منصۂ وجود پر آتی ہیں، وہ اپنے اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں، گلاب کا پھول سُرخ اور چنبیلی سفید کیوں ہوتی ہے؟ کھجور میٹھی اور اندراین کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب و ہوا میں مختلف پودے اُگتے ہیں، مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ اور بُو مختلف کیوں ہوتی ہے، اُن کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے، پرندہ کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دانہ چگنے لگتا ہے، بط کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے، حیوانات کے بچے ماؤں کے تھن میں منھ لگا دیتے ہیں، چوہے کے بچے نے گو کبھی بلّی نہ دیکھی ہو، اور نہ بلّی کے بچے نے کبھی چوہا دیکھا ہو، مگر عمر میں پہلی دفعہ جب اُن کی مڈبھیڑ ہو جاتی ہے، تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں، ہر حیوان اپنے نفع و ضرر کو سمجھتا ہے، وہ مہلکات سے بھاگتا ہے، منافع کی طرف لپکتا ہے، یہ تعلیم اُن کو کس نے دی؟ شیر، لومڑی، کُتّا، بلّی، ہر ایک کے بچہ سے وہی اعمال صادر ہوتے ہیں، جو اُن کے نوعی خصوصیات ہیں، ان اعمال کا معلّم کون ہے؟ کوے بلبلوں کے جھنڈ میں اور بلبلیں کووں کے غول میں نہیں بیٹھتیں، یہ ہمجنسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟ چیونٹیاں

اور شہد کی کھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی، ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ معلّم فطرت نے عطیۂ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں ودیعت کر دیئے ہیں

یہ تو انواع کا حال ہے، ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں، جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں، ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں، ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں، ایک نوع انسان میں کس قدر طبقات ہیں، ان میں سے ہر ایک صنف، قسم، اور طبقہ، اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے، جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے، افریقہ کے ایک وحشی انسان سے لیکر یورپ کے ایک متمدن شہری تک، ایک ناخواندہ جاہل سے لیکر ایک فلسفی اور حکیم تک، کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں، ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ معلّم ازل انسانوں کے ایک طبقہ اور صنف (انبیاء) کو علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے وہ الہامات عطا کر دے جن سے دیگر اصناف انسانی محروم اور ناآشنا ہیں،

دنیا میں جس قدر علوم و فنون، صنائع و حرف، ایجادات و اختراعات پیدا ہو چکے ہیں اُن کا کوئی نہ کوئی بانی، موجد اور مخترع ہوگا، پارچہ بافی اور خیاطی سے لیکر ریاضیات اور میکنکس تک جس قدر صنائع و ایجادات اور علوم و معارف ہیں، وہ کسی نہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں، اسی بانی اور مخترع اوّل کے ذہن میں اس مسئلۂ خاص یا ایجاد خاص کا خطور

کیونکر ہوگیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اُس کے نفس میں اس مسئلۂ خاص اور اس ایجاد خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہوگئی اور اُس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہود ہوگئی جو دوسروں کے لئے تمامتر مستور تھی یہی الہام ہی، اب جس شخص کو فلسفیانہ الہامات ہوتے ہیں، وہ فلسفی ہے، جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں وہ شاعر ہی، جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے، وہ آلات ساز اور انجینیر ہے، اور جس نفسِ قدسی میں اسرارِ الٰہیہ، نوامیسِ ملکوتیہ، عقائدِ حقہ، اعمالِ صالحہ، قوانینِ عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے، اور اُس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں،

۲- انقطاعِ حواس عن المادیات، انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلاواسطہ اُس کے حواسِ خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ سے ماخوذ ہیں جن کے کام بہ ترتیب سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا ہیں، اسی طرح انسان میں پانچ قوائے دماغی بھی ہیں جن کے نام حسِ مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ، اور متخیلہ ہیں، ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں جسِ مشترک تو آلاتِ حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے، وہ سیدھا حسِ مشترک میں جاکر منطبع ہوجاتا ہے، اور پھر وہاں سے منتقل ہوکر خیال میں جمع ہوجاتا ہے، اور وہاں محفوظ رہتا ہے، واہمہ وہ قوت ہے، جو اپنے اس گذشتہ محفوظ خزانۂ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہی، اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے، مثلاً دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی، پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے، اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے کہدیا،

کہ یہ شہد ہے اور یہ میٹھا ہوتا ہے" یہ واہمہ کا کام ہے، حافظہ میں قوتِ واہمہ کے مخزونات جمع رہتے ہیں، اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکّرہ بھی ہے، اُس قوتِ دماغی کو کہتے ہیں، جو مدرکات خیال کی ترکیب و تحلیل کرتی رہتی ہے، اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں، سینما (صورِ متحرکہ) کے تماشے کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے، کبھی دو سر کا انسان بناکر کھڑا کر دیتی ہے، کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے، کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالمِ قدس میں جانے کے لئے پَر تولتی ہے، ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرادیتی ہے، آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامۂ فکر و خیال برپا ہوجاتا ہے، وہ اسی کا کارنامہ ہے،

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہئے کہ ہماری قوتِ متفکرہ صرف آرام و سکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حسِ مشترک، ہمیشہ خارج سے آلاتِ حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل و وصول میں مصروف رہتا ہے، اس لئے جب تک بیماری، نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے آلاتِ حواس میں تعطّل نہیں ہوتا، ہمارے قوائے دماغی میں آرام و سکون نہیں پیدا ہوسکتا، خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی دیر کے لئے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، اُس وقت ہمارے پُر اسرار قوائے ذہنی عالمِ بالا کی سیر کرنے لگتے ہیں، اور وہاں کے مشاہدات و مسموعات حسِ مشترک میں آکر ہماری قوتِ مفکرہ کو حرکت دیتے ہیں، اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں، اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالتِ بیداری میں بھی اپنے ظاہری آلات

کو منقطع کرکے عالمِ بالا سے اپنا سلسلۂ تعلق قائم کرسکے، تو اُس کو سب کچھ اسی عالمِ بیداری میں نظر آسکتا ہے،

قوتِ نبوت، تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں، چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کئے ہیں، بعض جمادات میں نباتاتی اوصاف ملتے ہیں، بعض نباتات ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوتِ حس ہے جس سے دیگر نباتات عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے، جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب و غریب قوت ہے جس سے اُن کو کسی طرح بند کرکے لے جائیے، اور کہیں جاکر چھوڑ دیجئے، وہ اپنے چھتہ کا راستہ پالیتی ہیں، مکڑیوں کی اقلیدسی اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں، خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو، اسی طرح ممکن ہے کہ انبیاء میں احساس و ادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصنافِ انسانی محروم ہیں، وہ اپنی اسی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس و ادراک کرلیتے ہیں، جن کو عام قوائے انسانی نہیں کرسکتے، مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اس خیال کو جابجا ظاہر کیا ہے،

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس — آں چو زرِ سرخ وایں حسہا چو مس

ان پانچ جسمانی حواسوں کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں، وہ تانبا ہیں اور یہ سونا ہیں،

حسِ ابدان قوتِ ظلمت خورد — حسِ جاں از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں تو روحانی حواس آفتاب سے،

ہر کہ از حسِ خدا دید آیتے
در بر حق داشت بہتر طاعتے

جس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے، وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع ہے

گر بدیدے حسِ حیواں شاہ را
پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے

گر نہ بودے حسِ دیگر مر ترا
جز حسِ حیواں ز بیرونِ ہوا

اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے

پس بنی آدم مکرم کے بدے
کے بہ حسِ مشترک محرم شدے

تو بنی آدم کا درجہ اتنا بڑھا یا کیوں جاتا، اور صرف حسِ مشترک کی بنا پر وہ محرمِ راز کیونکر ہو سکتا،

......٭......

فلسفی گوید ز معقولاتِ دوں
عقل از دہلیز می ماند بروں

فلسفی لغو معقولات کی باتیں کرتا ہے، تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے،

فلسفی منکر شود در فکر و ظن
گو برو، سر را براں دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث ان حقائق کا انکار کرتا ہو اسکو کہنا چاہئے کہ اپنا سر دیوار پر دے مارے

نطقِ آب و نطقِ باد و نطقِ گل
ہست محسوسِ حواسِ اہلِ دل

پانی، ہوا، مٹی، ان سب کا نطق اہلِ دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے

فلسفی کو منکرِ حنانہ است
از حواسِ انبیاء بیگانہ است

فلسفی جو ستونِ نبوی کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیا کے حواس سے واقف نہیں ہے

۴۔ حواس کی غیر محدودیت، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں، اور ان کے علاوہ کوئی حاسّہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعتِ احساس، ان کے حدود کے اندر محدود ہے، اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سُنائی دیتی ہے، وہ اس لئے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ، سن نہیں سکتے، یا جو چیز ہم کو اُس وقت دکھائی یا سُنائی نہیں دیتی۔ وہ آئندہ بھی ہم کو دکھائی یا سُنائی نہیں دے گی، بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سُن نہ سکے، دوسرا انسان اُس کو دیکھ اور سُن لے، کوتہ نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں، بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے بہت زیادہ تیز ہوتے ہیں، چیونٹی میں قوتِ شامّہ، چیل اور کبوتر میں قوتِ باصرہ، سانپ میں قوتِ لامسہ، کتّوں اور گھوڑوں میں قوتِ سامعہ معمولی سطحِ حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے، خود انسان کے حواس کے درجے کس قدر متفاوت اور مختلف ہیں، ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے، دور کی چیز اُس کو نظر آتی ہے، دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کر لیتا ہے لیکن کمزور حواس کے انسان اُن کا مطلق احساس نہیں کر سکتے لیکن کسی طریقہ سے اگر اُن کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہو سکے تو وہ بھی اسی طرح دیکھ سکتے، سُن سکتے، اور سونگھ سکتے ہیں،

مقدمۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے اگر اس کی قوتِ بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے، تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کر سکتی ہے، اور پھر جس قدر اس کے حواس میں ترقی ہوتی جائیگی، اس کے احساسات

میں اضافہ اور محسوسات میں وُسعت آتی جائے گی، ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں، اس میں گرد وغبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی، خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب، ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں، یہاں تک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی، اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے، اور جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو ہر نئی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں، یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار، نویں درجہ کے ایک لاکھ بیس ہزار، ہم کو اس فضائی آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ہرشل کی دوربین سے کُل چھوٹے بڑے ۲ کرور ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے،

یہی حال سماعت کا ہے، پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جا سکتی ہوگی، ٹیلیفون کی پہلی ایجاد نے اس فاصلہ کو بڑھایا، اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے، چند سالوں میں یہاں تک ترقی ہوگئی کہ سوئزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر ہم بولتے ہیں، اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں، لکھنؤ سے الٰہ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے، اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز پہنچنے والی ہے،

ان روزمرہ کی مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواس کے فعل وانفعال اور تاثیر اور تاثر کے دائرہ کی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے، اور یہ ممکن ہے کہ ایک صنفِ انسانی کے حواس قدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ اُن کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا، اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھ کو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی، حضرت یعقوبؑ کو کنعان کی وادی میں بیٹھکر مصر سے حضرت یوسفؑ کے پیرہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے، مولانا رومیؒ اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کر دیتی ہے،

پنج حس بایک دگر پیوستہ اند　　نانکہ این ہر پنج ز اصلی رستہ اند

حواسِ خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں،

قوتِ یک قوتِ باقی شود　　مابقی را ہر یکے ساقی شود

ایک حاسہ کی قوت بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے،

دیدنِ دیدہ فزاید عشق را　　عشق اندر دل فزاید صدق را

دیدارِ چشم، عشق کو ترقی دیتا ہے،　　اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے

صدق بیداریِ ہر حس می شود　　حسہا را ذوق مونس می شود

سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب بن جاتی ہے، اور احساس کو ذوق و وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے،

۵۔ عالمِ مثال۔ علمائے اسلام میں جن کے سینے علم وحکمت کے ساتھ نورِ معرفت سے

بھی منوّر ہیں، انھوں نے نظر و استدلال سے نہیں، بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے، حکماء میں دو گروہ ہیں ایک وحدیہ اور دوسرا ثنویہ، وحدیہ وہ ہیں، جو ایک ہی عالم کے قائل ہیں، یعنی اُن کے نزدیک مبدء عالم صرف ایک ہی ہے، اُن کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جو مبدء عالم صرف مادّہ کو مانتی ہے، اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی، یہاں تک کہ عقل و حیات اور قواے ذہنیہ تک اُس کے نزدیک تمامتر مادّہ کی نیرنگیاں ہیں، اُن کو مادیین اور طبعیین کہتے ہیں، دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے وہ صرف نفس و روح کو تسلیم کرتی ہے، اور اس عالم محسوس کو وہم و تصوّر سے زیادہ رتبہ نہیں دیتی اُس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے، وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں، ان کو روحانیین کہتے ہیں،

ثنویہ، دو مبدء عالم تسلیم کرتے ہیں یعنی مادہ اور روح، اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں،

ہم نے اوپر کی سطروں میں جن ارباب معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں، ایک تو یہ عالم اجساد یا عالم شہادت جس کو تم مادّہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا عالم ارواح یا عالم غیب جو مادی اور مادیات سے منزہ اور مافوق ہے، اور تیسرا عالم مثال یا عالم برزخ، یہ وہ عالم ہے، جہاں عالم اجساد اور عالم ارواح، عالم شہادت، اور عالم غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین مجتمع ہو جاتے ہیں، عالم اجساد کی چیزیں وہاں جا کر پیکر مادی سے پاک ہو کر سامنے آتی ہیں اور غیر مادی معانی اور حقائق

اور عالم ارواح کی مخلوقات وہاں مجسم اور متجسد ہو کر نظر آتی ہیں، امام ربانی مکتوبات میں لکھتے ہیں،

اے برادر! عالم ممکنات را سہ قسم قرار دادہ اند، عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد، عالم مثال را برزخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد ونیز گفتہ اند کہ عالم مثال در رنگ مرآۃ است مر معانی وحقائق این ہر دو عالم را کہ معانی وحقائق اجساد وارواح در عالم امثال بصور لطیفہ ظہور می نماید، چہ در آنجا مناسب ہر معنی وحقیقتی صورت و ہیئت دیگر است، وآن عالم فی حد ذاتہ متضمن صور وہیئات واشکال نیست، صور واشکال در وے از عوالم دیگر منعکس گشتہ ظہور یافتہ است ورنگ مرآۃ است کہ فی حد ذاتہا متضمن ہیچ صورت نیست، اگر در وی صورت کائن است از خارج آمدہ است۔

(جلد سوم مکتوب سی ویکم)

عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں عالم ارواح، عالم مثال، اور عالم اجسام، عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجسام کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال، عالم ارواح اور عالم اجسام کے معانی وحقائق کے لئے آئینہ کے مانند ہے کہ اس عالم مثال میں، اجسام وارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ اس عالم مثال میں ہر معنی وحقیقت کی ایک خاص مناسب شکل ہے اس عالم مثال میں بذات خود کوئی صورت و شکل و ہیئت نہیں ہے، یہ صور واشکال دوسرے عالموں سے آکر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو صور و اشکال اس میں نمودار ہوتی ہیں وہ خارج سے آکر اس میں جلوہ گر ہوتی ہیں

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگون کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثل ہے، لیکن افلاطون فرقہ وحدیہ سے تھا یعنی عالم کا مبدء صرف ایک تسلیم کرتا تھا، اس لئے اس کے نظریہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرداً فرداً

جزئی اور مشخص ہو کر آتی ہے نفس کلی اور مطلق نوع کا وجود خارج میں نہیں، مثلاً ہم کہتے ہیں، "انسان ہنستا ہے" "گھوڑا ہنہناتا ہے"، "کتا بھونکتا ہے" تو یہ کسی خاص انسان، خاص گھوڑے یا خاص کُتے کی نسبت حکم نہیں ہے، بلکہ انسان، گھوڑے، اور کتے کی نوع پر یہ حکم لگایا گیا ہے، لیکن کلی انسان مطلق گھوڑا، اور مطلق کُتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہئے، پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں، مگر ذہن جو ہمارے محدود و مختصر دماغ کا دوسرا نام ہے، کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سما سکے، اس لئے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بستے ہیں، اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں، وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں، یہ انواع عالم مُثل میں ہیں، اور اُن کے عکس اور سائے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے، وہ اس عالم محسوس میں ہیں، حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثل کا ہے، وہ گویا قدرت کے سانچے ہیں، اور ان ہی سے ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں، مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے، وہ صرف اپنی اپنی نوع کے آثار اور ظلال (سایہ) ہیں، پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روحِ نوعی ہے، جو اس نوع کا خدا ہے، اسی کا نام ان کی اصطلاح میں ربُّ النوع ہے،

یہ ہے مثلِ افلاطون کی حقیقت، عالمِ مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے، اس عالم کے قائلین جیسا کہ ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گذر چکا، تین عالم کے قائل ہیں، عالمِ جسمانی، عالمِ روحانی، اور عالمِ مثالی، عالمِ مثالی جسم و روح کے احکام کا

جامع ہے، اس میں روحانی اشیا متجسم اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں، اور وہ معانی و حقائق جن میں جسم و جان نہیں ہے، مثلاً حیات، موت، علم، عقل، جسمانی رنگ و روپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں، ارواح، فرشتے، جبریل، جو جسم سے پاک ہیں، اس عالم میں متجسم معلوم ہوتے ہیں، اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں کبھی روحانیات متجسم ہو کر اور کبھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں، اور اہلِ معرفت اُن کو دیکھ کر اُن کی مناسب تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کبھی خواب میں علم دریا کی صورت میں غیظ و غضب آگ کی شکل میں، شجاعت شیر کی ہیئت میں نظر آتی ہے، اسی طرح عالمِ مثال میں بھی معانی و حقائق اور روحانیات و مجردات کسی مناسب جسمانی شکل و صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور اُن کو دیکھ کر اہلِ بصیرت ان رموز و کنایات کی حقیقت کو پا لیتے ہیں، خود عالمِ مثال میں کوئی آبادی نہیں، وہ صرف ایک آئینہ خانہ ہے جس میں عالمِ بالا یا عالمِ زیرین سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے، اہلِ بصیرت کو نظر آجاتی ہے،

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے لیکن اس کو انھوں نے عالم کے لفظ سے نہیں، بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تعقل کرتے ہیں، ہمارے معلومات و محسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابلِ انکار ہے، جس طرح عام اشیا کا یہ خارجی وجود لیکن نہ ہم اُن کو دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں، نہ چکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس بنا پر امام صاحب

کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں، ۱ وجود حسّی، ۲ وجود عقلی، اور ۳ وجود خیالی، اس آخری قسم کی انھوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے:۔

"اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہد بن کر سامنے آئے اور یہ خاص انبیاء اور پیغمبروں کی شان ہے، اس کی مثال خواب کی ہو جس طرح خواب میں زبان حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے، اور وہ آوازیں سنتے ہیں، مثلاً کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے، یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے، یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے، یا اُس کو کاٹھ بکٹا رہا ہے، یا اس سے چھینتا ہے یا یہ دیکھے کہ اس کی انگلی آفتاب سورج یا چاند گہن بن گئی ہے یا اس کا ناخن شیر ہو گیا ہے، یا اسی قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں، انبیاء علیہم السّلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں، اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں اُن سے خطاب کرتی ہیں، ایک جاگتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں، اور محسوس ہوتی ہیں، وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا، کہ یہ خیالی گویائی ہے یا خارجی اور حسّی ہے، خواب دیکھنے والے کو تو یہ فرق اس لئے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے، اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے،

جن لوگوں کو ولایت تامّہ حاصل ہو جاتی ہے، اُن کو یہ تمثیلی رنگ تنہا نظر نہیں آتا، بلکہ اس کا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے، اُس کی ولایت اپنے فیض کی شعاعیں اُن پر ڈالتی ہے اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحب ولایت کو نظر آتا ہے، اور وہی سنتے ہیں، جو صاحب ولایت کو سُنائی دیتا ہے، (مضمون بہ علی غیر اہلہ صفحہ ۱۹۔ مصر)

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تشریح کی ہے، امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم السنن میں اس کو رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، افسوس ہے کہ معالم کا اصل نسخہ موجود نہیں، حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں اُن کی رائے نقل کی ہے، شریک بن عبداللہ کی روایت جس میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے، اُس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

فمن لم یبلغه من هذا الحدیث الا هذا القدر مقطوعا عن غیره لم یعتبره باول القصة واٰخرها اشتبه علیه وجهه ومعناه، وکان قصاراه اما رد الحدیث من اصله واما الوقوع فی التشبیه وهما خطتان مرغوب عنهما واما من اعتبر اول الحدیث باٰخره فانه یزول عنه الاشکال فانه مصرح فیهما فانه کان رؤیا لقوله فی اوله "وهو نائم" وفی اٰخره "استیقظ" وبعض الرؤیا مثل یضرب لیتاول علی الوجه الذی یجب ان یصرف الیه معنی التعبیر فی مثله وبعض الرؤیا لا یحتاج الی ذالک بل یاتی کالمشاهدة[1]

پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی ٹکڑا (کہ خدا معراج میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے قریب ہوا) حدیث کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا، اور اُس نے آغازِ روایت اور آخرِ روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتبہ ہو جائیگا، اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دیگا اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسیم کا قائل ہو جائیگا اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں، لیکن جو شخص اوّل و آخرِ حدیث کو ملا کر دیکھے گا تو اس سے اشکال رفع ہو جائیگا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے کہ آپ سوتے تھے، کہ آپ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اس کے بعد آپ بیدار ہوئے بعض خواب بہ رنگ تمثیل ہوتے ہیں جنکی تعبیر اسی طرح کیجاتی ہے جس طرح اور خوابوں کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب تعبیر کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ وہ مشاہدہ کی طرح ہوتے ہیں۔

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۲،

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا عالم نام رکھا، اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی، مگر انھوں نے عالم مثال اور مثل افلاطونیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے، خواجہ حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے،

ع: عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است

حضرات نقشبندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے زمانہ کے بہت پہلے سے یہ خیال اُن میں پایا جاتا ہے، کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے، ان کے بعد تو حضرات مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی پر نہایت پُراسرار مباحث ہیں، علمائے متکلمین میں سے جس کو سب سے پہلے اس نظریہ کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا، وہ مجدد الف ثانیؒ کے ایک مرید بدر الدین ہیں، چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں:-

پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود، در رنگ المیکہ در خواب در عالم مثال نمایند، و نوشتہ بودند کہ این سخن شاخہائے بسیار دارد و اگر قبول نمایند فروع بسیار بریں سخن متفرع خواہد ساخت،

(مکتوب سی و یکم جلد سوم)

پس عذاب قبر بھی عالم مثال میں ہوگا، اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں درد اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، اور یہ بھی انھوں نے لکھا کہ اس مسئلہ سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں، اور اگر آپ قبول فرمائیں، تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے،

یہی چند منتشر خیالات تھے، جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنا دیا، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کا ایک باب باندھا ہے، اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کئے ہیں:-

ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے، جو غیر مادی ہے، اور جس میں معانی (اغراض وحقائق) ان اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں، جو اوصاف کے لحاظ سے اُن کے مناسب ہیں، پہلے اس عالم میں اشیا کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا میں اُن کا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے"

اکثر وہ اشیا، جو عوام کے نزدیک جسم نہیں رکھتیں، اس عالم میں منتقل ہوتی ہیں، اور اترتی ہیں، اور عام لوگ اُن کو نہیں دیکھتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اُس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران قیامت میں بادل یا سائبان، یا صف بستہ پرندوں کی شکل میں آئیں گی اور اُن لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی جنھوں نے اُن کی تلاوت کی ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی، پھر خیرات، پھر روزہ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں، جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کی جائیں گی، سو نیکی نیکی والوں کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والوں کو کہے گی کہ "ہٹو ہٹو" لیکن وہ لوگ اس سے چپٹے ہی رہیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اور جتنے دن ہیں وہ معمولی صورت میں حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائے جائے گی جس کے بال کھچڑی دانت نیلے اور صورت بدنما ہو گی" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمھارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بادل سے قطرے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ "اچانک چار نہریں نظر آئیں، دو نہریں اندر تھیں، اور دو باہر، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے، بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں، اور باہر کی نیل اور فرات ہیں" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز میں فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کرکے لائی گئیں، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت اور دوزخ مجسم ہو کر آ گئیں، میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں، لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے رُک گیا، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا، جس نے ایک بلی کو باندھ کر مار ڈالا تھا، اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی، اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے"

پھر جبرئیل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں، اور حدیث میں ہے کہ بلا جب نازل ہوتی ہے تو دعا، اس سے کشتی لڑتی ہے، اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا

اور اس سے کہا کہ آگے آ، تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو وہ پیچھے ہٹ گئی، اور حدیث میں ہو کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے ہیں"، اور حدیث میں ہو کہ (قیامت میں) موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دی جائے گی"

اور خدا نے فرمایا کہ "ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی، تو وہ اُن کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی"، اور حدیث سے ثابت ہوتا ہو کہ جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے اور کوئی اُن کو نہیں دیکھتا تھا، اور حدیث میں ہے کہ قبر ستّر ستّر گز چوڑی ہو جاتی ہے، یا اس قدر سمٹ آتی ہو کہ مردہ کی پسلیاں بھرکس ہو جاتی ہیں، اور حدیث میں ہی کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں، اور مردہ کا عمل مجسّم ہو کر اس کے سامنے آتا ہو، اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لے کر آتے ہیں، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں، مردہ شور کرتا ہو، اور اُس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں، اور حدیث میں ہو کہ قبر میں کافر کے اوپر ننانوے اژدھے مسلط ہوتے ہیں، جو اس کو کاٹتے ہیں تا بہ قیامت؛ اور حدیث میں ہو کہ جب مردہ قبر میں آتا ہو، تو اُس کو نظر آتا ہو کہ آفتاب غروب ہو رہا ہو، وہ اُٹھ بیٹھتا ہو اور کہتا ہو کہ ٹھہرو نماز پڑھ لوں، اور حدیث میں اکثر جگہ آیا ہو کہ قیامت میں خدا بہت سی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا، اور یہ کہ خدا انسانوں سے بالمشافہہ بات چیت کرے گا، اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں، جن کا شمار نہیں ہو سکتا،

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھے گا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اس کو ماننی پڑے گی، یا تو

ظاہری معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑے گا جس کی کیفیت
ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے،
چنانچہ سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے، اور یہی مذہب ہے
یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی، اور اس کی
نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے، گو اس کے حاسہ کے باہر ان کا وجود نہ ہو، قرآن مجید میں جو
آیا ہے کہ "آسمان اس دن صاف دھواں بن کر آئے گا" اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
نے اسی کے قریب قریب لئے ہیں یعنی یہ کہ لوگوں پر قحط پڑا تھا، تو جب کوئی آسمان کی طرف
دیکھتا تھا تو اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون
(مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے
اُن کے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ وہ خدا کو ایسی حالت
میں دیکھیں گے کہ وہ اُتر رہا ہے اور جلوہ دکھا رہا ہے، اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب
کر رہا ہے، حالانکہ خدا کی جو شان ہے اُس میں نہ تغیر ہوگا، نہ منتقل ہوگا، اور یہ اس لئے
ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور
تمثیل کے بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر
بس کرتا ہے، میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا، امام غزالی نے عذاب قبر کے بیان
میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان تمام واقعات کے ظاہری
معنی صحیح ہیں، اور اُن کے اندرونی اسرار مخفی ہیں، لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ

اسرار فاش اور کھلے ہوئے ہیں، تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں اُن کو اُن کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب نہیں ہے، کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے"

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی، معراج، رویتِ ملائکہ، ملاقاتِ انبیاءؑ براق، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم میں کی ہے، ہم نے آگے چل کر ایک باب عالمِ رویا کا قائم کیا ہے، اس میں دکھایا ہو کہ اس اصول کی صحت پر آیات واحادیث سے استناد ہو سکتا ہے،

ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد یہ بآسانی کہا جا سکتا ہو کہ اُن کا درجہ دلائل وبراہین کا نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں ان میں سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کے تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے، وہ کم یا دور ہو جائے، اس لئے ہر گروہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریقِ فکر کے مطابق اپنے تجربیات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے، جس پر قیاس کرکے وہ باتیں جو تجربہ ومشاہدہ سے ماوراہیں، اُن کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہن انسانی میں قائم ہو جائے، کہ وہ اُن کے انکار واستبعاد کی جرأت نہ کر سکے، اور قلبِ بدگمان اور عقلِ نارسا کسی قدر تسلی پا سکے، ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر، جسمانی قوانینِ فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جا سکتا ہے،

کہ کس نہ کشود ونہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

معجزات

ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ کی صداقت کے لئے دنیا پر ظاہر کرتا ہے، اس کے لئے چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہو کہ وہ خارقِ عادت ہو، تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھنی چاہئے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لئے صادر ہو، اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہو وہ یہ ہو کہ عالم کائنات ایک نظامِ خاص پر قائم ہو، ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو سلسلہ اشیا میں نظر آتا ہو، ان میں باہم اس قدر لزوم ہو کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہو سکتے، ہر شے میں ایک خاصیت ہو، جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی، اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہو، اس کا اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا، آگ جلاتی ہو، سمندر بہتا ہو، درخت ساکن ہے، پتھر چلتا نہیں، سورج میں نور ہے، کنکر بولتے نہیں، سنکھیا زہر قاتل ہے، انسان مرکر پھر جیتا نہیں، اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہو کہ آگ نے جلایا نہیں، سمندر دفعۃً تھم گیا، درخت چلنے لگا، پتھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگئی، زہر کھاکر آدمی مرا نہیں، اور انسان مرکر اشارہ سے پھر جی اٹھا، تو درحقیقت وہ اس پورے نظامِ فطرت کو جس پر دنیا قائم ہو، درہم برہم کرنا چاہتا ہے، علل و اسباب کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے، اور اشیاء کے اُن طبائع اور خواص کے علانیہ انکار پر آمادہ ہو جو بارہا کے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں، اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظامِ فطرت، یہ سلسلۂ علل و اسباب، یہ طبائع، اور خواص اس درجہ ناقابلِ تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتی، فلاسفہ اور حکما کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ، یہ اصول ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تغیر ہیں حکمائے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اس نظامِ فطرت اور سلسلۂ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا، اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علتِ عادیہ اور سببِ طبعی کے پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں، اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ وہ بھی علل و اسبابِ طبعی کے نتائج ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے اب قاصر ہیں، اور وہ اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں، ممکن ہے کہ تحقیقاتِ انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہماری فہم میں آجائیں، معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظامِ فطرت، موجودات میں سلسلۂ علل و معلولات، اور اشیا میں طبائع و خواص ہیں لیکن ہم ان کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے، کہ یہ کسی حال میں اور کسی طرح سے شکست نہیں ہو سکتے، آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتاتِ دانہ سے، پرندے انڈے سے، اور حیوانات نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعۃً پیدا ہو جائیں، غرض یہ کہ خرقِ فطرت کلیۃً محال نہیں ہے، اشاعرہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقۃً قوانینِ فطرت ہیں، اور نہ خود اشیاء کے اندر خواص ہیں، بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے، اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیانِ عقل نے بلکہ اربابِ ظواہر تک نے مضحکہ اڑایا ہے لیکن درحقیقت

یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اسکو ہنسی میں اڑا دیا جائے، چنانچہ اُس کی تفصیل آگے آئے گی،

فلاسفہ اور حکماء کی وہ جماعت جو قوانین فطرت کے ناقابلِ شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے اور اس بنا پر معجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے، امام رازی نے لکھا ہے[1] کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے مگر وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں، جن کی بنا پر خوارقِ فطرت کا تسلیم کرنا اُن کے لئے لازمی ہو جاتا ہے، مثلاً،

۱۔ وہ "تولّد ذاتی" کے قائل ہیں یعنی یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظامِ خاص کے ساتھ ہوتی ہے، ایک قطرۂ آب سے خون، خون سے گوشت، پھر بتدریج مدتِ حمل کے اندر وہ شکمِ مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں، ایک متعین زمانہ کے بعد وضع حمل ہوتا ہے، پھر شیر خوارگی، اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند، قوی ہیکل، ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، وہ دفعۃً ان بیچ کے منازل کو طے کئے بغیر اس ہیکل اور صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں، یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرۂ آب کے زمانہ سے لے کر اس عالمِ شباب کے عہد تک اس مجموعۂ عناصر کو جو سالہا سال صرف کرنے پڑے، اُس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لئے ایک خاص قسم کے اعتدالِ ترکیب کی ضرورت تھی، جب ترکیب میں اعتدال پیدا ہوا، حیات پیدا ہو گئی اس بنا پر اگر کسی مجموعۂ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے، جس میں حیاتِ انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو بغیر نطفہ، حمل، خون، گوشت، وضع حمل، شیر خوارگی، بچپن وغیرہ، درمیانی وسائطِ طبعی کے، اچھا خاصا ایک نوجوان مٹی کے پتلہ سے بن کر کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ

[1] مطالبِ عالیہ بحث معجزات (نسخہ قلمی موجودہ دارالمصنفین)، و تفسیر کبیر سورۂ اعراف،

برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جان دار اور ذی روح بن جاتے ہیں، اسی کا نام تولد ذاتی ہے،

اس تفصیل کی بنا پر اُن کے نزدیک یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لئے دنیا میں جو سلسلۂ اسباب عادۃً جاری ہے، اُس کے خلاف ہوسکتا ہے، تو پھر عصا سانپ بھی ہوسکتا ہے، مردے زندہ بھی ہوسکتے ہیں، پہاڑ سونا بھی ہوسکتا ہے، ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہو کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے، وہ مٹی غذا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے، اور پھر وہ غذا دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بنجاتی ہے، تولد ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیچ کے وسائط کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے،

۲- یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہوتے ہیں، وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیولیٰ) ہی کے تغیرات کے نام ہیں، مادّہ (ہیولیٰ) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے، اس بنا پر عالم میں، انواع، اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروروں تنوّعات، اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں ان کا سبب مؤثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل، اور ایک ہی خاصیت ہو تم کہو گے کہ یہ اختلاف و تنوع مادہ کے اختلافِ استعداد سے پیدا ہوا لیکن استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے، علت فاعلہ اور سبب موثر کیا ہو؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکیہ کی گردش اور رفتار ہے، مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرامِ فلکی اس گردش و رفتار اور اختلافِ اشکال کی نہ کوئی حد و نہایت ہو، اور نہ کسی

قانونِ فطری کے ماتحت ہیں، اور نہ اُن کا علم ہم کو ہو سکتا ہے، تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائب قدرت اور خوارقِ فطرت کی وہ کونسی مثال ہے، جس کے محال ہونے کا دعویٰ وہ کر سکتے ہیں،

۲- عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سببِ مؤثر کی بنا پر ہوتا ہے، یا بلا سبب مؤثر کے ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں خرقِ عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر یہ کہئے کہ حوادث بلا سبب مؤثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں، تو گویا آپنے خود خرقِ عادت کو تسلیم کر لیا، پھر دنیا میں کوئی عجیب سی عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی، اور اگر یہ کہئے کہ یہ سبب مؤثر کے نتائج ہیں تو دو حال سے خالی نہیں، یا یہ سبب مؤثر صاحبِ اختیار و ارادہ ہے، اور یہ تمام حوادث و تاثیرات اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں، یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے، اور یہ حوادث و تاثیرات اُس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرارانہ طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی، آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک، پہلی صورت میں معجزات اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں، کیونکہ اس مدبر و مؤثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شے اسی طرح واقع ہوگی، کوئی اس کا مانع نہیں، دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ مؤثر عالم سے زمانۂ قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں، جیسے آفتاب سے روشنی، ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم و ازلی سبب و مؤثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی اور مختلف شکل و صورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں، آپ کہیں گے کہ علت تو بیشک واحد قدیم ہے، مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادّہ پیدا ہونا چاہئے، مادہ میں یہ استعداد و صلاحیت گردشِ فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے، لیکن

ابھی یہ کہا جا چکا کہ آپ کے نزدیک اشکالِ فلکی کی نہ تو کوئی حد و پایان ہے، اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں، اس بنا پر حوادثِ عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردشِ فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے، تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلافِ فطرت اور خلافِ عادت معلوم ہوتی ہے، وہ کسی خاص شکلِ فلکی کا نتیجہ ہو،

گذشتہ تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسبِ ذیل دلائل قائم کئے ہیں،

(۱) **تاثیراتِ فلکیہ**، معجزات کے انکار کی اصلی وجہ ہو کہ اس کے حل کرنے کے لئے کوئی مادّی علت ہمارے پیشِ نظر نہیں ہو، اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل و اسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکما، کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردشِ افلاک اور گردشِ نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت بڑا اثر ہے، اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں مؤثر ہوتے ہیں ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب و غریب شے کی تعلیل ہم مادی و طبعی علل و اسباب سے نہیں کر سکتے، تو یہ کیوں ممکن نہیں ہو کہ اس کے اسباب فلکی و سماوی ہوں،

(۲) **عللِ خفیہ**، یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سببِ طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سببِ طبعی ہمارے علم و فہم میں آجائے، دنیا میں بیسیوں اسرارِ قدرت ہیں، جن کی اب تک تحلیل نہیں ہو سکی ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسبابِ طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہوں لیکن اُن کے اسباب و علل اب تک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں، مثلاً یہ کہ انبیائؑ نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا، اور اس مدت میں

ایک دانہ بھی انھوں نے نہیں کھایا لیکن باایں ہمہ اُن کی قوتِ جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا؛
یہ بظاہر عجیب بات ہے مگر سببِ طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بُھوک لگتی ہے؟ اس لئے
کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کرلینے کے بعد اُس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا
دیتے ہیں، تو اُن کے لئے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا، اور اُن کو کام کی تلاش ہوتی ہے لیکن
ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہوجانے کے باعث سے، یا کسی غم
کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے، کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قویٰ معطّل ہوجاتے ہیں، اور وہ
اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لئے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی، اس بنا پر اگر یہی حالت کسی
نفس کی اس سبب سے ہوجائے کہ اُس کو روحانیات کے ساتھ شدتِ انہماک اور جسمانیات
سے قطعِ علائق ہوگیا ہے، تو اُس کے قوائے جسمانی بھی معطّل ہوسکتے ہیں، اور وہ مدت تک فاقہ
کرسکتا ہے، اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بھی کی جاسکتی ہے،

(۳) **قوتِ کمالیہ** اس عالم میں جس قدر انسان ہیں، اُن کے نفسانی خصوصیات کو
اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں، ایک بلید الفہم اور کودن ہے،
تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے، ایک کو بولنے کا شوق ہے، تو دوسرے کو سننے کا، ایک علم کا
عاشق ہے تو دوسرا اُس کا دشمن، ایک علوے ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلاب کے سامنے مشکلات
کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس و خاشاک ہیں، دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ
وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سے معمولی بات بھی اس کے
ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی، دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی، پھر علم و فن کے

عشاق میں بھی کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے کسی کو عقلیات کا چسکا ہے کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے، قوتِ شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے کسی کو لباس و پوشاک اور وضع و قطع کا کسی کو کھانے پینے کا، ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کے اُڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے کوئی طبعًا حلیم ہے، تو دوسرا سرتاپا غضب کا شعلہ ایک خلقی طور سے قانع ہے، تو دوسرا حریص اور طماع، کوئی بدزبان ہے، مگر بدکردار نہیں، دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے، مگر بباطن نہایت بداطوار اور خفیف الحرکتہ ہے، ان میں سے ہر وصف وخاصیت کے بھی سیکڑوں مدارج اور مراتب ہیں، الغرض صفات وخواص نفسانی کے مظاہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں، کہ وہ حصر و تحدید میں بھی نہیں آسکتے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں اُن کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں، اُن پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا لیکن دوسرے اعمال و آثار جن کے خصائص اس کے نفس میں نہیں ہیں، اُن پر اس کو سخت تعجب آتا ہی بلکہ اگر اُن اشخاص کو اُس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو اُن خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا، ایک بخیل کے نزدیک بذل وکرم کی راہ میں تمام گھربار لٹا دینا ایک مافوق البشریہ کارنامہ ہی، ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہی معمولی حافظہ والوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد تھیں، اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۲۰ جلدیں نوکِ زبان تھیں، تو اس کو یقین نہیں آئے گا، تیمور، بابر، ہنیبال، اور نپولین کی قوتِ عزم وارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے، ایک کمزور ارادہ کا آدمی خود

اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا، لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں، کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکر بے جان بن جاتے ہیں، یہی حال دوسرے خصائص کے اختلافات کا ہے،

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوسِ انسانی کے اتحادِ ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے، ؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لئے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں، وہ دوسرے سے نہیں ہوتے، یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلافِ مزاج ہے، جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں، بہر حال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو جس کی بنا پر اُن سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں، جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے، اور اس لئے وہ اُن کو مستبعد اور نا قابلِ فہم نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذکی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف کو لحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طامع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور اور ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب آتا ہے لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے، نادر الوجود ہیں، اس لئے عموماً ان کے خصائص اور آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے،

(۳) قوتِ نفسیہ، ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہو حرکت دیتا ہے؛

گویا ایک قوت ہی، جو اُس کے تمام قالبِ جسمانی پر مسلط ہے، اور یہ جسم اس کے امر اور ارادہ کے ماتحت اُس کے حکم کو اس طرح بجالاتا ہے، کہ وہ اس کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کرسکتا، یہ تصرف اور عمل ہر نفسِ انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے، اور یہ معمولی اور ادنیٰ نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے لیکن جو نفوس اُن سے زیادہ طاقتور ہیں، وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع افرمان کرلیتے ہیں، یہاں تک کہ اُن میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے، اُن کے لئے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے، اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں، جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں،

تاثیراتِ نفسانیہ، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہی کہ نفسِ انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں، وہ اُس کے جسم مادی کو متاثر کردیتے ہیں، رات کو کوئی چیز دیکھی، اور اُس کا ہیبتناک تصور کیا، اور گھبرا کر چیخ اٹھا، یا بیہوش ہوکر گر پڑا، کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پُل پر سے گزرتے ہوئے خوف طاری ہوا، ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا، غصہ سے آدمی کا چہرہ سُرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑجاتا ہی، آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا، غُصہ آگیا، غُصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہوگئی اور گرمی سے پسینہ آگیا، محض وہم سے آدمی ڈرجاتا ہے، بلکہ بیمار پڑجاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مرجاتا ہی، ان تمام واقعات میں دیکھو کہ نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کردیتے ہیں، یہ تو کمزور نفوس کا حال ہی لیکن جو لوگ کہ اربابِ نفوسِ قدسیہ ہیں، وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کرسکتے ہیں، اور اُن میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کرسکتے ہیں،

یہ آخری دلیلیں بعینہ وہی ہیں، جو آج ہپنوٹزم (تنویم مقناطیسی) اور مسمرازم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں۔

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرق عادات کو تسلیم کرتے ہیں، جہاں تک ہم اُن کی عبارتوں سے سمجھ سکتے ہیں، اس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ جو کچھ اختلاف ہے، وہ صرف اصل نظریہ میں ہے، معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت واثر علیت ومعلولیت و سببیت نفس اشیاء میں ہے یعنی خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک علت وسبب اور دوسرے کو معلول ومسبب بناتی ہے آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا ازل سے اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے، اسی کا نام طبیعت ہے، جس سے اُس کی خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لئے معتزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوزش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدور ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہو کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوزش اور برف میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہو، اور جب کوئی معجزۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے، تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لئے بدل دی جاتی ہے یا روک لی جاتی ہے،

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں، جس کی بناء پر ایک علت وسبب اور دوسرا معلول ومسبب ہو نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں، جس کو ہم گرمی کا سبب قرار دیں، اور نہ نفس برف کے اندر ٹھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے، بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً کسی سے گرمی، کسی سے سردی،

کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن کسی سے ٹھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں جن کو ہم حسب ارادۂ الٰہی اشیاء میں محسوس کرتے ہیں، ہماری عادت یہ ہوگئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک کو علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ حقیقت میں علت و معلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں، اگر ارادۂ الٰہی بدل جائے تو ہم آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی محسوس کرنے لگیں نفس آگ اور برف کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو محال قرار دے اور اس لئے حسب ارادۂ الٰہی معجزات کا صدور ہوا کرتا ہے،

علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جہم ہے جس کے انتساب سے فرقۂ جہمیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابو الحسن اشعری نے اس کی پیروی کی، علامہ موصوف نے مسئلۂ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے،

لکن من لا یثبت الاسباب العلل من اھل الکلام کالجھم وموافقیہ فی ذالک مثل ابی الحسن الاشعری واتباعہ یجعلون المعلوم اقتران احد الامرین بالآخر لمحض مشیئۃ القادر المرید من غیر ان یکون احدھما سبباً للآخر ولا مولداً له،

لیکن متکلمین میں جو لوگ سباب علل کے منکر ہیں، جیسے جہم اور اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں، جیسے ابو الحسن اشعری اور اُن کے پیرو، وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ایک لگاؤ و علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ صرف اسی قادر ذی ارادہ کی مشیت سے ہے، بغیر اس کے کہ ایک دوسری کا سبب ہو،

واما جمھور العقلاء من المسلمین وغیر المسلمین

جہمیہ و اشاعرہ کے علاوہ تمام عقلاء مسلمان یا غیر مسلمان

اهل السنة من اهل الکلام والفقه والحدیث والتصوف، وغیر اهل السنة من المعتزلة وغیرهم فیثبتون الاسباب ویقولون کما یعلموا اقتران احدهما بالآخر یعلمون ان فی النار قوة تقتضی الحرارة وفی الماء قوة تقتضی البرودة وفی العین قوة تقتضی الابصار وفی اللسان قوة تقتضی الذوق ویثبتون الطبیعة التی تسمی الغریزة و النحیزة والخلق والعادة ونحو ذلک من الاسماء،

مسلمانوں میں اہلِ سُنّت ہوں خواہ وہ متکلم ہوں، اہلِ فقہ ہوں، اہلِ حدیث ہوں، اہلِ تصوف ہوں، اور غیر اہلِ سُنّت میں معتزلہ ہوں یا کوئی اور فرقہ ہو، یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہو کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ اور علاقہ ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہو گا کہ آگ میں ایک قوت ہے جو گرمی کو چاہتی ہے، اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک کو مقتضی ہے اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو دید کا باعث ہے، اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا کرتی ہے، یہ لوگ طبیعت کو ثابت کرتے ہیں جس کا

ہ دوسرا امر فطرت، خلقت، عادت، غریزہ ہے،

اوپر خرقِ عادت کے امکان اور عدمِ امکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کئے ہیں، یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذہب ہو سکتے ہیں، ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں، اور دوسرا اُن لوگوں کا جو اُس کے یکسر منکر ہیں،

دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے، جن کے نزدیک عالمِ مادی کے باہر کچھ نہیں ہے، اور تمام کائنات ذراتِ مادہ کے باہمی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں، اور سلسلۂ علل و معلول اور اسباب و مسببات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں، ظاہر ہے کہ اس

عقیدہ کی جماعت معجزہ اور خرقِ عادت پر کیونکر ایمان لا سکتی ہے، جو لوگ اُن کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہِ راست معجزہ اور خرقِ عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں، اور اگر عقلی حیثیت سے خرقِ عادت کا ثبوت بھی بہم پہونچ گیا، تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے، یعنی ایک برتر خالقِ قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے، تو اس خرقِ عادت کے ثبوت سے اربابِ مذاہب اور پیروانِ شرائع کی کیا مقصد برآری ہوسکتی ہے؟

اشاعرہ نے اثباتِ مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور خرقِ عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے، اور اس معجزہ اور خرقِ عادت سے نبوّت پر استدلال کیا جائے نبوت کے ثبوت سے ایک قادرِ مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا، اور پھر اس کے احکامِ شریعت کا ثبوت بہم پہونچے گا، اس طریقۂ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہو؎ این رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است"، صحیح راستہ اُن کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے، اس کے بعد نبوّت، شریعت، خرقِ عادت، معجزہ سب کچھ ثابت ہوجائیگا جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہوگی، عمارت مستحکم نہیں ہوسکتی،

اسبابِ خفیہ کی توجیہ بےکار ہی دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے، اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہی، خواہ وہ اُس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرقِ عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے، یا اُس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے اور اس سے کوئی چارہ نہیں، حکمائے اسلام فارابی اور ابنِ سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں، کہ معجزہ اسبابِ خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہی اور اس کے اندرونی

طبعی علل واسباب ہوتے ہیں، اس لئے خرقِ عادت لازم نہیں آتا، اور معمولی نظامِ عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی،

حضرت موسیٰؑ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحرِ قلزم (ریڈ سی) حائل تھا حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعتہً دریا خشک ہو گیا، اور راستہ پیدا ہو گیا، حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر پار اُتر گئے لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا، اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مد و جزر تھا جب حضرت موسیٰؑ پہنچے تو جزر تھا، اور دریا پایاب ہو گیا تھا، اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا، مد شروع ہو گیا، اور ڈوب گیا، ہم اُن اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے، اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ پہونچے تو جزر تھا، اور جب فرعون آیا، تو مد ہو گیا، آیا یہ اتفاقی امر تھا، اور ممکن تھا کہ اس کے برعکس ہوتا، یعنی فرعون بچ جاتا، اور حضرت موسیٰؑ ڈوب جاتے، اور یا یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے لئے جزر اور فرعون کے لئے مد خاص طور سے پیدا کیا گیا تھا، یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰؑ جزر کے وقت پہنچیں، اور فرعون مد کے وقت پہونچے، اور اُس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اُس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھدے، پہلی صورت میں تو معجزہ کیا، نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے، اور دوسری صورت میں خرقِ عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں، اور خرقِ عادت تسلیم کر لینے کے بعد خدا کی قدرتِ مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہوگا،

حکماے اسلام کی غلطی کا سبب

اصل یہ ہے کہ حکماے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے، اور مسئلہ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کرلیا ہے، کہ ذات واجب الوجود علتِ اولیٰ یا عقلِ اول کی علتِ تامہ ہے، اور علتِ تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا، اور اضطراراً اس سے پیدا ہوجاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا، اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب کی روشنی علتِ تامہ ہے، جب آفتاب نکلے گا، روشنی کا ظہور ہوگا، خواہ وہ موانع کی وجہ سے کبھی ہم کو نظر نہ آئے، اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد و ارادہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہورہی ہے، عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلۂ علل و معلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا، اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا ہے، اب خالقِ اول کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں،

ظاہر ہے کہ اس مذہب کا پیرو سلسلۂ علل و معلول کو نہیں توڑ سکتا، اور اس لئے وہ خرقِ عادت کو بھی تسلیم نہیں کرسکتا، لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلۂ علل و معلول سے نہیں ہوسکتی، اور نہ اُن کے وقوع سے کوئی انکار کرسکتا ہے، اس لئے ایک طرف اس کو لامحالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے[1] اور

---

[1] حکماے اسلام میں مسئلہ خرق عادت کا سب سے بڑا منکر بوعلی سینا اشارات میں لکھتا ہے

ولکنها تجارب لما تثبت طلب اسبابها... ثم انی لو اقتصصت جزئیات هذا الباب فیما شاهدناه وفیما حکی عمن صدقناه لطال الکلام،

لیکن یہ تجربے ہیں، یہ جب ثبوت کو پہونچ گئے تو اُن کے اسباب کی تلاش ہوئی۔ اور اس قسم کی جزئیات کا تتبع کریں جو ہم نے خود مشاہدہ کیا، یا اُن لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنا ہے تو بہت

دوسری طرف چونکہ وہ خدا کو مضطر اور مجبور مان چکا ہے، اس لئے براہِ راست ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا، اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی، اس بنا پر اسباب و عللِ خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی، مگر آپنے اوپر دیکھ لیا، کہ یہ مورچہ بھی محفوظ نہیں، اور خدا کو سوائے **قادرِ مطلق** ماننے چارہ نہیں،

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں

اشاعرہ اور **معتزلہ** کے درمیان جو اختلاف ہی، وہ صرف نظریہ کا فرق ہی، اس سے نفس خرق عادت اور معجزہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ امر کہ اشیا کے طبائع میں فی نفسہٖ خواص اور آثار ودیعت ہیں، یا اللہ تعالیٰ بر وقت اُن کو پیدا کر دیتا ہی، ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی، اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو، بہرحال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیار کی عادتِ جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے،

خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلۂ اسباب و علل پر یقین ہے،

الغرض **معجزہ** بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہی، جو یا تو خدا کا قطعاً منکر ہے یا یہ کہ وہ خدا کو قادر و ذی ارادہ نہیں مانتا، اور ناقابلِ شکست سلسلۂ علل و معلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہی اور یہ سمجھتا ہی کہ یہ تمام نظمِ کائنات باہمی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہے، غور کیجئے، تو معلوم ہوگا، کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کئے بیٹھے ہیں، اور اس لئے خرقِ عادت کے قبول کرنے کی اُن کو جرأت نہیں ہوتی،

سلسلۂ اسباب و علل پر علم انسانی کو احتوا نہیں

(۱) گویا انھوں نے یہ تسلیم کر لیا ہو کہ کائنات کے جو علل اور اشیا کے جو خواص انھوں نے دریافت کر لئے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لئے کافی ہیں، اس کے لئے کسی اور کی دست اندازی کی ضرورت نہیں،

(۲) کائنات کے چہرۂ اسرار کو انھوں نے تمام تر بے نقاب کر لیا ہے، اور ہر شے کی علت اور خاصیت انھوں نے دریافت کر لی ہے؛

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں، اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں زمین نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک حصے کے بعض اجزائے کائنات تک فقط اُن کی رسائی ہو سکی ہے، اس مبلغِ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا،

جن چیزوں تک اُن کی رسائی ہوئی بھی ہے اُن کے متعلق جو کچھ انھیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر وہ اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا، یہ ایک معما ہے اور ہمیشہ معما رہے گا، اجرام فلکیہ اور طبقاتِ ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دُور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے سنکھیا میں یہ اثر ہے مقناطیس کا یہ خاصہ ہے لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کیوں ایسا ہے؟ اور نزدیک آؤ، اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے، نبض کی رفتار قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے وابستہ ہے، تمھارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے، اور خدا جانے عجائباتِ نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن

کوئی یہ حل کرسکتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے، دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے، پھیپھڑوں کی دھونکنی کس طرح روز و شب مصروفِ عمل ہے، دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سر انجام پاتے ہیں، جب اتنے قریب کی چیز تمھارے فلسفۂ علل و معلولات کے دائرہ سے باہر ہے دراز کی اشیار کی نسبت تمھارا دعوائے علم کس قدر تمسخر انگیز ہے،

حکمار یعنی سائنٹسٹ علانیہ اعتراف کرتے ہیں، کہ وہ صرف "کیسے" کا جواب دےسکتے ہیں، "کیوں" کا جواب اُن کے موضوعِ بحث سے خارج ہے، فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ دو فلسفی بھی ایک نظامِ خیال پر متفق نہیں ہیں، بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے ردّ منطق میں لکھا ہے

"فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الٰہیات وطبعیات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو، بلکہ وہ مختلف الخیال فرقے ہیں، اور اُن کے اندر آرا و خیالات کا اتنا اختلاف ہے، کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے، ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔"

اس اختلافِ رائے اور اس اختلافِ خیال کی بنا پر کسی فلسفی کا یہ دعوی کہ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے، اس لئے ناقابلِ قبول ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے، کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے، اس لئے ناقابلِ تسلیم ہے، تو یہ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے، ہر نظامِ فلسفہ کا قائل دوسرے نظاماتِ فلسفہ کے بطلان پر اسی زور و قوت سے استدلال کو کام میں لاسکتا ہے، غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں اور درحقیقت وہ اسرارِ کائنات کے متعلق

ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں، اِن مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہو جاتی ہے، وہ اس کا فلسفہ ہے اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظامِ خیال رکھتا ہے، اور جو لوگ اس نظامِ خیال پر یقین رکھتے ہیں، اُن کی اس سے تشفی ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظامِ خیال کے خلاف ہے تو نفس یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہو سکتا، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لئے باطل ہو کہ دوسرے نظامِ فلسفہ کے وہ خلاف ہے،

نظامِ عالم کے چلانے کے لئے سلسلۂ علل واسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لئے سب سے پہلی بحث آغازِ آفرینش کی آتی ہے، آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی، اور اُس شے کی پیدائش کا یہ سبب ہے لیکن کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا،؟ اور اُس کے حدوث کا سبب کیا ہوا،؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے،؟ یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں،؟ ہمارے جواب میں اُن نظریات کا ذکر نہ کیجئے، جن کا نام اصولِ ارتقاء اور انتخابِ طبعی وغیرہ ہے، کہ اُن کی علمی حیثیت مفروضات اور وہمیات سے زیادہ نہیں، اور اُن کی اخیر سرحد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتائیے یا جواہر فردہ کو، یا سالمات کو، یا ایتھر کو، یا برقپاروں کو جن کو بھی بتاؤ لیکن اُن کے حدوث کی علت نہیں بتائی جا سکتی؟ اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے،؟

اب تو حیوانات نطفہ سے، پرندے، انڈے سے، اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں، اور بغیر ان کے اُن کا پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ دنیا کا پہلا حیوان

پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں ؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعوی کے خلاف ایک شہادت قبول کر لی، اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈا اور پہلی گٹھلی، انسان، پرندہ، اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخنِ حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے، اور ناچار آپ کو سلسلۂ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا،

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے،

جہاں آپ اپنے سلسلۂ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں، وہاں بھی بالآخر سپر افگن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے، جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا، اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے، اس دور کے عقدۂ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں ؟ یہ ناممکن ہے، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجئے، جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں اور وہ اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے، صدیوں میں جب اوس نے ضرورت سمجھی، انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لئے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی، علت و معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے، ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یکرنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے، کہ اگر اس کی عادت جاریہ یکرنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لئے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں

مولانا روم اور اسباب و علل اور معجزہ کی حقیقت

عارفِ روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے،

سنتے بنہاد و اسباب و طرق — طالباں را زیر ایں ازرق تتق

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے اُن نیلے پردوں کے نیچے — کام کرنے والوں کیلئے علل و اسباب و عادات مقرر کی

بیشتر احوال بر سنت رود — گاہ قدرت، خارقِ سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات انہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں — لیکن کبھی کبھی قدرتِ الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے؛

سنت و عادت نہادہ با مزہ — باز کردہ خرقِ عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب و علل) کو اُس نے خوش آیند بنایا ہے — لیکن پھر معجزہ سے خرقِ عادت بھی کر دیتا ہے،

اے گرفتارِ سبب! بیروں مپر — لیک عزلِ آں مسبب ظن مبر

اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے، حد سے زیادہ نہ اُڑ، — اور یہ خیال نہ کر کہ اُن اسباب و علل کے بنا دینے والے و علۃ العلل ور

ہرچہ خواہد او مسبب آورد — قدرتِ مطلق سببہا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے؛ — اور اُس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے،

لیک اغلب بر سبب راند نفاذ — تا بداند طالبے جستن مراد

لیکن بیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے؛ — تا کہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو؛

چوں سبب نبود چہ رہ جوید مرید — پس سبب در راہ می آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنیوالوں کو راہ کیونکر ملے — یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں؛

ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست — کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں — کیونکہ ہر آنکھ اُس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی،

دیدہ باید سبب سوراخ کن
تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اسکے لئے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب کا پردہ چاک کر دے،
تاکہ حجابات اُٹھ جائیں

از مسبب می رسد ہر خیر و شر
نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی مسبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے،
اور اس میں ان درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں،

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ، با حق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی، اور آگ سب خدا کے محکوم ہیں،
یہ ہمارے تمہارے سامنے تو بے جان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد
ہم بہ امر حق قدم بیروں نہد

جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے
یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے،

آہن و سنگ از ستم برہم مزن
کایں دو می زایند ہمچو مرد و زن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو
کہ یہ دونوں نر و مادہ ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں

سنگ و آہن خود سبب آمد ولیک
تو بہ بالا تر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا گو یہ دونوں آگ کا سبب ہیں
لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو

کایں سبب را آں سبب آورد پیش
بے سبب کے شد سبب ہرگز ز خویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا
یہ ظاہری سبب خود بخود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے،

آں سبب ہا را آں سبب عامل کند
باز گاہے بے پر و عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں مؤثر اور عامل بنا دیا ہے
پھر جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار کر دے سکتا ہے،

واں سببہا کانبیا را رہبرست — آں سببہا زیں سببہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاءؑ کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں — وہ ان ظاہری و دنیاوی اسباب سے بلند تر اور برتر ہیں

ایں سبب را محرم آمد عقل ما — واں سببہا راست محرم انبیاءؑ

ان ظاہری علل واسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں، لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں، چونکہ ظاہر بیں انسان ان اسباب وعلل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں، اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں، اور ظاہری علل واسباب ان کے لئے بیکار کر دیئے جاتے ہیں،

ہست بر اسباب، اسبابِ دگر — در سبب منگر دراں افگن نظر

اُن ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کار فرما ہیں — ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر غور کرو

انبیا در قطعِ اسباب آمدند — معجزاتِ خویش بر کیواں زدند

انبیا قطعِ اسباب کے درپے ہیں، اور — اپنے معجزات کا جھنڈا انھوں نے مریخ میں گاڑ دیا ہے

بے سبب مر بحر را بشگافتند — بے زراعت چاشِ گندم یافتند

بغیر کسی سببِ ظاہری کے انھوں نے سمندر کو شق کر دیا — اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا،

جملہ قرآں ہست در قطعِ سبب — عزِّ درویش و ہلاکِ بولہب

تمام قرآن قطعِ اسباب کے بیان سے بھرا ہے، — آنحضرتؐ کا غلبہ اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی

مرغِ با بیلے دو سہ سنگ افگند — لشکرِ زفت حبش را بشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور — حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں

پیل را سوراخ سوراخ افگند   سنگ مُرغے کو پیالہ برزند

یہ کنکریاں جو اوپر سے آتی ہیں ہاتھیوں کے بدن میں چھید کرکے ڈال دیتی ہیں

ہمچنیں از آغازِ قرآن تا تمام   رفض اسباب است علّت والسلام

اسی طرح شروع سے آخر تک قرآن   اسباب وعلل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے

علت، خاصیت، اور اس کی حقیقت

اس اجمال کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر مبنی ہے، اشیا میں جو خواص اور آثار ہیں، اُن کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے، ؟ محض تکرار احساس سے جس کا دوسرا نام تجربہ ہے،

جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں، اور پھر جب جب ہم آگ کے پاس گئے، تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا، اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے، فرض کرو کہ اگر تکرارِ احساس سے یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جائے تو یقیناً ہم کہہ دیں گے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے، برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں، دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھئے، کیا اُن کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس بلکہ تکرارِ احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرے میں ٹھنڈک کا ہونا ضروری ہے، آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا دونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لاکر رکھ دیتا ہے، اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے، اب آپ دونوں کو غور سے دیکھئے، اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھئے، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر کسی طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ اُن کے خواص و آثار کیا ہیں، ؟ یہ فیصلہ ناممکن ہے،

جب تک اُن کا بار بار تجربہ نہ کیا جائے، اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے،

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بنا پر ہم علل و معلولات، اور اسباب و مسببات کا سلسلہ قائم کرتے ہیں، اور اُسی کی بنا پر مدعیانِ عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کے پرستاروں کے نام نیچری، میٹرلیسٹ، مادہ پرست، فطرت پرست اور طبیعی ہیں، وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں، تو یقین کر لیتے ہیں، کہ اُس شے سے اُس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے، اور جب ایک شے کے بعد فوراً دوسری چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں، اور بار بار دیکھتے ہیں، اور کبھی اس میں تخلف نہیں پاتے، تو یقین کلی کر لیتے ہیں، کہ دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے، اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں، کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے، موت کا سبب سنکھیا ہے، یا یوں کہئے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا، سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کا ختم کر دینا ہے، معجزہ کے امکان سے چونکہ اُن کے خیال کے مطابق اُن آثار و خواص کا انکار یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہو اور جلائے نہیں، سمندر ہو اور غرق نہ کرے، اس لئے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے،

اسباب و علل محض عادی ہیں | لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار و خواص یا اسباب و علل کہتے ہیں، محض اسی تجربہ پر اُن کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے، اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظنِ غالب یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو

اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائیگی لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے. کہ ہم نے جو کچھ
مشاہدہ کیا ہے، وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہیگا، اور ہمارے
علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، اُن کے مشاہدہ کا بھی یہی
نتیجہ نکلا کیا ہے، اور آئندہ بھی اُن کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا، آج تک آگ کے متعلق
اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے، اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں، لیکن محیط ارض کی ہر آگ
کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، اور نہ آسکتی ہے، یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں، کہ ان
سب کا اثر جلانا ہی ہے، اور نیز یہ اعتماد کس مقدمہ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت
آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہے گا، اور جب آپکے اس یقین و اعتماد کے لئے کوئی دلیل قائم
نہیں ہو تو چند آگوں کو دیکھ کر آپ اس قضیہ کلیہ پر کیونکر ناقابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ "دنیا
کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی"

اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے،

غرض خواص و آثار اور اسباب و علل کی نسبت، علم انسانی کا جاتک احاطہ ہے، وہ صرف یکسانیٔ عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے، ہم ایک شے کے بعد
دوسری شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، اس لئے یہ توقع رکھتے ہیں، کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا،
اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغاز عمر سے دیکھتے آئے ہیں، کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے
فلاں وقت جاگتا ہے، مسجد میں فلاں دروازہ سے داخل ہوتا ہے، کبھی کسی سے انتقام نہیں
لیتا ہے، سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب یہ
خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں اس لئے وہ اٹھا ہوگا، اتنے بجکر اتنے منٹ

آئے ہیں، اس لئے وہ سوگیا ہوگا، آج جب وہ نماز کے لئے جائے گا تو فلاں دروازہ سے داخل
ہوگا، اسی کا نام "عادت" ہے، مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں مبتلا ہوگا، کہ سالہاسال کے تجربہ
کے بعد وہ یقینی دعوی کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سو یا رہنا محالِ قطعی ہے، اس وقت اس کا
جاگنا لامحالہ ضروری ہے، اور فلاں دروازہ سے اُس کا داخلہ عقلاً لازم ہے۔؟

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے،

اسی طرح پر اشیاء اور موجوداتِ عالم سے عادۃً جو مختلف آثار ونتائج
کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان
آثار ونتائج کے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں، اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے
یہی آثار وخواص صادر ہوں گے،

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے، انسان ایک صاحبِ ارادہ ہستی ہے، اس لئے
اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں جن کو وہ جب چاہے، بدل سکتا ہے، دیگر غیر
ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں، بلکہ خلقی ہیں، اس لئے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا
لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے، آپ کے حرکات وافعال آپ کے اعضاء سے
صادر ہوتے ہیں، جو بے ارادہ ہیں، اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے جس
جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوتِ ارادہ آپکے جامد اور بے جان مضغہ گوشت
اعضاء سے اپنی حسبِ خواہش مختلف حرکات وافعال صادر کراتی ہے، اسی طرح رُوحِ
اعظم کی قوتِ ارادہ اس بے جان عالم کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال
اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے، اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے

اس لئے ہم کو اسبابِ عادیہ کا علم کسی قدر عطا ہو گیا ہے،

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی، برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہو سکتا، حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے، تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا، مثلاً جس عہدِ قدیم میں گردشِ آسمانی، اور دورِ نجوم، حادثات کے اسباب و علل یقین کئے جاتے تھے، اور ستاروں کی مختلف چالوں اور اُن کی خاص خاص اشکال سے حوادثِ عالم کی توجیہ کی جاتی تھی، اسی وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار و نتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہوگا، اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت و معلول ہیں، ناقابلِ انکار سمجھا جاتا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں ہے،

قدیم و جدید فنِ طب میں اب آسمان و زمین کا اختلاف ہے، دواؤں کے خواص و اثرات اور امراض کے علل و اسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہو گئی ہے، مگر قدیم اطبار یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدر شناسوں کے نزدیک اُن کے تجربے اور یکسانی عمل کی بنا پر جن دواؤں کے جو اثرات اور جن امراض کے جو علل و اسباب ہیں، وہ اُن کے یقینیات میں داخل تھے، اور ہیں لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام بھی نہیں جانتا، اور اُس کے تجارب و تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے، ہمارے اطبار کے یقین کردہ آثار و خواص اور اسباب و علل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جا سکتا،

خود اوہام کیا چیز ہیں؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جنکو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں، مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے؟ اسی تکرار تجربہ سے انھوں نے کئی دفعہ دیکھا، کہ جب صبح کو فلاں پرندہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہوگئی، چند بار کے دیکھنے سے اُن کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوگیا، کہ اُس کا یہ اثر ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان کسی قسم کا تلازم نہیں ہے، تاہم چونکہ ان کا یقین اُن کے تجربے پر مبنی ہے، اس لئے اُس کے خلاف باور کرنا، اُن کے لئے اتنا ہی محال ہے جتنا کہ آگ اور گرمی وسوزش کے درمیان تلازم، اور اُن دونوں کے درمیان علت و معلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لئے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو، اور اس سے گرمی وسوزش کا اثر ظاہر نہ ہو،

جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے، وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بنا پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں، کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد و تناسل نہیں ہوسکتا، اور اگر اس کے خلاف اُن کو یقین دلانا چاہیں، کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں، اور اس سے خچر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے، تو اس کے تسلیم کرنے میں اُن کو کس قدر تامل ہوگا، لیکن کیا ان کا یہ تامل ہندوستان و مصر میں مطابق واقعہ سمجھا جائیگا؟ جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہوچکا ہے،

اسباب و علل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے

الغرض ہم جن کو اصول فطرت، نوامیس قدرت اور لاآف نیچر کہتے ہیں، وہ صرف روزمرہ کے مشاہدات عادیہ کے نام ہیں، ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اُگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں، آفتاب کس طرح طلوع

ہوتا ہے پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہو گئے ہیں، کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لئے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے، اس میں کونپلیں نکل آتی ہیں، پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے، شاخیں نکلتی ہیں، اور بڑھ کر درخت ہو جاتا ہے، ایک قطرۂ آب خون اور خون سے گوشت بن جاتا ہے، اس میں رگیں پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں، دل و دماغ اور جگر و گردہ اپنی اپنی جگہ پر بن جاتے ہیں، پھر کہیں سے اس میں روح آجاتی ہے، پھر اس آئینہ میں احساس و عقل جلوہ آرا ہوتی ہے، ایک مدتِ معینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، اس طرز پیدایش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زائی اور استعجاب و استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے، اور ہم کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتے، کہ ایک جامد دانہ نامی درخت کی شکل میں اور ایک بے جان قطرہ لاعقل ایک جاندار و ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا، لیکن ہمیں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بے جان لکڑی جاندار سانپ بن گئی، اور عیسیٰ نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا، تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پُرغرور سر انکار سے ہلنے لگتا ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے، اور پچھم میں جا کر غروب ہو جاتا ہے، ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا، اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے، اور جب یہ سنتے ہیں، کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا، تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں، کیا پورب سے اس کا نکلنا عقل کے موافق تھا؟ اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ

کہ اس کو پورب ہی سے نکلنا چاہئے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہئے، عموماً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں، دو کان، دو ہاتھ، اور دو پاؤں، اور ہر ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں، لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں، اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوئے ہیں، اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے، کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں، اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچہ کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں، اور جس طرح آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیونکر جاتا ہے، ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجئے کہ مر کر جی کیونکر جاتا ہے، ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپنے بار بار دیکھا ہے، اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا، لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی،

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے، اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گذشتہ مشاہدات و تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گذشتہ مشاہدات و تجربات میں غلطی کا ہونا یا اوس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں، طبیعیات جدیدہ نے طبیعیات قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھا دی، حکماے جدید نے حکماے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیئے، ہیئتِ قدیم اور ہیئتِ جدید میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا، اختراعاتِ جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مستبعدات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا، جب ہمارے گذشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آیندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے، ؟ فلسفۂ یونان

پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے، اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے، اس لئے اگر کسی پیغمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمتِ قدیمہ کی درس گاہ میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ انگیز سمجھا جاتا، پھر حکمتِ جدیدہ کے دانایانِ روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ انگیز نظر آتی ہے، کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات "حکمتِ مستقبلہ" کے مدرسہ میں قابلِ مضحکہ نہ ٹھہرے گی،

الغرض صفحاتِ بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا، کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایہ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف اُن کے تجربہ کی کمائی ہے، اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً ایک سیب کو دیکھا، اُسکی خوشبو کو سونگھا، اس کے مزہ کو چکھا، اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے، اُس کی شکل و صورت اور رنگ کو دیکھ کر اُس کی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے، اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے، اور پھر چند سیبوں کو دیکھ کر ہم یہ حکم کلی لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے، اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے، اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا اس کی شکل و صورت رنگ و مزہ، اور ٹھنڈک کو محسوس کیا اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کے مثل دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ "یہ بھی برف ہے، اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے" یہی حال اس قضیہ کا ہے، کہ "ہر آگ جلاتی ہے"، اب غور کیجئے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں عقلاً کیونکر ناقابلِ شکست یقین بننے کا دعوی کر سکتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ آپ عادۃً اپنی عملی اور کاروباری دنیا کیلئے

اُن پر یقین کر کے جلبِ منافع اور دفعِ مضار میں اُن سے کام لیں، اور یہی علتِ عادیہ کی حقیقت و مصلحت ہے،

علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب و علل تجربی ہیں،

ہم نے جس پرواز پر مسئلۂ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطق میں جابجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم بیان اس کی تلخیص اس لئے درج کرنا چاہتے ہیں، کہ مسئلہ پوری وضاحت کیساتھ ناظرین کے سامنے آجائے،

"کھانے کے بعد آسودگی، پینے کے بعد سیری بدیہی تجربیات میں ہے، اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے، تو اُس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے، پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے، تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے، اسی کا نام تجربیات ہے، قضایاے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں، تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی خاص دوا کو استعمال کرتا ہے، اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا، یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا، تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے، یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے، جو مشمومات، مسموعات، مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ حس اس کو سونگھتا یا دیکھتا یا سنتا یا چکھتا یا چھوتا ہے، پھر نفس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے، وہ وجدانیات میں سے ہے، جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے، اب نفس میں جو اعتقاد کلی قائم ہو جاتا ہے کہ اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے، اور جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے، وہ من قبیل تجربیات ہے، کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا، حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے، وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے، اور اسی کا

نام تجربیات ہے، مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے، اور زہرِ قاتل کے استعمال سے آدمی مرجاتا ہے، اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑجاتا ہے، اور اس بیماری کا فلاں اسباب و ذرائع سے استیصال ہوجاتا ہے، یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں، کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے، لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے، کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تھا، یہ بات پیدا ہوئی اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے، اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے، یہی حال حدسیات کا ہے، کہ اُن کی جزئیات کا تو علم احساس سے ہوتا ہے، لیکن تکرار سے عقل قدر مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے، .... مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں، تو گمان کرلیتے ہیں، کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوئی ہے، یا یہ دیکھتے ہیں، کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں، تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے، اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلافِ حرکات کو دیکھتے ہیں، تو سمجھتے ہیں، کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے،

قیاس کی بحث میں علامۂ ممدوح کہتے ہیں:-

فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کردیا ہے، جن میں سے ایک حسیات ہیں، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ حس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہوسکتا،

اس لئے فقط حسیات سے کوئی قضیہ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا، جو برہان یقینی کا کوئی جزو بن سکے،
تمثیلاً اہلِ منطق کہتے ہیں کہ "آگ جلاتی ہے" حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا
علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے، جو قیاس تمثیلی کی ایک قسم ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس
کا علم اس طرح ہوا، کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے، تو یہ علم بھی کہ "ہر آگ میں
یہ قوت موجود ہوتی ہے" ایک حکم کلی ہے، جو احساس سے نہیں دریافت ہوسکتا، اور
اگر یہ کہا جائے کہ ضروری ہے کہ آگ کی صورتِ نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو، اور جس میں
یہ قوت موجود نہ ہوگی، وہ آگ نہ ہوگی، تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں، کیونکہ
یہ قضیہ کہ جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے، وہ جلاتی ہے، اس میں تمثیل شمول، عادت، اور
استقرائے ناقص کو دخل ہے، اور یہ معلوم ہے، کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آگ ہر شے
کو جو اس کے اندر پڑتی ہے، جلا دیتی ہے" وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے
کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو، ورنہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی، جس طرح کہ پتھر اور یاقوت
کو نہیں جلا سکتی، یا اُن اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانعِ آتش دوائیں لگا دی گئی ہوں،
خرقِ عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے، بہرحال قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں ہے
جس کا نقص نہ ہوسکے، اور درحقیقت قضیۂ کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ قضیۂ حسیہ
مثلاً "یہ آگ جلاتی ہے" اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے، اور حکم
کلی جو عقل لگا دیتی ہے، تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کو دیکھنے کے
بعد اپنے میں یا استعداد پیدا کر لیتا ہے، کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ "ہر آگ جلاتی ہے" اور

یہی حکم کلی ہے، تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی قیاس تمثیلی ہی ہے، اور اس کی کلیت اور عمومیت پر اُس وقت تک وثوق نہیں کیا جاسکتا، جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے، اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے، جب تمام افراد کا تجربہ کرلیا جائے، پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے، جس کا ٹوٹنا باتفاق عقلاً جائز نہ ہو، بلکہ فلاسفہ تک خرقِ عادت کو جائز سمجھتے ہیں، مگر وہ اس کے لئے فلکی، طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں، اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرقِ عادت کو منسوب کرتے ہیں، اور اسی سے انبیا کے معجزات، اولیاء کے کرامات، اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں"

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامۂ ممدوح لکھتے ہیں:-

اور یہی حال تجربیات کا ہے، لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے، اور گلا کٹ جانے سے آدمی مرجاتا ہے، اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے، ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے، کیونکہ حس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے، اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے، اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے، اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا، یہ خاص اثر پیدا ہوگا، تو یہ قضیۂ کلیہ حس سے نہیں معلوم ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ حکم عقلی کا لگاؤ بھی ہے،

تجربہ سے جو اثر معین کسی شے معین میں معلوم ہوتا ہے، اس کی نسبت یہ دیکھنا ہو کہ اس شے معین میں اور اس کے اثر معین میں ایک خاص تلازم ہے، اور اسی سوعاتِ مستمرہ

کا علم ہوتا ہی خصوصًا جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے، اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے پائی جاتی ہی، وہاں وہ اثر بھی پایا جاتا ہی، اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے، وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے، اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی، وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا، اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا، وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی، اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی، اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہو گا، اور جس قدر لزوم میں قطعیت ہوگی، اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی، اور یہی قضایای عادیہ ہیں، جیسے طب کے تجربیات وغیرہ، یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی، اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے، اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے.......

پس تجربیات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرار اثر سے پیدا ہوتا ہی،

تجربیات کی بنا، شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو محض تجربہ سے حاصل ہوا ہے، اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو، ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں، مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں، طبعیات، کیمیائیات، طبیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں، جن پر ہم یقین رکھتے ہیں، مگر ہماری ذاتی

تجربہ میں بہت کم آئی ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ گو وہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں، لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے، اور ہم کو اُن کی شہادت کا اس لئے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اور اپنے ذاتی تجربوں کو انھوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے، تو گویا آپنے قبول کرلیا، کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں، بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر آپ کو وثوق ہو، اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں،

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے، جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لئے چراغ راہ ہے، اور اس چراغ میں تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے، کہ یہ بجھتا نہیں؟ وہ راویانِ اخبار اور ناقلانِ حکایات ہیں، جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں، اگر یہ سلسلۂ روایت کہیں منقطع ہو جائے، تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے، لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کیساتھ قبول نہیں کرلیجاتی بلکہ اس کیلئے چشم دید گواہوں کا وجود، ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم قربت کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے لیکن اگر یہ شرائط پوری پورے ہو جائیں تو روایات منقولہ کی شہادت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہئے،

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں، فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی، اور سائنس، کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے، فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق

کے ساتھ یہ کہتا ہو کہ اس مسئلہ میں یونان، اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطینِ فلسفہ کی یہ رائیں ہیں، کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادتِ تاریخی پر نہیں ہے؟ آغازِ آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیائے انسانی نے علم و اکتشاف، تجربہ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے کیا وہ بجز شہادتِ تاریخی کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا؟ یا ہو سکتا ہے؟ یا آئندہ ہوگا، آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جزء ہیں، سنکھیا کے استعمال سے آدمی مر جاتا ہے، مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہونچی ہیں، اس لئے آپ ان کو باور کرتے ہیں، لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا، لیکن بااین ہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں اسلئے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بہ کثرت لوگوں سے، اور ایسے ثقہ و مستند لوگوں سے سُنی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کر سکتے، لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی مشاہدوں تک آپ کا سلسلۂ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے، اس لئے آپ کو اس کے وجود میں بہت حد تک شک ہے، اسی طرح ہیئت و فلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں، خاص ستاروں کا طلوع و غروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت داں اور فلکی کا مشاہدہ ہے، اور پھر صدیوں کے مشاہدات یکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت و فلکیات کا ناقابلِ انکار دفتر بن کر آتا ہے، مگر غور کیجئے کہ اس دفترِ بے پایان کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت و شہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے، یا پہنچ سکتا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، آفتاب روشن ہے، پتھر سخت ہے، کھانے سے سیری ہوتی ہے، چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے، غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم و فنون کی بنیاد قائم ہے، اور جن کی عمومیت و کلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے، اُن کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبۂ ظن صرف آپ ہی کے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپکے سوا، اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے، اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعہ سے پہنچتے رہیں، تب جاکر وہ انسانی مُسلّمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائط استناد

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کرسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو، یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت، مقام واقعہ پر حاضر ہو، اور خود اس کا بلا واسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو، وہ راست گفتار ہو، اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو، فریبی اور جھوٹا نہ ہو، اسی طرح آغاز سلسلۂ روایت سے لیکر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی انہی صفات سے متصف ہو، جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی، واقعہ کے متعلق آپکے علم و اذعان میں بھی ترقی ہوگی، اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی، آپکے علم و اذعان میں بھی کمی ہوگی،

مسلمانوں کا علم روایت

اب مسلمانوں کے علم اخبار، یا علم نقل و روایت یعنی اصولِ حدیث پر نظر ڈالیے، تو معلوم ہوگا کہ بعینہٖ یہی اصول، انھوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، سلسلۂ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا، اسی جزو واقعہ کے علم و اذعان میں بھی اسی قدر نقص اُن کے نزدیک پیدا ہوگا، پیغمبر اسلام علیہ السلام کی طرف

جس قدر بھی صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو، ہیوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "فہم انسانی" میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لئے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں، ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت و اصول حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی، تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اُس بے اعتباری کا اس کو موقع نہ ملتا،

صحیح معجزات نبویؐ کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابۂ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدقِ مقال، اور راست گفتاری پر اُن کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے، اور اُن کی عقل، رزانت، اور متانتِ رائے پر اُن کے کارنامے شاہد عدل ہیں، بیچ کے رواۃ وہ محدثین عظام ہیں، جن کی سچائی، راستی اور حفظ و فہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں، پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی روس الاشہاد کہا، اور بار بار کہا کہ "جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا، اس کا ٹھکانا جہنم ہے،" صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے، بیچ کے ثقہ اور مستند رواۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس پر بھی اُن کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے،

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اُس کو خبر متواتر کہتے ہیں، اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا تین سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے، اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں معجزات نبویؐ

مختلف طرق سے مروی ہیں، اور اسی کے اعتبار سے اُن کی صحتِ بیان کا درجہ ہے، یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیئے ہیں، جو صحیح نہیں ہیں، لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور ایمانداری سے ان روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کر دیا ہے، اور اس کتاب کی جلد اوّل کے مقدمہ میں تمام و کمال بحث موجود ہے،

معجزات کے ثبوت پر یہ طرزِ استدلال گو عجیب ہو، مگر غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے، اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے، کیسی زبردستی ہے کہ جس طرزِ استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے، اس کو اگر مذہب استعمال کرے، تو مدعیانِ عقل کی جبینِ متانت پر بل پڑ جاتے ہیں،

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہو

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے، اُس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا، یا موجود نہ ہوگا، پہلی صورت میں اس کا علم، اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہو، اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے، جیسے کہ ان صحابہ کا اس معجزہ کے متعلق علم جو اُن کے سامنے ظاہر ہوا، اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہو، اور اس کے سوا کوئی ذریعۂ علم اس کے لئے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے، اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال عام میں ہیں، اس باب میں بھی انہی کو استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہو، مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ ایسے

یقین کے سدِ راہ نہیں ہوتے،

خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے | متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبر احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں، خطوط، تار، اخبارات، آج کل کی زندگی کا جزو ہیں، اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے، رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات وایجادات وطبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں، اور لوگ اُن کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دار و مدار ان ہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے، مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبر احاد کو یقین کر لیتا ہے، اور اپنی تمام دولت اس کے نذر کر دیتا ہے، اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے، غلط لکھ گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھدیا ہو، یہ تمام احتمالاتِ عقلی قائم ہو سکتے ہیں، مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا،

ہم شفاخانوں میں جاتے ہیں، اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لے کر باطمینان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفاخانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تنہا دوا بنانے والے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمھارے نسخہ کے مطابق ہے غلط ہو، اور اس لئے کہ اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا، اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبر احاد کے یقین کے نذر کر دیتے ہیں، پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں شہادت کے

مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصوّر کیا جاتا ہے،

واقعات پر یقین کے لئے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے

آج کل مغربی علمِ تاریخ اور فنِ روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم، ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں، اس لئے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لئے علمِ تاریخ اور فنِ روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے، صرف اس پر قائم ہے، کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جس درجہ کا واقعہ ہو، اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہئے

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے، کہ جس درجہ کا واقعہ ہو، اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہئے لیکن درجہ نام کیت اشخاص سے زیادہ کیفیتِ اشخاص کا ہے، ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں، مگر ان کی راست گفتاری معرضِ بحث میں ہو لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے، جس کی صداقت مسلّم ہے، جس کی راست گفتاری کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے، اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت پر اثر پڑتا ہے نہایت بلند ہیں، تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابلِ قبول ہے، راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایاتِ اسلامیہ کے سوا

دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے۔

معجزات دراصل تجربات کے خلاف نہیں ہوتے

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے، عام طور پر معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سیکڑوں ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے، اس لئے وہ ناقابلِ یقین ہے، یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے، ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بیشک ہیں، کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا، اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اُن سے الگ ایک واقعہ ہے، اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں، اُن کی تکذیب و تغلیط کی جاتی، دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں، اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں، معجزہ کا راوی ان کی تغلیط و تکذیب نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے، جس کے متعلق اُن کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں، مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ اُبلنے لگا

دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا تو بیشک اس موقع پر دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جاسکتی اور تمام مسلمان اس کے لئے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزاتِ نبوی کی فہرست سے خارج کردیں گے

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں،

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن، بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے، ؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے ؟ اس کے لئے صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کی راستی، دیانت، صدقِ مقال، اور اُن کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے، اور یہی شئے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے، اور یہی ہمارے محدثین اور اہلِ اصول کا قانون شہادت ہے اور اسی طریق سے اہل السنۃ والجماعۃ معجزہ کو ثابت کرتے ہیں، علامہ ابو منصور عبد القاہر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہل سنت کا مسلک لکھتے ہیں،

وبھذا النوع من الاخبار (المستفیض) علمنا معجزۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم، فی انشقاق القمر، وتسبیح الحصا فی یدہ وحنین الجذع الیہ لما فارقہ واشباعہ الخلق الکثیر من الطعام

(کتاب الفرق بین الفرق مطبوعۂ مصر صفحہ ۳۱۴)

اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جانا مثلاً شق قمر و دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخِ خرما کا گریہ بکا کرنا، اور تھوڑے کھانے سے بہت لوگوں کو سیر کردینا وغیرہ

خلاصۂ مباحث

گذشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل سطروں میں کیا جاسکتا ہے،

۱۔ معجزہ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی استثنائی شکست کا نام ہے

جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتا ہے،

۲۔ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی شکست ممکن، بلکہ واقع ہے،

۳۔ کیونکہ عاداتِ طبعی اور سلسلۂ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے،

۴۔ اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو، اس کی کلیت اور عمومیتِ عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا،

۵۔ تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے،

۶۔ اس لئے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے،

۷۔ اسلامی روایات اور صحیح معجزاتِ نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور اس سے معجزات اور خوارق عادات کا وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے،

یقینِ معجزات کے اصول نفسی

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اُس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا، لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے، بلکہ خالقِ فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے، واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور دور از عقل ہوں، تاہم انسانوں کی بڑی تعداد، دلیل و برہانِ منطقی کے بغیر صدقِ دل سے ان پر یقین رکھتی ہے کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لئے اس کا فہم انسانی میں آجانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے، ایک طبعی فلسفی سے لے کر عامی تک مادہ کے وجود پر یقین رکھتا ہے، حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت

نہیں کیا جا سکتا، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ایک واقعہ کی جب روایت کی جاتی ہے تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں، اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ استدلال و برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں، تو ان کے دل کو تسکین نہیں ہوتی، جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں ان کی سچائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی، ایک جماعت جس زور و قوت سے ان کے صدق و اخلاص پر ایمان رکھتی ہے، دوسری جماعت اسی زور و قوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریاکار جانتی ہے، حالانکہ دونوں کے سامنے ان کے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے، مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا، اس لئے ایمان و کفر اور یقین و شک کے وجوہ منطقی طرز استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول و قواعد سے ماخوذ ہیں،

امام غزالی اور یقین اور اذعان کی صورتیں

امام غزالی نے الجام العوام میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے[1] کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ "عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی توحید و صفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لئے دلائل کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے، اور یہ تصدیق مسئلہ معجزات پر غور و فکر کئے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں، اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے" تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "عام مخلوق

---

[1] الجام العوام عن علم الکلام ص ۳۹ و ص ۴۱، مصر

کو صرف ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہو، اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے، جس میں تردد اور شک نہ ہو، اور اس میں خطا اور غلطی کا خیال اُس کو نہ ہو، اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں"،

۱۔ پہلا درجہ اس یقین کا ہے، جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کرکے پائے جائیں، اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ کسی میں شک وشبہہ اور غلطی والتباس کا احتمال نہ رہا ہو، اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہو سکتے ہیں، جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہو سکے، بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے، اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہی گی، بلکہ انسانوں کے لئے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجائش نکل سکے گی، اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورتِ یقین کا پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے،

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان **مسلّمات** سے یقین حاصل ہو، جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں، اور اربابِ عقل کے حلقوں میں وہ مقبول ومشہور ہیں، جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں، اور نفوسِ انسانی ان کے انکار سے ابا کرتے ہیں، ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقینِ جازم پیدا کرتا ہے، کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پا سکتا،

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اُن **خطابیات** کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے، جن

کو لوگ عام بول چال، اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں، اور عادۃً اُن کو صحیح سمجھتے ہیں، اگر طبع انسانی میں، خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو، اور سامع میں تشکیک، مناظرہ، اور خواہ مخواہ کرید، اور حجت کی عادت نہ ہو، اور اس کی طرف فطرتِ صالحہ سادہ اور صاف ہو تو اسی طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آسکتی ہے، اور اسی لئے قرآن مجید نے اسی طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے،

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو، اور اس پر کامل اعتقاد ہو، بکثرت لوگ اُس کے مداح ہوں، یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو، تو اس کا کہنا تمھارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے، جیسے اپنے بزرگون اور استادون اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں، ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہو تو یہ شخص اس کو باور کر لیتا ہے، اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی صداقت سچائی یا پاکیزگی اور زہد و تقوی کا یقین ہو جائے، تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرے گا، چنانچہ حضرت صدیقؓ (یا اور اکابر صحابہؓ) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حُسن اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا، اس لئے آپ جو کچھ فرماتے تھے، اُن کو اُس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی،

۵۔ حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صحت حال کی ایسے دوسرے قرائن سے تصدیق ہو، جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی تشفی نہ ہو، مگر عام اشخاص کی اُن سے تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی، کہ امیر شہر بیمار ہے، اسی

اثنار میں قلعہ سے گریہ وبکا کی آوازیں بلند ہوئیں، اور ایک شاہی غلام نے آکر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی، تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی، گو اس کی صحت کی راہ میں آپ بیسیوں عقلی احتمالات پیدا کرتے رہیں، یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنھوں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا، یا آپ کی دل آویز اور پُر اثر باتیں سنیں، یا آپ کے اخلاق کریمانہ کو مشاہدہ کیا، اور بے دلیل وبرہان آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے، (کیونکہ انھوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعوی کی صداقت نے اون کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا، مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا اُن کو موقع ملا تو قرائن حال اور آثار قیافہ کے ذریعہ سے نیک وبد اور اچھے بُرے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے، اس نے فیصلہ کر دیا، کہ یہ دعوی صحیح ہے یا غلط،)

۶۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے، اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو، تو اُس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اُس کو کبھی پس وپیش نہ ہوگا، اس حصول یقین میں نہ تو حسن اعتقاد کی ضرورت ہے اور نہ قرائن وآثار کی تائید کی، یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصول یقین کے لئے کافی ہے، (یہی سبب ہے کہ سابقین اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے،)

انہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین واذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں، اور یہی طریقے غیبیات اور معجزات پر بھی یقین کرتے ہیں،

معجزہ اور سحر کا فرق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب و غریب امور صادر ہوتے ہیں، سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جاسکتی ہیں، سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو اُن کے معنی مسمرائزم اور ہپنوٹزم کے سمجھ لئے جائیں، ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزر کے درمیان کیا فرق ہوگا، ؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں لمبی بڑی بحثیں ہیں، معتزلہ اور ارباب ظواہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعوی ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل خاصیت ہوجاتی ہے، اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائبات سرزد ہوتے ہیں، مثلاً سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہوجانا وغیرہ، یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہوسکتیں، حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے اور ساحر شر میں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی، ایک شخص اپنے دعوی کے ثبوت میں بظاہر ایک خارق عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا یا نظر بندی ہے، یا رمز الٰہی ہے، یا معمولی کام ہے، یا عظیم الشان کارنامہ ہے، نہایت مشکل ہے، کیونکہ ان اشیا کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہوسکتا، نیز اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی، یا شر میں، یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خوارق عادت محل خیر میں صرف ہوں، یا محل شر میں اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہوسکتی، بہت کچھ

قابلِ بحث ہی، ایک مسمریزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے، اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہی، یہ تو خیر اور نیکی کی چیز ہے، تو کیا آپ اُس کو معجزہ کہدیں گے،

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائباتِ امور میں دو عظیم الشان فرق ہیں، ایک یہ کہ معجزہ براہِ راست خدا کا فعل ہوتا ہے، اور دوسرے عجائب امور، اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعداے دعوتِ الٰہی کی ہلاکت یا مُبلغِ رسالت کی تائید اور مومنینِ صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے، محض کھیل تماشہ، شعبدہ بازی، اور بازی گری، اس کا مقصد نہیں ہوتی، اور سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حدِ فاصل بن جاتی ہے، یہ ہے کہ ساحر و بازی گر و شعبدہ باز صرف تماشہ، کرتب، اور عجائبات دکھاتے ہیں، اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت، اور صفائی، شریعتِ الٰہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور سیہ کاریوں کے قلع و قمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں، اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں، لیکن انبیاء علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود اُن کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں، قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، اُن کی صدائے حق، جماعتوں، قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے، اُن کی سچائی راستی، اور صداقت پر اُن کے سوانحِ حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے، وہ سونے چاندی پر نہیں، بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں، ایک ساحر اور مسمریزر خواصِ اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے، مگر کافر کو مومن، بدکار کو عفیف،

بیباک کو متقی، بخیل کو فیاض، سخت کو نرم، اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زرِ خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے، لیکن کسی زنگ آلودہ دل کو جلا نہیں دے سکتا،

یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے، بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوئی ہے، صبر اور بے حمیتی، توکل اور کاہلی، بخل اور کفایت شعاری، سخاوت اور اسراف، حق گوئی، اور گستاخی، شجاعت اور تہور، ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوتِ تمیزہ کبھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے، لیکن اہلِ نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے، ان دونوں کی ظاہری شکل و صورت گو ایک ہو، مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں، کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں، جب پیغمبر اپنا معجزہ، اور جادوگر اپنا کرتب دکھاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کیلئے گو دونوں ایک ہوں، مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہوجاتا ہے، تو ایک اخلاق کا مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گنہگاریوں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے، اور دوسرا محض تماشاگر، یا شعبدہ باز، یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال،

ایک عطائی اور طبیب حاذق، ایک معمولی سپاہی، اور ایک بہادر جنرل، ایک حرف شناس، اور ماہر علوم، ایک مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کرسکیں، مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن

باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے،

مولانائے رومؔ نے اس فرقِ مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں،

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں　　فرقِ شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اسی طرح کی لاکھوں ہمشکل چیزیں ہیں　　لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے،

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست　　آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ ہرج نہیں، میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے،

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل　　لیک شد زاں نیش و زیں دیگر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں　　لیکن اس سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے،

ہر دو گون آہو گیا خوردند و آب　　زیں یکے سرگیں شد و زاں مشکِ ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں مگر اس سے مینگنی اور اس سے مشک پیدا ہوتا ہے،

ہر دو نے خوردند از یک آبخور　　آں یکے خالی و آں پُر از شکر

دونوں قسم کی نے ایک پانی سے پرورش پاتی ہے، لیکن ایک مزہ سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے،

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد　　واں خورد آید ہمہ نورِ احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل اور حسد پیدا ہوتا ہے اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے،

ایں زمیں پاک ست و آں شور ست و بد　　ایں فرشتہ پاک و آں دیو ست و دد

یہ زمین سیر حاصل ہے اور وہ بری اور بنجر ہے　　یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں درمیاں — درمیان شان برزخ لایبغیاں

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں، مگر اُن کے درمیان ایک ایسا فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کرسکتے،

زرِ قلب و زرِ نیکو در عیار — بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز — کسوٹی کے بغیر نہیں ہوسکتی،

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ، — دیدہ بکشائی کہ گردی منتبہ

نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں — آنکھیں کھولو تو تمیز ہوسکے گی،

بحر را نیمیش شیریں چو شکر — طعم شیریں، رنگ روشن چوں قمر

دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے — مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے

نیم دیگر تلخ ہمچو زہر مار — طعم تلخ و رنگ مظلم قیر دار

دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہے — مزا کڑوا، اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے

اے بسا شیریں کہ چوں شکر بود — لیک زہر اندر شکر مضمر بود

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں — لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہے،

جز کہ صاحب ذوق نشناسد بیاب — او شناسد آبِ خوش از شور آب

صاحبِ ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے — وہی تمیز کرسکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری

جز کہ صاحب ذوق نشناسد طعوم — شہد را ناخوردہ کے دانی ز موم

صاحبِ ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کرسکتا ہے جب تک شہد کو نہ کھاؤ موم اور شہد میں کیونکر تمیز کرسکتے ہو

سحر را با معجزہ کردہ قیاس — ہر دو را بر مکر پندارد اساس

اُس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا ۔۔۔ اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے

زرِ قلب و زرِ نیکو در عیار ۔۔۔ بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

تم کھوٹے اور کھرے سونے کو ۔۔۔ کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے

ہر کرا در جان خدا بنہد محک ۔۔۔ ہر یقین را باز داند او ز شک

خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے ۔۔۔ وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے

چوں شود از رنج و علت دل سلیم ۔۔۔ طعمِ صدق و کذب را باشد علیم

جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی ۔۔۔ تو وہ صدق اور کذب کے مزہ کو پہچانتا ہے

اب صرف یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے اس کا رُخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیۂ اخلاق و اصلاحِ عالم میں صرف کر سکتا ہے، اور اس سے کوئی محالِ عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکانِ عقلی اور امکانِ واقعی دو مختلف چیزیں ہیں، یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالم عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے، مگر واقعاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی،

اس لئے ساحر محض ایک تماشا گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے تزکیۂ نفوس، تطہیرِ اخلاق اور اصلاحِ عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاحِ عالم کا فرض ادا نہیں کیا، لیکن پیغمبر اپنے معجزانہ کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے

اس خاکدانِ عالم کو سجا دیتا ہے،

معجزہ دلیلِ نبوت ہوسکتا ہو یا نہیں؟

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہو کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہو یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں، اور معتزلہ کا نفی میں ہے، اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابنِ رشد نے کشف الادلہ میں کی ہے، اور ثابت کیا ہے، کہ معجزہ دلیلِ نبوت نہیں ہوسکتا، کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعوی اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے، اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی، مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد واعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوا ہے، لیکن جب اس سے دعوی کی تصدیق کے لئے دلیل طلب کی جاتی ہے، تو وہ خشک چشمے کو پانی سے لبریز کردیتا ہے، چاند کو دو ٹکڑے کردیتا ہے، لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعہ اگرچہ نہایت عجیب وغریب ہیں، لیکن ان دلائل کو دعوی کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

فرض کیجئے کہ ایک شخص دعوی کرتا ہے کہ وہ فلسفہ وریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے! اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور، اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے، تو اس واقعہ سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہوسکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں، کہ نبوت علم وعمل کے مجموعہ کا نام ہے، اور جو شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے اُس کی نسبت یہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے، اور اسی

کمال کے اظہار کے لئے معجزہ طلب کیا جاتا ہے، اور انبیاء کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے ہیں، تاہم اُن کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے، اخبار بالغیب، اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزاے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے، اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے، اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے، ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرقِ عادت کا نام ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل، خدا کے امر و حکم سے ہیں، اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے، وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے، کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے وہی اس کو توڑ سکتی ہے، اور یہ شکست و خرق چونکہ اُس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے، رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے، کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی مہر اور انگوٹھی پیش کرتا ہے، اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوئی پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہِ راست کوئی مناسبت نہیں لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہ ہی کی نشانی ہے، جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے،

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں، بادشاہ دربار میں معمولی

فرش پر نہیں، بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھتا ہے، جلوس میں وہ پیادہ نہیں، بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے، ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع عام میں آتا ہے، یہ مجمع اُس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادت کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما، اور پیادہ پا نکل، بادشاہ اس کے مطابق دربار میں فرش پر جلوس کرتا ہے، اور پیادہ پا چلتا ہے، بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی، کہ وہ شاہی قاصد ہے، اسی طرح دنیا کے اسباب وعلل، اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں، پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے، کفار اُس کے قاصدِ الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ کہتا ہے کہ اے خدا! اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرقِ عادت دکھا، وہ دکھا دیتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے،

لیکن معجزہ اگر دلیلِ نبوّت ہے، تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے، ظاہر ہے کہ اس کو بُرہانِ یقینی نہیں کہا جا سکتا تاہم دلیل کا انحصار صرف بُرہانیات میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں، اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے،

ابنِ رشد نے کشف الادلّہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذّات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلۂ کائنات میں عجیب و غریب تصرّف کرتا ہے، تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمالِ روحانی

کا اعتراف کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے، وہ ضرور اپنے دعویٰ میں صادق ہوگا، ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاحِ روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں، تاہم عوام کی دلفریبی کے لئے یہ کافی ہے،

لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلماتِ خصم سے استدلال کیا جاتا ہے، اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاس جدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا، زمانۂ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں، ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے، اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے، اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے، تو اس موروثی اور مسلّمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں، اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے، یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لئے دلیل وحجت نہیں ہوسکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں، کہ معجزہ دلیل نبوت ہے، اور انہی کے طلب و اصرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے، اُن کو اُس کے ذریعہ سے ساکت کیا جاسکتا ہے، اور وہ اُن کے لئے دلیل ہوسکتا ہے،

لیکن حقیقت یہ ہو کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں خلط مبحث ہوگیا ہے، اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے، اور معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہوسکتا ہے، جب اشاعرہ اُس کو منطقی دلیل کہیں، دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں، بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر جب معجزہ سرے سے دلیلِ منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کہ وہ انواعِ

دلیل کی کس قسم میں داخل ہے، بے سود ہے، چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالتِ عقلی نہیں، بلکہ عادی ہے، شرح مواقف بحثِ معجزات میں ہے،

وهذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل ودلالة احكامه واتقانه على كونه عالمًا بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط نفسها بمدلولاتها ولا يجوز تقديرها غير دالة عليها وليست المعجزة كذلك، .... بل هي دلالة عادية كما اشار اليه بقوله وهي عندنا اي الاشاعرة اجراء الله عادته بخلق العلم بالصدق عقيبه، اي عقيب ظهور المعجزات،

معجزہ کی دلالت نبوت پر محض دلالت عقلی نہیں ہے جیسے فعل کی دلالت وجود فاعل پر، یا فعل کے استحکام ونظم کی دلالت فاعل کے علم پر عقلی ہے، کیونکہ دلائل عقلی اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں، اور یہ فرض ناممکن ہے کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہے، بلکہ معجزہ کی دلالت دلالتِ عادیہ ہے جیسا کہ صاحبِ مواقف نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ کے) نزدیک اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحبِ معجزہ کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے،

آج کل کے محاورۂ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ "معجزہ کی دلالت عقلی نہیں، بلکہ عادی ہے" یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں، بلکہ نفسیاتی (سائیکالوجیکل) دلیل ہے، عادتِ انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اس کی عظمت وکبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں جب ایک شخص عام

انسانی حالت سے بلند تر سطح میں اگر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور خوارقِ عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں،

آج گو نبوّت نہیں، مگر ولایت ہے، آج بھی جس شخص کی نسبت با خدا اور ولیِ کامل ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ اُن سے کچھ کرامتیں بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ملا، اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا، تو اُس شخص کی نسبت حُسنِ اعتقاد بڑھ جاتا ہے، یہ عام تقاضائے انسانی ہے، اس میں مومن کافر، عقلمند و بیوقوف اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں،

لیکن جو طبیعتیں فطرةً اثر پذیر نہیں، بلکہ معاند متعصب اور کور باطن ہیں، اُن کے لئے یہ خوارق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں، کیونکہ اُن کا عناد، تعصب اور کورِ باطنی حُسنِ ظن کے بجائے ہمیشہ سوءِ ظن کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو بھی دیکھ کر یہی کہدیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو، اور طلسم و نیرنگ ہے، اس لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعیِ نبوت کے اخلاق، خلوص، پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی، عادةً نا ممکن ہے، کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو، امام غزالی نے منقذ میں، امام رازی نے مطالبِ عالیہ میں اور عارفِ روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے، کہ نبوت کی اصلی دلیل معجزہ نہیں، بلکہ تعلیم و ارشاد، اور قوتِ علم و عمل کا کمال ہے،

امام غزالی کی تقریر | نبوّت کے کچھ آثار و خواص ہیں، اگر کسی شخص کی نسبت یہ شُبہہ ہو

کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں، تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے، یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو جیسی صحابہ کو تھی، یا خبر متواتر سے اور سُن کر ہو جیسی اب عام لوگوں کو ہے، نبوت کے آثار و کیفیات کی ذوق شناسی جس میں ہوتی ہے، وہی آمادہ تصدیق ہوتا ہے، مثلاً اگر تم کو طب اور فقہ سے کچھ واقفیت ہے، اور ان کا ذوق رکھتے ہو، تو جو شخص فقیہ یا طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، تم اس کے احوال کو دیکھ کر اور اسکی باتیں سُن کر فوراً یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فقیہ ہے، یا نہیں، اور اسی طرح تم امام شافعی کی فقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں، بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو گو آج امام شافعی اور جالینوس کا وجود نہیں، مگر ان کے سوانح اور تصنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعی فقیہ کامل، اور جالینوس طبیب حاذق تھے، یا نہیں، اسی طرح گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان نہیں، مگر آپ کی سیرتِ مبارکہ، آپ کی شریعت، آپ کی تعلیمات، آپکے ارشادات موجود ہیں، جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے، اسی معیار سے کسی مدعی نبوت کے دعویٰ پر یقین کرنا چاہیئے، لاٹھی کے سانپ اور قمر کے شق ہونے سے نہیں، کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر ڈالو، اور دوسرے بے شمار قرائن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملاؤ تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ یہ جادوگری اور نظر بندی ہے،[1]

امام رازی کی تقریر امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقاتِ نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے، اُن کی تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت

---

[1] المنقذ من الضلال ص ۳۵ و ۳۶ مصر،

کو تسلیم کرتے ہیں، اُن میں دو جماعتیں ہیں، ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہی،
یہ جمہور اہلِ مذاہب کا مسلک ہی، دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود غور کرنا چاہئے
کہ صداقت و راستی کیا ہے، اُس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں، جو نبوت کے دعوی کے
ساتھ لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دیتا ہے، اُس کی دعوت موثر ہوتی ہے، اور وہ لوگوں کو
باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہی ہے، تو ہم یقین کریں گے، کہ یہ سچا پیغمبر ہے،
یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے، اور اس راہ میں شکوک و شبہات کم ہیں،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوتِ علمی و عملی کی تصحیح، تکمیل اور تزکیہ ہے،
اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے، یا عام
انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے، مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا، یہ
خواص اور صلحار کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے اور دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے،
یہ انبیار ہیں، اس کمال و نقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں، اور انہی کے
لحاظ سے اُن کی قوت و مرتبہ کا اندازہ ہوگا، اُن کی قوتِ علمی کے سامنے تمام مقدمات
بدیہی ہوتے ہیں، اور معارفِ الٰہی پر اُن کو عبور ہوتا ہے، اور اُن کی قوتِ عملی اس عالمِ
جسمانی میں تصرفات کرتی ہے، اور یہی معجزات کا مقصد ہے، اس قوتِ علمی و عملی کے
کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو ان دونوں میں پست اور ناقص ہیں،
اپنے فیضِ صحبت اور فیضِ تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں، اور امراضِ قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں،
تو یہی اُن کی نبوت کی دلیل ہے،

امام رازی نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثباتِ نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں[1]

مولانا روم کے حقائق

مولانا نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے، کہ تمام شکوک و شبہات دفع ہو جاتے ہیں، اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں، جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لئے سب سے پہلی چیز حسنِ ذوق ہے، آبِ شیریں اور آبِ شور، صورت و شکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہیں، مگر صرف صاحبِ ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے، اسی طرح نبی اور متنبی گو بظاہر شکل و صورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں، مگر صاحبِ ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے،

جز کہ صاحبِ ذوق بشناسد بیاب	غور کرو صاحبِ ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے
او شناسا آب خوش از شور آب	وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے
جز کہ صاحبِ ذوق بشناسد طعوم	صاحبِ ذوق کے سوا مزہ کی تمیز اور کون کر سکتا ہے
شہد را ناخوردہ کے دانی ز موم	اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیونکر کر سکتے ہو
سحر را با معجزہ کردہ قیاس	اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا
ہر دو را بر مکر پندارد اساس	اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے،

[1] مطالبِ عالیہ کا پیشِ نظر قلمی نسخہ ناقص ہے، یہ فصل راغب پاشا نے اپنے سفینہ میں تمام و کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے، دیکھو سفینۂ راغب پاشا مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۷،

زرِ قلب و زرِ نیکو در عیار — تم کھوٹے اور کھرے سونے کا فرق
بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار — کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں کر سکتے تم
ہر کرا در جان خدا بنہد محک — خدا نے جس کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہو
ہر یقیں را باز داند و ز شک — وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہو
چوں شود از رنج و علت دل سلیم — جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو
طعم صدق و کذب را باشد علیم — تو وہ صدق و کذب کے مزہ کو پہچان لے گا

دوسری چیز طلب ہو، جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی، اس کی طرف التفات نہیں ہوتا، جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں، وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں، اور جب دل میں طلب اور روح میں بیقراری پیدا ہو جاتی ہے، اس وقت وہ دلیل و برہان کے لفظی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے کسی کو اگر پیاس ہو، اور وہ تم سے پانی طلب کرے، اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمھارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا؟ کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا، اور پانی پینے لگے گا،

تشنہ را چوں بگوئی، رو شتاب — جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ
در قدح آب است بستاں زود آب — دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے،
ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است ہرد — کیا کوئی پیاسا اس وقت یہ کہتا ہو کہ
از برم اے مدعی! مہجور شو، — یہ فقط تمھارا دعویٰ ہے، چلو ہٹو،

یا گواہ حجتی بنما کہ این
یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعوی کی دلیل

جنس آب ست و ازاں ما معین
لاؤ، یہ پانی ہے،

یا بہ طفلِ شیر مادر بانگ زد
یا جب شیر خوار بچہ کو اس کی ماں بلا کر کہتی ہے

کہ بیا من مادرم، ہاں اے ولد
کہ اے بچہ! میں تیری ماں ہوں،

طفل گوید مادرا حجت بیار
تو بچہ یہ کہتا ہے، کہ اپنی ماں ہونے پر دلیل

تا کہ با شیرت بہ گیرم من قرار
پیش کرو تب میں تمہارا دودھ پیونگا،

در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است
جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے،

روے و آوازِ پیمبر معجزہ است
اس کیلئے خود پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے،

چوں پیمبر از بروں بانگے زند
جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو

جانِ امت در دروں سجدہ کند
امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے،

زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں
سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسکی آواز کی سی کوئی

از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جاں
آواز روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی،

تیسری چیز اتحادِ جنسیت ہے، معجزات کا مقصد عموماً معارض کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے، لاجواب و خاموش کرکے تم خصم کو زیر کر سکتے ہو، مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کر سکتے، صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہمجنس شے کے طلب گار اور خریدار ہوتے ہیں،

موجبِ ایماں نباشد معجزات
درحقیقت معجزات ایمان کا باعث نہیں ہوتے،

بوے جنسیت کند جذبِ صفات	بلکہ اتحادِ جنسیت کی بو اس کے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے،
معجزات از بہرِ قہرِ دشمن است	معجزات تو مخالف کو دبانے کے لئے ہوتے ہیں
بوئے جنسیت سوے دل بردن است	اور اتحادِ جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کیلئے ہے،
قہر گردد دشمن اما دوست نے	دبا کر تم دشمن کو زیر کر سکتے ہو، مگر دوست نہیں بنا سکتے
دوست کے گردد بہ بستہ گردنے	جسکو بر بستہ گردن باندھ کر زیر کرو وہ دوست کیونکر ہو سکتا ہے

معجزات کا صدور اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے، اس سے کسی خرقِ عادت کا مطالبہ کرتے ہیں، اور یقین کرتے ہیں، کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا، اور اس طریقہ سے لوگوں میں اُس کی رسوائی ہوگی، اور اُس کے دعوی کی تکذیب ہو جائے گی، لیکن اللہ تعالیٰ اس خرقِ عادت کو ظاہر کر دیتا ہے، اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اُس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے، اور اس بنا پر معجزہ اُس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے، فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو رسوا کرے، مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا، اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر صدائے لبیک بلند کر دی، اس بنا پر معاندین کا وجود اعلانِ نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لئے ضروری ہے،

منکراں را قصد، ازلالِ ثقات	مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکو کاروں کو لغزش دیدیں، انکی ذلت اور معجزہ کے غلبہ و عزت کا باعث ہو گیا،
دل شدہ، عزہ ظہورِ معجزات	

قصدِ شان زان کارِ ذُلِّ ایں بدہ
ان کا ارادہ اس طلبِ معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی

عینِ ذل، عزِّ رسولاں آمدہ
لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہوجاتا ہے

گر نہ انکار آمدے از ہر بدے
اگر کوئی بدکار پیغمبر کا انکار نہ کرتا،

معجزہ برہان چرا نازل شدے
تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا،

خصم منکر تا نہ شد، مصداق خواہ
جبتک فریقِ دوم دعویٰ سے منکر اور خواہانِ تصدیق نہ ہو،

کے کند قاضی تقاضاے گواہ
قاضی گواہ و شاہد کب طلب کرتا ہے،

معجزہ ہمچوں گواہ آمد، زکی!
اسی طرح اے عقلمند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے

بہرِ صدقِ مدعی در بیشگی،
جو مدعی کی تصدیق کے لئے سامنے آیا ہے،

طعنہ چوں می آمد از ہر ناشناخت
جب کبھی ناشناس طعنہ کرتا تھا،

معجزہ می داد حق و بنواخت
تو خدا پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا،

مکرِ آن فرعون سی صد تو شدہ
فرعون موسیٰ کے مقابلہ میں سیکڑوں چالیں چلا

جملہ ذلِ او و قمعِ او شدہ
مگر اُن میں سے ہر ایک خود اسی کی ذلت و بیخ کنی کا باعث ہوئی،

ساحراں آوردہ حاضر نیک و بد
اُس نے اچھے بُرے ہر قسم کے جادوگر جمع کئے،

تاکہ جرحِ معجزہ موسیٰ کند
تاکہ موسیٰ کے معجزہ کو باطل کرے،

تا عصا را باطل و رسوا کند
اور عصاے موسیٰ کی قوت کو باطل و رسوا کرے،

اعتبار او ز دلہا بر کند
اور لوگوں کے دلوں سے اُس کے اعتبار کو کھوئے

عینِ آن مکر آیتِ موسیٰ شدہ
لیکن عین یہی سازشِ موسیٰ کی صداقت کی نشانی ہوگئی،

اعتبار آں عصا بالا شدہ — اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی،

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ اُن کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا، تو اُس کے لئے اُس کی ضرورت نہ تھی، کہ عصا کو سانپ بنایا جائے، اور قمر کو دو ٹکڑے کردیا جائے، اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے، ان جمادات و نباتات پر تصرف کرکے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہِ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اُٹھیں، معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیاء سے جمادات و نباتات پر اُن کے اثرات کا طالب ہوتا ہے، اور اُس کے ذریعہ سے قبولِ ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے، خود اُن کی یہ طلب اُن کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے، جن کے آئینۂ دل پاک و صاف ہوتے ہیں، وہ بلاواسطہ جمادات و نباتات پیغمبر سے براہ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی، اُس کے لئے بھی استعداد کی ضرورت ہے دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے،

معجزہ کاں بر جمادات اثر — یا عصا یا بحر یا شق القمر

معجزہ جو بیجان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے، مثلاً عصا کا سانپ ہوجانا، سمندر کا پھٹ جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا،

گر اثر بر جاں زند بے واسطہ — متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

اگر وہ معجزہ براہِ راست روح کو متاثر کرے، تو اندرونی روح سے اُس کا رابطہ پیدا ہو،

برجمادات آن اثر ہا عاریہ است　　　　آں پئے روحِ خوشِ متواریہ است

لیکن غیر ذی روح چیزوں پر اس کا اثر عاریۃً ہے، اور روح کے لئے وہ پوشیدہ ہے

تا از ان جامد اثر گیرد ضمیر　　　　حبذا نانِ بے ہیولائے خمیر

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھ کر روحِ انسانی اثر پذیر ہو،

برزند از جانِ کامل معجزات　　　　بر ضمیر جانِ طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے، اور طالب کے لئے زندگی ہوتا ہے

معجزہ بحر است و ناقص مرغِ خاک　　　　مرغِ خاکی رفت در یم، شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں ڈوب جائیگا تو ڈوب جائیگا،

مرغ آبی در وے از من از ہلاک　　　　ماہیاں را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پروا رہے گا، بلکہ مچھلیوں کے لئے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے،

الغرض ناقصین اور معاندین کے لئے جس طرح صدقِ نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں، معجزہ کی شہادت بھی بیکار ہوتی ہے، معجزہ طلب فرقہ، شاذ و نادر ہی دولتِ ایمان پاتا ہے، لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں اُن کو قبولِ اثر کے لئے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں، **ابو جہل** معجزۂ جمادات دیکھ بھی کافر ہی رہا، اور ابو بکرؓ معجزۂ دل سے صدیق اکبر ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از ستیزہ خواست بوجہل لعین　　　　معجزات از مصطفےٰؐ شاہِ مبیں

ابوجہل نے عناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا

معجزہ جست از نبی بوجہل سگ　　دید و نفزودش ازان الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی، شک کے سوا اس کو یقین نہ پیدا ہوا

لیک آن صدیقِ حق، معجز نخواست　　گفت این رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ طلب کیا، انھوں نے کہا کہ یہ چہرۂ نبوی سچ کے سوا جھوٹ کہہ نہیں سکتا

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا،

اب یہاں پہنچکر، مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے، واقعات کو لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوازۂ نبوت بلند کیا، تو اُس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا، عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا، آپ پشتہا پشت کے خوکردہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے، موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا آپ اس کی مذمت کرتے تھے، جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب وہیبت سے وہ کانپتے تھے، آپ اُن کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، ڈاکہ، لوٹ، مار، قتل، خونریزی، کینہ، عداوت، سود، قمار، زنا، شراب غرض وہ تمام افعال، جو عرب کے خصائص بن گئے تھے، آپ اُن کا قلع وقمع کرنا چاہتے تھے، علاوہ بریں آپ کے دستِ مُبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت وخزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لئے بجز مصائب اور بلایا کے آپ کے پاس کوئی ظاہری قابلِ معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائداد سے محروم، اپنے خاندان سے ناآشنا، اپنے وطن سے مہجور، ادرا کا بر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا و بدنام، اور

اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا، غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جارہی تھیں، وہ سب کے سامنے تھیں، با این ہمہ ایک خلقت تھی، کہ آستانہ محمدیؐ کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے، اور بیعت کرکے واپس جاتے تھے، اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر واحد اور احزاب وخندق کے بانی تھے، وہ بھی ایک روز سرِ اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے،

آخر اس کے کیا اسباب تھے،؟ اور کیونکر اُن کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا، عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمد نے لڑکر لوگوں کو مطیع بنالیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جان نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے، اُن کو کس نے لڑکر مطیع بنایا، اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں لیکن اُن کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اُن میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل اور اذعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہؓ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی، آپ کی رسالت پر ایمان لائے، آپؐ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلبِ سلیم کے لئے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مؤثر اور کارگر ہوئی ہیں،

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوائے نبوت کو سُن کر ایمان لے آئے، محض دعویٰ کی صداقت نے اُن کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہ بنؓ جراح یہ دیکھ کر اسلام لے آئے، کہ ابوبکر سا دانشمند اس صداقت سے متاثر ہے، حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں، مگر یہ کہکر کہ آپؐ جیسے اخلاقِ گرانمایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ، مقروضوں کا ماویٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجہ میں نہیں گرفتار ہو سکتا، حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمروؓ بن عنبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپ مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہِ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلامِ ربانی سُن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ ازدی نے نفس کلمۂ طیبہ سننے کے ساتھ ہی نعرۂ حق بلند کر دیا، حضرت عبد اللہؓ بن سلام چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں" حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح اسلام لائے، کہ انھوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربارِ نبویؐ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دلائی، کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے، اور جب آپ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے،

اوس وخزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے، کہ ایک نبی آخرالزمان کا ظہور ہونے والا ہے، جب انھوں نے آپؐ کی تقریر سُنی، تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں، فتحِ مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لئے مجبور ہوئے کہ خانۂ خلیل ایک جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا، ایک پورا قبیلہ صرف آپ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا، متعدد شعرائے عرب اور اصحابِ علم صرف

قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکۂ بدر سے مرعوب نہیں ہوتے تھے مسلمانون کے آداب و اخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے، صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کے ہزاروں آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، ابو سفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارق عادات متاثر کر سکے، اور نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتۂ دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم، اپنے تخت جلال پر بیٹھ کر، مکہ کے بوریہ نشیں پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے، ثمامہ بن اثال، ہند زوجۂ ابو سفیانؓ ہبار بن الاسود، وحشیؓ قاتل حمزہ، یہ دیکھکر مسلمان ہو گئے، کہ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپکے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سُن کر اظہار حق پر مائل ہو گیا، حضرت عدی بن حاتم قبیلۂ طے کے عیسائی رئیس تھے، وہ آپکے بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے، مگر یہاں انھون نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے، اور آپؐ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ دیکھ کر اُن کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں،

ایسے لوگ بھی تھے جو ان روحانی اور اخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے، قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے، ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپؐ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو

دیکھا، اور اسی استجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا، متعدد یہودی اس لئے مسلمان ہو گئے کہ گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بحرف آپ میں صحیح نظر آتی تھیں، متعدد یہودی علماء نے آکر آپ کا امتحان لیا، اور جب آپ نے از روے وحی اُن کے جوابات صحیح دیئے تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے، ایک شخص نے کہا کہ میں اُس وقت آپ کو سچا رسول تسلیم کروں گا، جب یہ خرمے کا خوشہ آپ کے پاس آکر آپ کی رسالت کی شہادت دے، اور جب یہ تماشا اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو مسلمان ہو گیا[۱]، ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپ نے اُس کو اسلام کی دعوت دی، اُس نے کہا آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے، آپ نے فرمایا "سامنے کا یہ درخت"! اور یہ کہہ کر آپ نے اُس درخت کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور تین بار اُس کے اندر سے کلمۂ توحید کی آواز آئی، یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا[۲]، سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ اُن کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، تو اُن کو یقین ہو گیا، کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطۂ اوج پر پہنچ کر رہے گا، چنانچہ خط امان حاصل کیا، اور بعد کو مسلمان ہو گئے[۳]،

چوں پیمبر از بروں بانگے زند ۔ جانِ امت در دروں سجدہ کند

بوزند از جانِ کاملِ معجزات ۔ بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات

[۱] جامع ترمذی معجزات ص ۲۰۲، [۲] مسند دارمی باب اکرم الیہ اللہ نبیہ من ایمان الشجر [۳] صحیح بخاری جلد اول ہجرت؛

دلائل ومعجزات

اور

عقلیاتِ جدیدہ

نوشتۂ مولانا عبدالباری صاحب ندوی، سابق استاذ فلسفۂ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

وَمَا تُغْنِی الْآیَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ

جو لوگ ایمان نہیں رکھتے، اُن کے لئے آیات ونذر بے کار ہیں،

لیکن

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است روے وآواز پیمبر معجزہ است (عارف رومی)

متکلمین وحکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے

مباحث میں نظر سے گذر چکا ہے۔ "سیرت" کے اس حصہ کو اصلاً معجزاتِ نبوی کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا، تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث میں ایک حد تک آگئے ہیں، ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات وخیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں، اُن کو پیش کرنا ہے،

آغاز کتاب میں نبوّت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو،

مفہومِ نبوت جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانونِ قدرت ہے، اسی طرح یہ بھی ایک سنۃ الٰہی ہے کہ جب عالمِ انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے، اور اگرچہ جس طرح ظلمتِ شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں، اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالتِ انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے، تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماندپڑ جاتی ہے، اور کرۂ ارض دفعۃً بقعۂ نور بن جاتا ہے،

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتابِ ہدایت کا نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی، پیغمبر یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن **مشکوٰۃِ نبوت** سے جو نورِ ہدایت ابلتا ہے، اس کا سرچشمہ وہ "نور السمٰوٰت والارض" ہوتا ہے، جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم ناآشنا، اور اس کے عقل و حواس سے بیگانہ ہوتے ہیں، مختصراً یوں سمجھو کہ پیمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالمِ ناسوت سے ماورا کسی عالمِ غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے، انسان اسی عالمِ اسرار و غیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالمِ قدس، عالمِ روح، عالمِ مثال" وغیرہ سے موسوم کرتا ہے،

مفہومِ معجزہ حاملِ رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے، اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا

مجسّم وجود ہوتا ہے، تاہم بہ اقتضائے لیطمئن قلبی یا بلحاظ تمام حجت اس داعیِ حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں، جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں، اور اُن کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو واماندہ پاتی ہے،

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی، حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لے کر "مسجدِ اقصیٰ و سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کرلی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقلِ انسانی عاجز ہے، اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے، اور جس شخص کے تعلق سے اُن کا ظہور ہوتا ہے، عالمِ غیب کے ساتھ اُس کے روابط کی نشانی و آیت یا تائیدِ غیبی کا کام دیتے ہیں، قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براھین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے، محدثین اُن کو "دلائلِ نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو **معجزات** کہتے ہیں،

ترتیبِ مباحث | معجزات کی جو نوعیت ہے، اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا اُن کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدما نے عللِ مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں، اُن کا مدعا حقیقۃً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے، مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے نفسِ امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے، کہ یقینِ وقوع کے لئے عام واقعاتِ تاریخی کے درجہ کی شہادت

کافی نہیں خیال کی جاتی،

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابلِ یقین واذعان ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لئے امکان وشہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت واسباب کا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحثِ معجزات کے ضمن میں متقدمین ومتاخرین میں سے جہان تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا، صفحاتِ ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے، بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمۂ سخن ہے،

بہرکیف اس خاکہ کی بنا پر ترتیبِ مباحث یہ ہوگی،

۱- امکانِ معجزات

۲- شہادتِ معجزات،

۳- استبعادِ معجزات

۴- یقینِ معجزات

۵- غایتِ معجزات

امکانِ معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم نے جو چند اوراق لکھے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں،

لہ Human under standing. "فہم انسانی" (باب بحث معجزات)

اور گو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی تاہم وقوعِ معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گذر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی انہی نقوش کے مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے،

ہیوم کا استدلال | ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱) انسان کے علم و یقین کا مدار تمامتر تجربہ پر ہے، جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے، کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص محرک نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں، وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے،

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گذشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے،

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچ رہ گیا ہے، کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آکر کہتا ہے کہ وہ بیچارہ بڈھا فقیر رات کو مر گیا" تم کو اس کے بیان کے باور

کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے، کہ "میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار وا ہیٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا" تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا، اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس و پیش کروگے، تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ "میں نے اس پیر فرتوت، پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے" اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے، یا یہ خیال کروگے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمھارے دل میں نہ پیدا ہوا ہوگا، کیوں؟

صرف اس لئے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گذشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنا پر اس کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت قرار دیا جاتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرینِ قیاس ہے، کہ راوی کو کوئی دھوکا ہوا، یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا، یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے، اور خرقِ عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابلِ قبول ہے،

(۳) معجزہ اسی صنف کے عدیم الوقوع یا قانونِ فطرت کے خارقِ واقعہ سے عبارت ہوتا ہے، ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا، اس لئے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا، یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولتمند

ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لئے عام انسانی زندگی ہی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آسکتا ہے، بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو،

اس لئے معجزہ گویا بذاتِ خود آپ اپنی تردید ہے،

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سُن لینا چاہئے،

"معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا، اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں، کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا، آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے، صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں، اور اب انکا توڑنا بغیر قوانینِ فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے، جو چیز عام قانونِ فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے، وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی، مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے، اچانک مر جائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتہً قلیل الوقوع سہی، لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے، البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے، کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے لہذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے، اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہونا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا، اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے، تو گویا معجزہ

کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے، اور ایسا ثبوت جو نہ اُس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دیسکتا ہے، اور نہ خود باطل کیا جاسکتا ہی جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے"۔

لہذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے (جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے،) کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہوسکتی، تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو، جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے، اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا، جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی، فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہوگیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہی کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو، یا خود دھوکا کھا گیا ہو، یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہی صحیح ہو، میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے، اسی کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہی جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہی البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعۂ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بیشک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہوجانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے" (فہم انسانی "باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کے رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزانِ عقل میں کسی خارقِ عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اُس کے خلاف دنیا کے ہزار ہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو تو ظاہر ہی کہ یہ شہادت چاہے

کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہو تاہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی، لہذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لئے کافی نہیں ہو سکتی،

حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہوگا! لیکن اس انکار کو جب اُس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبولِ معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا، اس کو ہیوم ہی نے توڑا، اور ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا ہے، جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے، چراغ کے تلے اندھیرا، آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے، اور خود نہیں دیکھ سکتا،

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لئے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے، جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے جب تک یہ خود اپنی ذات وحقیقت سے منفک نہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو، بے اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو، اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آرہے ہیں ضرور ہے کہ اُن کو

کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہو، اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ انار کے درخت سے آم کا پھل، یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو، آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا،

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی، تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے، اسی لئے کہ آگ جب تک آگ ہے، جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہو سکتا، اُس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں، اژدہا ایک جاندار مخلوق ہے، جو توالد و تناسل کے قاعدہ سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے، اس لئے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے، کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا کیونکر اژدہا بن گیا، انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل توالد و تناسل کا نتیجہ ہوتا ہے، پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے، دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لئے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے، اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اُسی قدر اُس کے قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بلا کسی معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفۃ العین میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کر لی، زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا، اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہو سکتے ہیں، کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو، اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو،

سلسلۂ علل و اسباب اور اشیاء کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام حکماء

فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانینِ فطرت ہے، جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً کششِ ثقل ایک قانونِ فطرت ہے، جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر ہمیشہ نیچے آجائے گا، فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن، دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے، جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا،

قوانینِ فطرت کی حقیقت

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانینِ فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر اُن کی کیا بساط ٹھہرتی ہے،

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل اور مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جُز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے، جس کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے، صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے، سنکھیا زہر ہے، جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے، سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے، جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو، جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے،

اس کو تم بہ آسانی کھلا سکتے ہو، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اُس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی، جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اُس کے زہر قاتل یا علتِ موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے، بیسویں صدی کے سائنس داں کے لئے یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مُرکّب ہے[1] لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا ڈھائی ہزار سال تک حکما اور عقلاے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاوِنڈش[2] کے سامنے تھی، وہی طالیس[3] ملطی کے سامنے بھی تھی، سنکھیا اور شکر کے بجاے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم اُن کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے، جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں،

جان اسٹورٹ مِل نے اپنی مشہور کتاب "نظامِ منطق"[4] میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ

"آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا، جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں[5] اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوے کہ اہلِ یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں[6] مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں

---

[1] جس نے پانی کو بسیط عنصر کے بجائے آکسیجن و ہائڈروجن سے مرکب ثابت کیا، [2] یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدءِ عالم جانتا تھا، [3] سسٹم آف لاجک" کتاب سوم باب ۳ فصل ۲ [4] وسط افریقہ کے آدمی کالے [5] یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں،

دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے، لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار

کرنا پڑا، اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو بڑے اعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر

یقین کرتے رہے جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہ تھا"

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی

قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے، جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ "تمام انسان کالے

ہوتے ہیں" "تمام ہنس سفید" انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت

کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے، کہ فرض کرو کہ

"افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلۂ عمارت ہے جو چاروں طرف

ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے، جو

اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی، یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو

سب مقفل ہیں، اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت وجستجو کے بعد کل پچیس

کنجیاں ملتی ہیں جن سے ادھر ادھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہمشکل ہیں، لہذا

کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ بھی

کردیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں[1]"

قوانین فطرت یا خواص اشیاء (علاقہ تعلیل وعلت ومعلول) کی مذکورۂ بالا حقیقت اگرچہ

اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے، لیکن اس حقیقت

[1] مل کی "منطق" کتاب سوم، باب ۲۱ فصل ۴ حاشیہ،

کو سب سے پہلے جس شخص نے اُجاگر کیا، وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا، اس لئے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرقِ عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے، اس کے عدمِ امکان کا کیا وزن ہے:

"جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں، اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے، وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگنے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے، بس حواسِ ظاہری سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے۔ اشیاء میں اس تقدم و تاخر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا"

کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا، حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا ارجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے، اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔

"حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات (مادی) کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفاتِ محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے

---

[1] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱

کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت، یہ چیزین بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتین جسکو ان کا نتیجہ کہا جا سکے، موجوداتِ عالم مین ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے، ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے، لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے، ہماری آنکھون سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ مین گرمی پائی جاتی ہے، لیکن ان دونون (گرمی و شعلہ) مین کیا لزوم ہے، اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے"!

اسی سلسلہ مین چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت کا یہان اقتباس مناسب ہے جس سے آگے چل کر کام پڑے گا،

" عام طور پر لوگون کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ مین کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزون کا نیچے آجانا، درختون کی بالیدگی، حیوانات مین توالد و تناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتون مین اُن کو علت کی بذاتِ خود اس قوت کا علم و احساس ہے، جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لئے ظہورِ معلول مین خطا کا امکان نہین، بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے اُن کے ذہن مین ایک ایسا میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا

صرف اُس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً زلزلہ، وبا، یا کوئی اور عجیب و غریب بات، تو البتہ اُن کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اُن کی توجیہ و تشریح کیسے کی جائے، اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی اَن دیکھی صاحب عقل و ارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابلِ توجیہ ناگہانی واقعات اُسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اُسی طرح نامعلوم ناقابلِ توجیہ ہو جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی۔ . . . چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعاتِ عالم کا سبب اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں۔ . . . . (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے . . . . بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے، تو خود خدا اپنے ارادہ خاص سے اُس کو متحرک کر دیتا ہے اور یہ ارادہ اُن عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے، جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں۔"

جب یہ مسلّم ہو چکا کہ قوانینِ فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے، اور تجربہ کے ناقابلِ خطا ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلاف فطرت یا خارقِ عادات کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ خود ہیوم

کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ "جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو، اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا ہے"[1]

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (سائنٹسٹ) ہے، اور جس کی جگہ حکما کی صفِ اوّل میں ہے، اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شد و مد سے تائید کی ہے، خود ہیوم کے نظریۂ معجزات پر بحث کرتے ہوئے پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلیط کی ہے، کہ "وہ نام ہے قوانینِ فطرت کے خرق کا" اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز واقعات"[2] کے ہو سکتے ہیں، پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورۂ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

> "لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے، کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے، لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا"
>
> "بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے، کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے"

اس ارتکابِ تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے، تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آیندہ بغیر قوانینِ فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہو سکتی"

---

[1] فہم انسانی باب ۴ ۔ [2] ہکسلے کی کتاب "ہیوم" باب (متعلق معجزات)، [3] انگریزی میں معجزہ کے لئے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل)، اس کے لفظی معنی بھی "حیرت انگیز" کے ہیں،

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون "ممکنات و ناممکنات" ہے، اس میں بھی ہیوم اُس کے پیش نظر ہے، اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ

"میں صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو "ناممکن" کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں، مربع مدور، ماضی موجود، متوازی خطوط کا تقاطع، یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں، اس لئے کہ "مدور، موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی "مربع"، ماضی اور متوازی" کے تصور کے نقیض ہے لیکن پانی پر چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا، یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں"

"ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں، اس لئے یہ افعال اس کے لئے ناممکن ہیں، لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں، بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکناتِ فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے، اس کا ہم کو علم ہے، باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے، اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد کم و بیش گذشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے، جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا"

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں،

کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے" اور "وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں[1]"

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں[2]۔ ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ فقروں کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابو الحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا۔ البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی، اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات و اختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے، چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر "ماڈرن بلیف[3]" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا، اس کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو کہ

> "کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب یہ برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علت و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا، سارے طبعی واقعات و حوادث

---

[1] Wonders of Life (عجائبات حیات، از ہیگل باب ۳ معجزات۔

[2] معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۱۹۵۸ء) سے ۴۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶ پر)

بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کئے جاتے تھے، سلسلۂ علل و معلولات مین کہین
کوئی خلل و رخنہ نہ تھا، مگر ۱۹۲۷ء مین اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا، اور ماہرین
طبیعیات نے دیکھا کہ عالم ... کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا، اور
سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہین کہ وجوبی و قطعی علیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا،
ابھی بالکل حال حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی
اصول قرار دیا جاتا تھا، لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے،
کہ آیا کارخانۂ فطرت مین ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے،
جس کو علیت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادثِ فطرت کی تہ مین
کوئی ایسی شی سے کارفرما ہے، جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہین بھی وجوبی یا جبری
قانون کی موجودگی کی شہادت نہین ملتی، (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابتہ ۱۹۳۳ء)

اس کا مطلب یہ نہین کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہین، بلکہ ان کی حیثیت
اعداد و شمار کے لئے قوانین کی رہ جاتی ہے ...... زندگی کا بیمہ کرانے والی کمپنیان کوئی ایسا
قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلان شخص چالیس برس کی عمر میں مرجائے گا، لیکن اتنا جانتی ہیں کہ
کسی بڑی جماعت مین اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن مین مرجائین گے، یعنی افراد کا عمل

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۵) ۳؎ پورا نام Outline of Modern Belief مرتبہ جے۔ ڈبلیو۔
این سولیوان (J. W. N. Sullivan) و ڈاکٹر گریسن (Grenson) حصہ چہارم باب ۳ ص ۲۰۵،

ناقابلِ پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے، بس قوانینِ فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیش گوئی یا پیش بینی ہو سکتی ہے۔[1]

بالفاظ دیگر قانونِ فطرت کی نوعیت در اصل قانون عادت کی ہے، یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں عمر میں مر جائے گا، البتہ عادۃً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مر جائیں گے، مذہب کی زبان میں اسی قانونِ عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کی بنا پر بھی عملِ فطرت کی یکسانی یا قوانینِ فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا، البتہ ان قوانین کا منشا اندھے بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں، بلکہ ایک علم و اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادتِ جاریہ سے ہے، جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادتِ جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے، یہی معجزہ ہے، اور بقول مشہور سائنسدان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنسدان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آ سکتی کہ خالقِ فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانینِ فطرت کے خلاف بھی کر دے سکتا ہے، ہم کو معجزات کے خلاف سائنس کے کسی ایسے فتوے کا علم نہیں، جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو سکے۔[2]

جب کارپنٹر کے زمانہ ہی میں سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا، تو اب کوانٹم نظریہ

---

[1] پورا نام Out line of modern Belief ہے، مرتبہ جے۔ ڈبلیو۔ این سولیوان (Sulivan)

[2] دیکھو فرائک بیلارڈ کی The Miracle of unbelief حصہ چہارم باب ۱۶ ص ۲۰۔ بحوالہ ڈاکٹر گریرسن Grierson

کے بعد جب کہ کلام و فلسفہ کے نرے قیاسات سے گذر کر خود سائنس کی دنیا مین اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے، تو اور بھی سائنس کا یا قوانینِ فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے، لہذا بقول کارنیڑہی کے "اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں، جس سے معلوم ہو کہ خالقِ فطرت کبھی کبھی خلافِ فطرت بھی کر دیا کرتا ہے"[۱]

یہ صرف ممکن ہی نہین ہے کہ خالقِ فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانینِ فطرت کے خلاف کر سکتا ہے، یعنی معمولی سلسلۂ علل و اسباب و معلولات کو توڑ سکتا ہے۔ بلکہ ایک اور نامور عالم طبعیات پروفیسر ڈالبیئر[۲] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہی جس کو آسانی سے نظر انداز نہین کیا جا سکتا، کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہین کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں، درآنحالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے، اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔ . . . اس کی شہادت موجود ہے، کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس مین بلا کسی وساطت کے پہنچ جا سکتا ہے۔ . . . اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا، ان کا وقوع اب غیر اغلب نہین رہا ہے۔

ہکسلے کو اگرچہ اس بارے مین ہیوم سے شدید اختلاف ہو کہ معجزہ نام قوانینِ فطرت کے

---

[۱] دیکھو فرنگ ہیلارڈ کی The miracle of unbelief - [۲] دیکھو اس کی کتاب Matter, Ether, Motion (مادہ ایتھر حرکت)

خرق کا ہے" لیکن تصریحاتِ بالا سے قانونِ فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے، اُس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی،

(۱) قوانینِ فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بذاتِ خود اشیا کے اندر نہیں معلوم بلکہ اُن کی بنیاد تمامتر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے۔ جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہذا قوانینِ فطرت کے خلاف ہونا یعنی اُن کا خرق) بذاتِ خود ممکن اور عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے،

شہادت معجزات

امکان، وقوع کے لئے کافی نہیں

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں، یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعاً ایسا نہیں، کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت، غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہجاتی، مثلاً

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا انھوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا، پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آپ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے اُن کو اُن انصاری کے پاس بھیجا، لیکن اُن کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا، حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی، تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا، پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا، اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپکے ہاتھ پر پانی گرائیں، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا، پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امڈا، پھر تمام طشت بھر گیا، یہاں تک کہ سب لوگ پانی پیکر سیراب ہو گئے، اس کے بعد آپنے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔[۱]

[۱] دیکھو کتاب ہٰذا، بیان عام معجزات (۱۳۰)

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا، اور اُن کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ اُن کو اُس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا تھا، البتہ ہمارے لیے اُس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن ہے یا ناممکن، اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابلِ اعتبار ہو سکتی ہی،

لہٰذا امکانِ معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادتِ معجزات کی پیدا ہوتی ہے،

ہیوم کا فتوی، ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتوی یہی ہے، کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت نہیں کافی ہو سکتی، تاہم نفس خارقِ فطرت واقعات کے لئے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جسکی بنا پر اُن کو قبول کیا جاسکتا ہے،

فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے کر آٹھ دن تک برابر تمام روے زمین پر تاریکی چھائی رہی، یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبۂ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکما کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اُس کے علل و اسباب کی جستجو ہوگی، کائناتِ فطرت میں زوال و انحطاط، فنا و فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اسکی

تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابلِ قبول ہو گی بشرطیکہ یہ شہادت نہایت وسیع، متواتر اور متفق علیہ ہو۔"

ہیوم کا تعصب

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کرکے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اُس پر یقین کرنے کے لئے کوئی انسانی شہادت قابلِ قبول نہ ہو گی، کیون؟ اس لیے کہ "اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے" حتیٰ کہ "جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ حجت واستدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے"۔ "مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک وخرافات افسانون کے دام مین آجاتے ہیں، لہٰذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلۂ وفریب ہونے کا پورا ثبوت ہے، مذہب جیسی مقدس شے کی تائید مین لوگ بے ضرر کذب وافترا سے باک نہین کرتے، پیمبر (معاذ اللہ) عزتِ پیمبری کے شوق مین ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا اور مکر واحتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے، انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے، معجزات کا قبولِ عام اور بہ آسانی شائع وذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان مین عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے، اور اس لیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر معجزات اور فوق الفطرت باتون کے خلاف ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام مین پایا جاتا ہے، ایک عقلمند آدمی پرانے زمانے کی حیرت ناک تاریخون کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجب بات ہے کہ اس قسم کے خارقِ عادت واقعات ہمارے زمانہ مین نہین ظاہر ہوتے، انہی وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کیے جاتے ہیں، وہ سب کے سب

محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں[1]،

بلاشبہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابلِ لحاظ ہیں، لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے، جس کی بناپر محض معجزہ یا مذہب کا نام آتے ہی کسی غیر معمولی و خارقِ عادت واقعہ سے انکار کر دیا جائے؟ ظاہر ہے کہ مذہب کے نام سے بیوم کا یہ ایسا ناقابلِ حمایت اور صریح تعصب تھا، جس کے لئے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی، اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بناپر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک سفر میں

صحابہؓ بھوک سے اس قدر بیتاب ہوے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں، لیکن آپؐ نے تمام لوگوں کے زادِ راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی، اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی، لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے[2]

کافی شہادت، اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادِ راہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آگیا تھا، (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے، تو ہکسلے جیسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا،

---

[1] یہ تمام قریب قریب بیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون "معجزات" میں جا بجا ملیں گے [2] دیکھو کتاب مذاہب عام معجزات،

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کا انجیل مین مذکور ہے کہ پانچ روٹیون اور مچھلیون سے پانچہزار آدمیون کا پیٹ بھر گیا، اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے، جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریان بھر گئین[1]، لیکن اس معجزہ کے باور کرنے مین روایۃً و درایۃً جو دشواریان نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد بھی ہکسلے نے لکھا ہے کہ

"اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیون اور مچھلیون کا وزن کیا تھا (۲) ۵ ہزار آدمیون مین یہ تقسیم کی گئین، بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعاً پوری طرح آسودہ ہوگئے (۴)، اور اس کے بعد ٹوکریون مین جو ٹکڑے جمع کئے گئے، ان کا وزن کیا تھا، تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ مین میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہون، لیکن مذکورہ بالا چار چیزون کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجکو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے، اور اس معجزہ کو ممکناتِ فطرت کی ایک نئی اور خلافِ توقع مثال سمجھونگا"[2]

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہٖ ایک ممکن الوقوع سے ہی، بلکہ "تشفی بخش شہادت" کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہو کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابون مین جو معجزات مذکور ہین ان کے یقین کرنے کے لئے "تشفی بخش" شہادت موجود ہے؟ اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی مین دینا ہی چاہئے تھا، لیکن یہان پہنچکر ہکسلے بھی سپر انگندہ ہو جاتا ہے، اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معنیً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے[3]

[1] یوحنا باب ۶- آیات ۵-۱۴، [2] مقالات ہکسلے ج ۵ ص ۲۰۳، [3] ایضاً صفحہ ۲۰۰،

"یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جاسکتا، لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم، جس کی بنا پر مین ہیوم کے اس وزنی فتویٰ مین کچھ ترمیم کرسکون کہ

"تاریخ کے سارے دفتر مین ایک بھی ایسا معجزہ نہین ملتا جس کی تصدیق وتائید مین ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگون کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب مغالطہ مین پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر دوسرون کو فریب دہی کا اُن پر گمان نہ ہوسکے، جو لوگون کی نگاہ مین ایسی عزت شہرت رکھتے ہون کہ اگر اُن کا جھوٹ کھُل جائے تو ساری عزت خاک مین مل جائے ساتھ ہی، جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہون، کہ اُن کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے، حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لئے یہ تمام باتین ضروری ہیں "

ہیوم نے کہنے کو تو کہدیا کہ قبولِ معجزات کے لئے جس درجہ کی شہادت درکار ہے، اس کا تاریخ کے سارے دفتر مین کہین پتہ نہیں، لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعی یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہین کردی ہے؟

فرانس مین کوئی مشہور درگاہ ہے "جس کے تقدس پر (بقول ہیوم) لوگ مدتون فریفتہ رہے ہیں "

"بہرون کو سماعت، اندھون کو بصارت مل جانا، اور بیماریون کا اچھا ہوجانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتین تھین جن کا ہر گلی کوچے مین چرچا رہتا تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور

غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان مین سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر دکھائی گئی ہیں، جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے، پھر ان پر ایسے گواہون کی مہر تصدیق ثبت ہے، جن کی شہرت وسند مسلّم ہے، جس زمانہ مین ان کرامتون کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے، اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے، اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں، با این ہمہ یسوعی فرقہ تک کو اُن کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ اُن کی حمایت پر تھا، اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے جن کی تائید مین یہ معجزات پیش کیے جاتے تھے، اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق وتصدیق کے لئے اتنی تعداد مین موافق حالات ہم کو کہان میسر آسکتے ہیں، اور ان دل بادل شہادتون کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے، کہ یہ واقعات بذاتِ خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارقِ فطرت ہیں، اور معقول پسند آدمیون کی نگاہ مین اُن کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے[۱]، اللّٰھم حفظنا من شرور انفسنا، !!

ہیوم کا صریح تناقض ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے، اس سے کہین زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے، کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہین دیتا، جبریہ اس کے قائل ہین کہ انسان اپنے افعال مین مجبور محض ہے، اور اس دعویٰ پر انھون نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیئے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے

---

[۱] فہم انسانی باب۱۰، قابل توجہ فقرات کو زیر خط مین مولف ہذا نے کیا ہے،

کی زندگی مین وہ خود کتنے ملحے ۔ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہین ،ہیوم کے دلائلِ فلسفیہ نے بیشک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہٖ ناممکن نہین ،لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ "یہ واقعات (معجزات) ، بذاتِ خود ناممکن اور سراسر خارقِ عادت ہیں" اور اُن کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے ،فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کراتین مشہور ہیں ،ان کی توثیق وتصدیق کے لئے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اس کے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر مین وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتون سے قطعی انکار ہے ،

لہذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لئے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید مین صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہین ہے ،بلکہ پہلے اس کے عدمِ امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے ،اور پھر خود یقین کی ماہیت واسباب پر بحث کرنی چاہئے ،

انتہائی استبعاد ، اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف مین چندان مضائقہ نہین خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارقِ فطرت واقعات کا لیکن تم نے اقتباسِ بالا کے آخری زیر خط جملہ مین دیکھ لیا کہ "خارق" کا لفظ کس قدر گمراہ کُن ہے ،خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہوچکا ہے ،پھر بھی اس کی زبانِ قلم اس لغزش سے اپنے کو نہین بچا سکتی کہ "یہ واقعات (معجزات) بذاتِ خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارقِ فطرت ہیں" اصل یہ ہے کہ نفسی ایتلافات کی بنا پر ہمارے ذہن مین یہ غلط خیال بےطرح جاگزین ہوچکا ہے کہ فطرت یا قانونِ فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے ،اس لیے کسی واقعہ کو "خارقِ فطرت" کہتے

لہ دیکھو صفحات بالا ،

کتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پہ مسلط ہو جاتا ہی،

لہذا جب یہ مختتم طور پر ثابت ہوچکا ہے، کہ خود معجزہ کی ذات مین عدم امکان داخل نہین ہے، بلکہ "تشفی بخش شہادت" کی موجودگی مین اس کا یقین کیا جاسکتا ہے، تو اس کو "خارق فطرت" کی گمراہ کُن تعبیر کے بجائے یکسلے کے الفاظ مین زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز" واقعہ کہا جاسکتا ہے، لیکن "انتہائی حیرت انگیز" سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہوگی،

استبعادِ معجزات

فطرت کی یکسانی ایک عام خیال جو اس "حیرت انگیزی" میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہی کہ کارخانۂ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت مین یکسان ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، حکما تک جب فطرت کی یک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ مین مبتلا نظر آتے ہیں حتی کہ مِل کو اپنی "منطق"[1] مین اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے، ہم خود غور کرین تو کچھ نہ کچھ مثالین ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہوجانا چاہئے، ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے[2]،

عورتون کے علی العموم بہ وقتِ واحد ایک لڑکا ہوتا ہے، یا کبھی کبھی دو، لیکن حال مین مکسکو (امریکہ) مین ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے، ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر آیا تو انھون نے کہا، کچھ عرصہ ہوا کہ برھما مین ایک عورت کے چھ لڑکے

---

[1] نظامِ منطق کتاب ۳، باب ۵ [2] یہ دونون واقعے آج، ۲ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر مین مذکور ہیں،

ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی،

طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۱۰ یا ۱۰۰ درجے پر پہنچ جاتی ہی تو آدمی نہین بچتا لیکن برسٹل مین انفلوائنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجے تک پہنچ گیا پھر بھی وہ اچھی ہوگئی، اور زندہ ہی، خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہی کہ

"جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی، خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے، دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲ - ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا، اس نے دو تھرمامیٹر اور آزمائے، بالآخر یقین کرنا پڑا کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آگیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا، اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہرحال علاج سے فائدہ ہوا، اور اب مریضہ خاصی روبصحت ہے"

ترکیون ہتی (ٹرگنامیٹری) یا مساحۃ المثلثات" وغیرہ ریاضیآت عالیہ کی وہ شاخین ہیں جن کی کالجون مین ریاضیات کے اعلیٰ مدارج مین تعلیم دی جاتی ہے - ۱۰-۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچوین جماعت مین پڑھتے ہیں، اُن کی ریاضی دانی جس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے، جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھکر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے، وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳-۱۴ برس کی عمر مین اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں،

لیکن گذشتہ سال اکتوبر مین (،اکاتار - لیڈر) راج نراین نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا "معجزۂ ریاضیات" (اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اُس نے بلا کسی علم کی مدد کے

اعلیٰ الجبرا، تمہ یکون متی، تحلیلی اقلیدس (جامیٹری)، وغیرہ از خود حاصل کی ہے،

ولادتِ مسیحؑ (بے باپ کے)، یا احیاے موتیٰ سے بڑھ کر کس شے مین انتہائی استبعاد یا اعجاز ہوسکتا ہے، لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوانِ عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اُس کے نظائر بھی تلاش کر لیے، چنانچہ ہکسلے جیسے سائنسدان نے معجزات ہی کے ضمن مین لکھا ہے کہ

"رہا مریمؑ کے کنوارپن میں مسیحؑ کا پیدا ہونا، تو یہ صرف ممکن التصور شے ہے، بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصنافِ حیوانات مین یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یہی حال احیاے موتیٰ کا ہے، بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں، اور عرصہ تک اسی حالت مین رہتے ہیں، لیکن جب ان کو مناسب حالات مین رکھدیا جاتا ہے، تو پھر جان آجاتی ہے[1]"

ایجاداتِ سائنس | یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقاتی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم "انتہائی حیرت انگیز" اعجاز نمائیان نہین کی ہیں،

لاسلکی ذریعۂ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابلِ تصور بات تھی کہ آپ بمبئی مین بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن مین، درمیان مین ہزارہا میل سمندرون کی پہنائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونون کے مابین رابطہ نہین، پھر بھی چشم زدن مین آپ اس کو اپنا پیام پہنچا دے سکتے ہیں، ایک منٹ مین ۶۰ سکنڈ ہوتے ہیں، ایک سکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اُس سولھوین حصہ مین یہ پیام

[1] مقالاتِ ہکسلے ج ۵ ص ۱۹۵

۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے[۱]

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیام ہی نہین پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال مین ایک فرانسیسی سائنسدان نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی مین اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن، پیرس، یا نیویارک مین چک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں، قریب قریب یعنی سیکڑون میل کے مقامات تک اس کے کامیاب تجربات ہو بھی چکے ہیں[۲]،

تنویم، | طبیعیات کے ان کرشمون کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا **نفسیات** کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لائیے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی مین اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں، لیکن ہم صرف تنویم یا عملِ تنویم سے تعبیر کرین گے،

اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ کے ایک نہایت ہی بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جمیس کے الفاظ مین یہ ہے:-

"عاملِ تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے، اور جس چیز کا حکم کرتا ہے، اُس کو بجا لاتا ہے حتی کہ جو چیزین معمولی حالت مین آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں، بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں، مثلاً چھینکنا، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارتِ خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکتِ قلب مین تیزی یا سُستی پیدا ہو جانا، وغیرہ وغیرہ"

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا، آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ، لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے، تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے، نوسادر میں اس کو کالو گنی کی بو محسوس ہو سکتی ہو گر یسی اس کو

[۱] معارف
[۲] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۲ء

شیر نظر آسکتی ہے، جھاڑ و اس کے لئے خوبصورت عورت بنجا سکتی ہے، راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے۔ . . . . . . جوان آدمی اپنے کو بچہ حسین عورت یا نپولین اعظم سمجھنے لگ سکتا ہے[1]

"سر یا دانتوں کا درد، دُور کر دیا جا سکتا ہے، وجع مفاصل وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے، بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے، یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۲ دن تک کھانا نہیں کھایا۔ . . . . . . جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو جا سکتا ہے، مثلاً فلان لفظ وہ نہ سُنے، لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سُنے گا، یا فلان آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کرو، وہ نہ دیکھ سکے گا"[2]

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اسی لئے اس کا نام تنویم ہے، لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً جس مرض کے لئے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو جا سکتا ہے، یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہدو، کہ آیندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھوگے سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا،

گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری کرنے کے بعد ہی کئے جاتے ہیں، لیکن اس کیفیت کا نمایان طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لازمی شرائط مین نہین ہے، بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتہً کم ہوتے ہیں، جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو،

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب "پرنسپلس آف سائیکالوجی (اصول نفسیات) جلد دوم باب ۲۷،

[2] ڈاکٹر مول کی کتاب "ہپناٹزم" صفحہ ۹۲-۹۴ مطبوعہ ۱۹۰۹ء

ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہین بلکہ جماعتون اور مجمعون کو بھی متاثر کر سکتا ہے،

ڈاکٹر البرٹ مول کا ابھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب "ہپناٹزم" اپنے موضوع پر سب سے بہتر، نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے، معجزات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر و علمیات تک کے صدہا عجائب کی گرہ کھل جاتی ہے، اور جن واقعات پر عقلائے اوہام و اباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی، وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہین،

معجزاتِ شفا. بہت سے معجزات و کرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائلِ علاج پر مبنی نہین، اور اس لئے مدعیانِ عقل کے ہان اس کا نام "وہم پرستی" تھا، لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصولِ علاج منکشف کر دیا ہے، جو عام مادّی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعًا مستغنی ہے، اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں، پھیپھڑے اور سل کے امراض مین شفا حاصل ہوتی ہے، آنکھوں کی بیماریان جاتی رہتی ہیں، درجِ مفاصل دور ہو جاتا ہے، زخم بھر آتے ہیں[1]، کیا اس کے بعد بھی انجیل کی روایاتِ مسیحائی کو "محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار" کہنا خود اپنے جہلِ مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟

---

[1] ڈاکٹر مول کی کتاب "ہپناٹزم" صفحہ ۵۵ و مطبوعہ ۱۹۰۹ء

فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کراماتِ شفا کا اوپر ذکر گذرا ہے، ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود اُن کو قطعاً ناممکن" قرار دیا تھا، لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبۂ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کراماتِ شفا کو توہم ہی کا معجزنما نفسی اثر سمجھتا ہے،[1] غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک "قطعاً ناممکن" تھی، مول کے نزدیک اب اس مین اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے،

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ "وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہون جو دوبارہ اُس کو وجود مین لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں"، لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن جا سکتا ہے، جس طرح کہ کرسی شیر نظر آسکتی ہے، تم کہوگے کہ تو پھر اس صورت مین حضرت موسیٰ کا اعجاز کیا رہا، اس کا جواب آئے گا، ہر دست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں ہے، جس پر یقین کے لئے نفس نوعیتِ واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو،

عام تجربات | تنویمی تجربات کے علاوہ یون بھی کچھ نہ کچھ ایسے پُر اسرار واقعات مشاہد و مسموع ہوتے رہتے ہیں، جن کی توجیہ عام قوانینِ فطرت سے نہین ہوتی، اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت و استبعاد مین کمی پیدا کرتے رہتے ہیں،

ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر" نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب وغریب واقعہ چھاپا تھا، جو نامہ نگار کے الفاظ مین حسب ذیل ہے،

[1] ہپناٹزم صفحہ ۲۵۰

"بردوان میں ایک عجیب پُر اسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگون مین کافی سنسنی پیدا کردی ہے، ۵۵ لہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا' متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا، اس لئے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا' اس کی لاش جلائی نہین گئی، جلانے سے پہلے اس کے لڑکے انند لال نے ایک خالی کمرہ مین جہان کوئی اور نہ تھا، لاش کا فوٹو لیا، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پہ پانچ اور دھندلی تصویرین آگئی ہیں، ان تصویرون مین سے دو کو تو خاندان کے لوگون نے پہچانا تھا، کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکے کی ہیں جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں، باقی تین تصویرین جو زیادہ روشن نہ تھین پہچانی نہین جا سکین"۔

"ٹائمس آف سیلون" مین ایک انگریز پلانٹر (چاے کا کاشتکار) نے اپنے تلیون کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے، ان مین یہ بھی تھا کہ ایک شخص آگ کی سوراخ دار چپٹی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا، اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چپٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی، حالانکہ جب مین نے تجربۃً چپٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی، چھوا تو میری انگلی جل گئی، اُن کا بڑا پوجاری کم و بیش ایک منٹ تک آگ مین ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا، اسی طرح اور بھی کئی تلیون نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کین"۔[1]

---

[1] "لیڈر" نے "ٹائمس آف سیلون" کے حوالہ سے نقل کیا ہے،

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرینِ اخبار سے درخواست کی ہے، کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں، تو براہِ مہربانی اطلاع دیں، یا اگر ان کی کوئی توجیہ وتشریح ہو سکتی ہو، تو کریں، اس پر خود "ٹائمس" نے لکھا ہے کہ "سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ پر چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہو سکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عملِ تنویم کر لیتے ہیں[1]،

بہرحال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن اڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی، نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لئے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بنا پر اُن کی تغلیط وتردید کر دی جائے، یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے،

پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے، کہ اس کی بنا پر تم اُن کی نبوت کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رویائے صادقہ، رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت وفلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے، مختلف اصنافِ خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات فرض کئے گئے ہیں، د

---

[1] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے،

خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں، لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیون کے لئے انسانی توجیہات کا انتظار نہین کرتی،

تم کسی مبصر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہون گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے، میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابون کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب مین اُن سے بے لطفی ہو جاتی ہے تو بیداری مین اس نتیجہ کے لئے وہ تیار رہتے ہیں، اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آہی جاتی ہے، مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں، لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے، اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے، سنہ ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ مین (۱۵ اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ

آج دوپہر کو سویا، تو کیا خواب دیکھتا ہون کہ "ح" کا خط آیا ہے جس مین "س" کا بھی ایک خط ملفوف ہے، اٹھنے کے بعد ڈاک آئی، تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا، انتہا یہ کہ خطون کا جو مضمون خواب مین دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری مین بھی پایا!!

حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا، اور "س" کا خط تو حاشیۂ خیال مین بھی نہ تھا"

پروفیسر ہلپر کت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری مین حل نہین ہو سکا تھا، خواب مین حل کیا، اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب مین آکر اس کی رہنمائی کی،[1]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "ڈریم"

جب عام لوگون کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس مین کیا استعجاب واستبعاد رہ جاتا ہے، کہ بعض نفوسِ قدسیہ (انبیاءؑ) کے تمام خواب رویاے صادقہ، یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویاے صادقہ (صالحہ) ہی سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویاے صادقہ سے کھل جاتی ہے،

حقیقی اسرارِ نبوت

اسرارِ نبوت مین سب سے زیادہ پر اسرار مقام وہ ہے جہان ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے (نَادَيْنَاهُ اَنْ يَّا اِبْرَاهِيْمُ) جہان سے موسیٰؑ کو (وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے، اور جہان محمدؐ اور خدا میں قاب قوسین یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے، جہان منطق واستدلال کا "حجابِ اکبر" اٹھ جاتا ہے، اور ظنی علم کی جگہ کشف ومشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہوجاتا ہے، ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی تھی؟ موسیٰؑ نے طور پر کس سے کلام کیا؟ اور "لَن تَرَانِی" کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس مین اور محمدؐ مین صرف "قَابَ قَوسَینِ" کی دوری تھی؟ اور "اَوحیٰ اِلیٰ عَبدِہٖ مَا اَوحیٰ" کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جائے تحدید مین رہ کر نہ دیا جاسکتا ہے اور نہ سمجھا جاسکتا ہے،

حقیقی آیاتِ نبوت کی عام مثالیں

عام معجزات کی جو نوعیت ہے چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہوچکا ہے، معمولی واقعاتِ زندگی مین بھی ملتی رہتی ہیں، لہذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد مین بھی بہت کچھ کمی ہوجاتی ہے، لیکن "وادیِ ایمن" اور "سدرۃ المنتہیٰ" کی واردات جو اصلی معجزات اور مقامِ نبوت کی حقیقی "آیاتِ کبریٰ" ہیں ان کی بظاہر کوئی مثال اس

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "ڈریم"۔ ع یا جبرئیل مین۔ "س"

عالمِ ناسوت مین نہین نظر آتی جس سے عام انسانون کو اُن کی فہم میں مدد ملے، بیشک "لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا الۡکُبۡرٰی" کا رتبۂ بلند ملا، جس کو مل گیا" اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستارون کی چمک سے نہین ہوسکتا، تاہم بہ قدر استعداد تجلّیِ طور کا ہلکا سایہ تو ذرات پر کبھی کبھی پڑہی جاتا ہے اور چشمِ بینا کی ہدایت کے لئے اتنا ہی بس ہے،

انبیاے مرسلین علیہم السلام کے بعد اولیاے مقربین کے ہان ان تجلیات کی کافی شہادتین ملتی ہیں لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لئے اور نیچے اُتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالین تلاش کرنی چاہئین،

پروفیسر ولیم جمیس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محققِ نفسیات ہی اور جس کا شمار اکابرِ فلاسفہ مین ہے، اُس نے لوگون کے ذاتی وارداتِ مذہب، یا مذہبی تجربہ وشعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی[1] ہے، اس مین بلا قیدِ مشرق ومغرب، انبیاء و اولیاء، عوام وخواص علماء وحکما، سب کے "تجرباتِ مذہبی" کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا، اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیبِ ذیل انتخاب کرتے ہیں،

سب سے پہلے جمیس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین و زیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتاب بنی ین

---

[1] اس کا نام The Varieties of Religious Experience
"تجربۂ مذہبی کے اصناف" ہی پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی سنہ ۱۹۱۰ء مین ہوا ہے،

مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے، ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے، پلنگ کے پاس ہی اپنی گود مین اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہین جانتا کہ یہ کون ہے، یا کیا ہے، تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہین زیادہ اس کو یقین ہے، جتنا کہ دن کی روشنی مین کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے، وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے، پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اُس کے حقیقی، دواقعی ہونے کا اذعان ہے،

"اس کی موجودگی مین نہ کوئی ابہام والتباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد وکیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے، بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم ویقین ہے، اور اُس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ مین اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے، ہر چیز جو مین دیکھتا یا سنتا ہون خواب ہو سکتی ہے، لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا" (صفحہ ۶۰-۶۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہین ہے، بلکہ جمیس کو اس بات پر حیرت ہے، کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ مین کیون نہین تعبیر کرتا، اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے،

"میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا، اور پہلے مین یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مین نے پھر سونے کے لئے کروٹ بدل لی، فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے مین کوئی موجود ہے، اور یہ کچھ عجیب احساس تھا، کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں، بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو، لیکن مین وہ بیان کرتا ہون، جو مجھ پر گذری،

بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اُس کو تعبیر کردوں ، اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب وخوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے ، (صہ ۶۲)

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو ،

بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لاادری اور لامذہب ہوگیا تھا ، تاہم اس "غیر متعین شعور" سے میں کبھی خالی نہیں رہا جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۃ مطلقہ رکھا ہے ، لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لئے محض ناممکن العلم نہ تھی ، کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا ، اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی ، نہ دست بدعا ہوا ، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے ، جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے ، جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی ، خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری ، یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان ومتردد ہوا ، اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لئے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس نے ہمیشہ میری نصرت کی ، اور ایسا معلوم ہوتا تھا ، کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کردیا ہو ۔ ۔ میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا ، کیونکہ ادھر چند سال سے اس سی استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے ، جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہو ۔ ۔ ۔ ۔ اور اقرار ہو کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت ونصرت سے محروم ہوگیا ہوں ، ۔ ۔ ۔ ۔

جس ذات کو میں "اس" سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی، بلکہ یہ میرا خدا تھا، جس کی تائید پر مجھ کو بھروسا تھا، لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح گم کر دیا" صفحہ ۶۵-۶۶)

سوئیزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے کہ

"میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا۔ ... کسی قسم کی تھکن، بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی، طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی، گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی، غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی، ہوشیار رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا، راستہ میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا، کہ یکایک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتفاع محسوس ہوا، اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا، اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے، یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بمشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے آگے چلو، میرا انتظار نہ کرو، اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی، ایک پتھر پر بیٹھ گیا، اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میری جیسی گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو جتوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا، میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمامتر اس کی رضا جوئی میں بسر ہو، جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و

---

[1] اس حالت کو سامنے رکھکر ذرا ان آیات کو پڑھیے، ایاک نستعین ففروا الی اللّٰہ و ما النصر الا من عند اللّٰہ

مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اُس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر
چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ قوی شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں
. . . . . یہ احساس و اثر اس قدر، گہرا اور واضح تھا کہ مین نے اپنے دل سے سوال کیا
کہ کیا موسیٰ نے کوہِ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا، اس قدر
بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالمِ وجد مین خدا کسی شکل وصورت اور رنگ و
بو سے متصف نہ تھا، نہ مین اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا" (صفحہ ۶۶-۶۷)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے، لیکن ہم ایک طویل بیان
کے دو جملون کے اقتباس پر بس کرتے ہیں، قیاس اور اخذِ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار
مثالین کافی ہون گی، امراضِ دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے کہ
"اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی، جس کے ساتھ
ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی، جس کا بیان ناممکن ہے، اس
حالت میں دوسری چیزون کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہین بلکہ عینی
مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے، بلکہ ایک ذی حیات وجود
ہے، مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا، یہ کیفیت صرف
چند سکنڈ تک رہی، لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی
گذر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے" (صفحہ ۳۹۹)

ان مثالون کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو کہ

"ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر سے برآمد ہوے، نماز کے بعد لوگون کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں، پھر فرمایا کہ آج شب کو مین نے اتنی رکعتیں پڑھین جتنی کہ میرے لئے مقدر تھین، تو نماز ہی مین کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت مین مینے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہو، خطاب ہوا، اے محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر مین گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہین، اے میرے رب! مین نہین جانتا، اُس نے اپنا ہاتھ دونون مونڈھون کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی، اور آسمان و زمین کی تمام چیزین نگاہون کے سامنے جلوہ گر ہو گئین، سوال ہوا یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر مین گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی ہان اے میرے رب ...... الخ"[1]

اس میں کلام نہیں کہ مکالمۂ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالون سے اتنا ہی بلند ہے، جتنا کہ انبیأ کا مقام انسانون سے بلند ہونا چاہئے، تاہم "عالمے ہست کہ این عالم از ان تمثالے است" ان مثالون سے ایک نہ ایک حد تک اُس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے مدعا کے لئے اسی قدر کافی ہے،

مقدمات ثلثہ

یقین معجزات کے لئے ہماری منطقِ استدلال کے تین مقدمات تھے جن مین سے دو کو تو ہیوم اور یکسلے نے ترتیب پورا کر دیا تھا، تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے، ان مقدمات ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) معجزات بذاتِ خود کوئی ناقابلِ تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہین، (ہیوم)

یہ پوری حدیث ترمذی میں دیکھو (کتاب التفسیر سورۂ ص)

(۲) زیادہ سے زیادہ ان کو "انتہائی حیرت انگیز" یا "انتہائی مستبعد" واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لئے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر اُن کو قبول کیا جا سکتا ہے، (ب) البتہ "انتہائی حیرت انگیزی" و استبعاد کی وجہ سے بظاہر اُن کے قبول کرنے کے لئے جو شہادت مطلوب ہے، اُس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابلِ اعتبار ہونا چاہئے، (ہکسلے)

(۳) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے، اُس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی، نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول و یقین کے لئے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے،

لہذا یقین معجزات کے لئے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں

اصلی بحث یقین کی ہے، | لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا، تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہِ راست پر آجائے گا اور کیا اب صفحاتِ بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائیگا؟ مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے، آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے، لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی، نفس اپنی قوتِ استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل[1]، جو منطق کے "اقانیم ثلثہ" ہیں،

[1] ارسطو اور مل علی الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے امام ہیں جن کا تعلق اضافی حقائق و علوم سے ہے، لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دئے یعنی منطق کو ما بعد الطبیعیات بنا کر اس کے ذریعہ حقیقۃ مطلقہ کا سراغ لگایا جاتا ہے،

کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذاتِ خود ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

ان سوالات کا جواب اگر نفی مین ہے اور یقیناً نفی میں ہے، تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکانِ وقوع اور شہادتِ وقوع کی بحث چندان اہم نہیں رہ جاتی، بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے،

یقینِ معجزات

یقین کی ماہیت

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہین ہو، نہ یہان چندان اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے، کہ نفس تصور، اور اس کے یقین مین کیا فرق ہے،

یہان ہمارے مقصد کے لئے صرف اتنا جان لینا چاہئے کہ ریاضی کے تصوراتِ مجردہ[۱] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابلِ تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہین ہوتا، بلکہ لذت و الم، حیرت و استعجاب رنج و غم، محبت و نفرت، ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیاتِ نفسی کی طرح محض ایک اضافی و تغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت

---

[۱] معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ و روایت کے واقعات سے ہو، نہ کہ ریاضی کے مجردات سے، اس لیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اسکی بحث مین نہین پڑنا چاہتے، ورنہ درحقیقت یہ یقین بھی کسی اطلاقی اور اٹل یا ناقابلِ تغیر بنیاد پر نہیں قائم ہے جس کا انکار نہ ہو سکے، بلکہ مل جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعویٰ ہو کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے، جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا، یہ نہین لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے، اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہون، یہ نہین لازم آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے، انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس مین بھی کوئی تناقض نہین کہ دو اور دو مین مل کر پانچ ہو سکتے ہیں،

رکھتا ہے، جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس مین کیفیاتِ بالا کا پیدا ہونا، یا یکسان طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے، اسی طرح ہر آدمی کے دل مین اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی مین یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہین،

تاریخ کی بعض کتابون مین ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے اس بیدردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینے تک مصر کے حامون کا ایندھن بنا رہا، علم کا فدائی اور حکمت وفلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کفِ افسوس ملنے لگتا ہے، اور اس کے دل میں نفرت وغصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت وغصہ پاتا ہے، اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے، اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانۂ اسکندریہ کی تباہی سے کہین زیادہ ماتم انگیز ہے، لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گذرے تو رنج وغصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ حجابِ اکبر کا یہ "دفترِ بےمعنی" اسی سلوک کا مستحق تھا:

"صد کتاب وصد ورق در نار کن"

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے، جذبات کی طرح یقین وعدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں، جن اہلِ یورپ کے دل مین مسلمانون کی وحشت وجہالت کا تعصب راسخ تھا، اور جن کی طبیعت تنقیصِ اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی، انھون نے نہ صرف شہادت کی تحقیق وتفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا، بلکہ اسکی روایتی ودرایتی تضعیف کے بعد بھی

اُن کا یقین قائم رہا، لیکن انہی اہلِ یورپ مین جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہین
رکھتا تھا کہ اُس کے جذبۂ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو، اُس کو تحقیق کے بعد یہ
روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان
مورخ جو کتب خانۂ اسکندریہ کے جلانے کو دامنِ اسلام پر وحشت وجہالت کا ایک
بدنما داغ سمجھتا تھا، اور کسی طرح اس کا محبتِ اسلام سے لبریز دل، اس کے قبول کرنے
پر آمادہ نہ تھا، اُس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنون کا صریح افترا و بہتان
قرار دیا، بلکہ الٹے خود انہی افترا پرداز دشمنون کو اُن[1] کا جرم ثابت کر دکھایا،

"ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

نظریاتِ حکمت کا یقین یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعاتِ تاریخ و روایت
ہی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین
بھی یہی حیثیت رکھتا ہے، پروفیسر جیمس نے "ارادۂ یقین" اور "جذبۂ عقل[2] پرستی" کے
عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں، ان مین اُس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین
کس قدر خواہش و ارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے، اور سائنس و
فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی

---

[1] دیکھو رسائل شبلی مضمون "کتبخانۂ اسکندریہ"۔ [2] انگریزی میں ان دونون مضامین کا نام علی الترتیب Belilne urilleo
اور Sentiment of Rationalism ہے جو دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہوئے ہیں،
افسوس کہ یہان ہم بخوف طوالت اُن سے زیادہ استفادہ نہین کر سکتے لیکن جو انگریزی دان اصحاب یقین کی حقیقت
و نوعیت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں، ان کو یہ دونون مضمون ضرور پڑھنے چاہئین،

نوعیت کا محض ایک جذبہ ہے،

یکسانی کا جذبہ | ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و تفحص میں کیون اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس "خواہش" کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی، کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے، کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہوجائے، جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کر دے، اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہوجاتی ہے، اور کارخانۂ فطرت مین یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوشگوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے،

"یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مختفی واقعہ کے مظاہر ہیں، اسی طرح کی لذت ہے، جو کسی گویئے کو پراگندہ آوازون کے ایک نغمہ یا راگ مین منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے، کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے، جو چاند کو اُس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے، جس کے ماتحت پتھر نیچے گرتا ہے، اس یقین مین کس کے لئے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے، جو آفتاب کی اُن کرنون مین پائی جاتی ہے، جو اُس غلہ کو پکاتی ہیں، جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے[۱]"

نظم و یکسانی کی لذت کے لئے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے، اسی کو ملحوظ

---

[۱] جیمس کا مضمون "جذبۂ عقلیت" Sentiment of Rationality.

رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلم فلسفہ پروفیسر روائس نے تنبیہ کی ہے، کہ جہان کہین بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت، ویکسانی کا یقین محسوس ہو، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس احساسِ وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابلِ استیصال جذبہ پر مبنی ہوسکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لئے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے"[1]

یہی تعصب تھا، جس کی بنا پر ایک بڑے سائنس دان نے جمیس سے کہا کہ کلامِ نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہلِ سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کرلینا چاہئے، کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزون کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہین چلا سکتے"۔ اس قول کو نقل کرکے جمیس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلامِ نفسی کو سائنس کے حق مین مفید مطلب پاتے تو اُس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہوجاتے، بلکہ یہی شہادت یقین کے لئے کافی ہوتی،[2]

اب تم ہی فیصلہ کرو، کہ کیا "عقل پرست سائنس" کے تعصبات "وہم پرست مذہب" کے تعصبات سے کچھ بھی کم، یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہلِ سائنس کا انکار معجزات وحدت ویکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہین ہے؟

---

[1] دیکھو "اصولِ نفسیات جلد دوم صفحہ ۳۱۶ بحوالہ The Religious Aspect of Philosophy (فلسفہ کا مذہبی پہلو) مصنفہ پروفیسر روائس

[2] "ارادۂ یقین" صفحہ ۱۰ طبع جدید ۱۹۱۷ء،

نظریاتِ فلسفہ کا یقین | خیر اہلِ سائنس یا حکما کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے،

کہ سائنس کے نظریات ونوامیس زیادہ تر اضافی اور مفروضی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن فلاسفہ یا منالہین، جو حقائق عالیہ اور صداقتِ مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں، اُن کے اصول ونظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیے تھا، مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے، کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے نداہب ونظامات تخصی جذبات وخواہشات کا عکس نظر آتے ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب، حتی کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب "شریہ" اور "خیریہ"[۱] کہا جاتا ہے، یا اُس کو "یاسیہ" اور "رجائیہ" بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفسیاتی تحلیل کیجائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے، یاس ورجاء، امید وبیم وغیرہ کے ذاتی جذبات واحوال ہی ثابت ہوں گے،

دورِ جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار، جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے، اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے، اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ صداقت مطلقہ "صرف ارادہ یا خواہش ہے، نہ کہ عقل یا فکر، اور یہ ارادہ چونکہ "بے عقل" ہے، اس لئے اس کی کوئی غایت نہیں، دنیا میں کوئی فلاح وسعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر "بے مقصد" ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشا ہے، خارجی عالم اسی "بے عقل وبے مقصد" ارادہ کی محض ایک تصویر ہے

[۱] انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب Pessimists اور Optimists ہے

کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منھ اتنی باتین، کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمامتر عقل پر مبنی ہے، کوئی مدعی ہے، کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے، کوئی شخص خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے، کہ شخصی خدا ناقابلِ تصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے، کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم وفریب ہی، کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل وقائم بالذات روح ہی، کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہین ہے، کسی کا دعوی ہے کہ سلسلۂ علل نامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے، کہ نہین، ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو محض مجبور پاتا ہے، اور کوئی مختار، کوئی مبدءِ عالم کی وحدت کا قائل ہے، اور کوئی کثرت کا، بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملیگی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو،

عقل انسانی کی انہی حیرانیون کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے، کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے، ورنہ نہین[1]، اور خصوصاً موجودہ زمانہ مین تو اس سرعت وکثرت کے ساتھ نظریات اُبل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا، قریباً ناممکن ہوگیا ہے، اس قدر مختلف ہندسات، اس قدر مختلف منطقین، اس قدر مختلف طبیعاتی وکیمیاوی مفروضات پیدا ہوگئے ہیں، . . . . . کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے، کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے[2]،

---

[1] ارادۂ یقین Theories of Knowledge (نظریاتِ علم) از پروفیسر واکر صفحہ ۳۳ بحوالہ

[2] The meaning of Truth ("معنی صداقت") ص ۵۸،

مشاہدات کا یقین

تم سمجھتے ہوگے، کہ علم ویقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول ونظریات تک محدود ہوگی، باقی مشاہدات ومحسوسات جو ان اصول ونظریات کا آخری مرجع ہیں، وہ تو بہرحال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کے متعلق زید وعمرو کی نوعیتِ یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہی، لیکن تمھارا یہ "ناممکن" نہ صرف "ممکن" بلکہ واقعہ ہی، دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے، دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے، دوسرے کو بدمزہ، آلاتِ حس ومشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے، رنگ وبو، آواز ومزہ، سردی وگرمی، شکل وصورت، طول وعرض (امتداد) پستی وبلندی، دوری ونزدیکی سے لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے،

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورۂ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہی، لیکن حکیم یا سائنس داں کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنسدان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں" (ماڈرن بلیف صفحہ ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہی نہ بو، نہ کوئی آواز ہے، نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ وقوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں، اس لئے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ ومیلان پیدا ہوجاتا ہے، کہ باوجود اس اقرار کے کہ "مادہ"

کسی نامعلوم شے کا نام ہے" پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم مین اُس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے، بخلاف اس کے فلسفہ یا مابعدالطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے، لہذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے، اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا،

مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے، ممکن ہے کہ چند لمحات کے لئے حکیم یا فلسفی عالمِ رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو، لیکن بالآخر اسکو جبلت کی حکومتِ قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے، جہان سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا، اور شب و روز کی زندگی مین وہ عالمِ رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی،

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے، جو نہ علم کا پابند ہے، نہ جہل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے، نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے، نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم و عقل سب چیزون سے پیدا ہو سکتا ہے، اور کسی سے بھی نہین پیدا ہو سکتا، اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے، تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منھ نہین دیکھتا کہ "جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو"

کیا عجیب بات ہو کہ یقین کی اس ماہیّت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہین، بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے، خود اسی شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی، جو یقینِ معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے، چنانچہ "ارسٹاٹلین سوسائٹی" کے ایک ممبر

براڈ نامی نے ۳-۴ سال ہوئے ہیوم کے نظریۂ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن مین خود ہیوم کے اصول کی بنا پر لکھا ہے[1] کہ

"ہیوم کو یقینِ معجزہ سے اس لئے انکار ہے کہ معجزہ گذشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہی، مثلاً گذشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ آیندہ بھی ب ہمیشہ "الف" کے تابع ہوگا، ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لئے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزون کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے، جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو، دونون صورتون مین یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے، ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے، وہی آیندہ بھی ہوگا، اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزون کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو، لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گذشتہ مستمر تجربہ سے آیندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہین ہے، لہذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر، اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ مین دونون بالکل یکسان حیثیت رکھتے ہیں، دونون صورتون مین یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہی، اور کسی صورت مین بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہین پیش کر سکتا"

جب یہ معلوم ہوچکا کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلانِ نفسی ہی،

[1] دیکھو ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۷-۱۹۱۶ء صفحہ ۹۲،

تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل مین بے سود ہے منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلانِ یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں، لیکن خود اس میلان کی تخلیق اُن کے بس سے باہر ہے، یہ میلان بذاتِ خود ایک نفسی حقیقت ہی لہذا اُس کے اسبابِ تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق مین مل سکتا ہی، کم و بیش تمام علماے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے، لیکن ہمارے لئے یہان علم النفس کے عام تفصیل طلب طرزِ بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی

نفسیاتِ یقین | البتہ بنیادِ بحث کے لئے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہی، جس کے لئے عہدِ حاضر مین امریکہ کے سب سے بڑے استادِ نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہوسکتا ہے، اس لئے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب "اصولِ نفسیات" کے باب احساسِ حقیقت (جلد دوم) سے اسبابِ یقین کے متعلق چند اصولی باتین بلفظہٖ نقل کرتے ہین،

(۱) "معالجات (تدابیرِ شفاطلبی) کے بارے مین انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب (یعنی جذباتی احوال) پر مبنی ہے حتی کہ جب کوئی محبوب دعزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف مین مبتلا ہو، تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ مین نہین حائل ہو سکتی" (خصوصاً عورتون کے لئے) جس شے مین کچھ بھی امیدِ شفا ہو، اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہذا جو علاج بھی ایسی حالت مین تجویز کیا جائے، وہ آتشگیر مادہ کے لئے چنگاری کا کام دیتا ہے طبیعت فوراً اس پر عمل کے لئے آمادہ ہوجاتی ہے، آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہی،

اور کم از کم ایک دن کے لئے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید وبیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطۂ اقتدار مین ماضی، مستقبل اور حال تینون داخل ہیں۔" (صفحہ ۳۱۰-۳۱۱)

اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر ہے کہ

(۳) سب سے زیادہ یقین آفرین وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ، ایسی چیزین ہمارے سامنے پیش کرتا ہو، جو سب سے زیادہ دلچسپ ہون اور جو ہمارے حاسۂ جمال پرستی اور جذباتی وعملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہون"

لیکن ہم کو یہان نفسیاتِ یقین کے متعلق اصل مین جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے، وہ یہ ہے کہ

(۳) "ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیا کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔" (صفحہ ۳۲۱)

خواہشِ یقین۔ ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لئے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو۔ یقین ایک قسم کی تشفی ہے، جب تک اس کے لئے طلب وتشنگی نہ موجود ہو، یہ نہین حاصل ہوتا، پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لئے کافی نہین ہوتا، بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو، مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی کا شبہہ یا کسی بیماری کے لئے

اس کے مضر ہونے کا اندیشہ اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے، مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہان صفائی ونفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیون مین ٹھنڈا پانی رکھا ہو، اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہون، تو بے پیاس کی پیاس لگ آتی ہے،

موانع ومؤیدات یقین، یقین کی صورت مین ہم ان دونون چیزون کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مؤیدات سے تعبیر کرین گے، جب کوئی چیز یقین واذعان کے لئے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع ومؤیدات مین باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے، اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے، اگر خواہش یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مؤیدات کی اعانت کے موانع پر غالب آجاتی ہے، اگر موانع زیادہ قوی ہین تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں، اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے، یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سی ضعیف خواہش بھی اپنے مؤیدات کی رو سے ان کو زیر کرلے گی،

عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ انہی موانع ومؤیدات کی صف مین جگہ مل سکتی ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینون (خواہش، موانع اور مؤیدات) پہلوانون کا اصلی حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں،

اب اوپر اقتباس اوّل مین جیمس نے جو مثال دی ہے، اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے مین خواہش وارادہ کو کیا دخل ہے، اور مؤیدات وموانع کا اس پر

کیا اثر پڑتا ہے،

فرض کرو کہ زید کے گھر مین ایک شخص مہینون سے مریض پڑا ہے اطبی علاج کوئی کارگر نہین ہوتا، ایک دوست آکر کہتا ہے کہ شہر مین ایک متقی، پرہیز گار، بے طمع بزرگ ہین جن کی دعا سے بہتون کو فائدہ ہوا ہے، تم بھی انہی کی طرف کیون نہ رجوع کرو،

ظاہر ہے کہ زید کے دل مین اس مریض کے لیئے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے اب اگر اُس کو بزرگون سے بدعقیدگی (مانع) نہین ہے، تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لیے آمادہ ہو جائے گا، اور طبیعت مین کم از کم کچھ دیر کے لیئے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی، جس کا نام میلانِ یقین ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہلِ حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے اتقاء اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں، لازماً ان چیزون سے زید کے میلانِ یقین کی اور تائید وتقویت ہوتی ہے،

لیکن اگر اس کو بزرگون سے بدعقیدگی ہے، وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے، تو ایسی حالت مین وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ اُلٹے اس سے طرح طرح کی بحثین کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانونِ فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں، ان کو اوہام پرست کہے گا، اور اپنے اندر کوئی میلانِ یقین نہ محسوس کرے گا،

البتہ اگر یہی مادہ پرست وبدعقیدہ زید ایک دولتمند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان ہونہار لڑکا ہے جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی

چراغ ہے، جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام اُمیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے، وہ نہایت خطرناک ہے، ڈاکٹر اور اطبّا علاج کرتے کرتے تھک گئے، اور جواب دے چکے ہیں، ان حالات میں زید کی خواہشِ شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی معلوم ہے، انہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی، دوست کا مشورہ اُس کی مایوسیوں میں اُمید کی ایک جھلک ثابت ہوگا، اس کی انتہائی طلب و تشنگی الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی، اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا، اور جتنی ہی زیادہ اُس کی خواہش قوی ہوگی اتنے ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ اُن بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا،

لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہو کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہشِ شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے، تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی، اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے، تو رائیگاں جائے گا، خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ج میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے، ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے، اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقلِ انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی،

ساحروں کے دل میں ذوقِ ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اُٹھے اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیاے کرام خصوصاً سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی حیاتِ طیبہ تمھارے سامنے ہو، سیرۃ النبی مین، ابتدائی قبولِ اسلام کے صفحات پڑھو، ہر سطر ذوقِ ایمان وطلبِ یقین کے مذکورۂ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی،

نفسیاتِ یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے

حضرت ابوذر غفاری رضؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے، اور حق کی تلاش مین تھے، انھون نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبوت کا دعوی کرتا ہے، اس کی تعلیم وتلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ "وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے" ان مؤیداتِ یقین کے بعد حضرت ابوذر رضؓ خود مکہ گئے، اور گو اُس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلانِ اسلام کے لئے نہایت خطرناک موانع موجود تھے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشنگی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذر رضؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کرکے کہا کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ" اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہوگئی،[1]

حضرت حمزہ رضؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی، آپؐ سے صرف دو تین برس بڑے تھے، اور ساتھ کھیلے تھے، وہ گو ابھی تک ایمان نہین لائے تھے، لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل مین نورِ حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤن نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے تھے، اظہارِ اسلام پر بیتاب کر دیا، "اظہار تو کردیا"

[1] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے، دیکھو سیرۃ النبی ج دوم طبع اوّل ص ۱۱-۱۲،

لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے، کہ آبائی دین کو دفعتہ کیونکر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا، کہ دینِ حق یہی ہے[1]" موانعِ یقین موجود تھے لیکن دینِ حق کے قبول اور اس کے داعیؑ کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا،

قیصرِ روم کے پاس جس وقت داعیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر ابو سفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اُس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی، اور اس نے کہا کہ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا، کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، میں اگر وہاں جا سکتا، تو خود اس کے پاؤں دھوتا" لیکن قیصر نے ابو سفیان سے جو گفتگو کی تھی اُس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہلِ عرب کو دربار سے اٹھا دیا، اور گو اُس کے دل میں نورِ ایمان آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی[2] تخت و تاج کی حرص، دولتِ ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت ہوئی،

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصرِ روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی اس پر طرہ یہ ہوا، کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام، اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے، پھر نامہ مبارک چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول طبع دوم ص ۲۰۷-۲۰۸ [2] ایضاً صفحہ ۲۲۶-۲۲۹- پورا مکالمہ پڑھو،

کے پرزے اڑ گئے"[1]

اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنفِ سیرت نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور اس کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں ان سے بھی تمام فریقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں، تفصیل کے لئے خود سیرت (جلد اوّل طبع دوم صفحہ ۱۹۲-۲۰۴) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے، یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے،

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترکہ :-

(۱) "اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع وپاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکرؓ حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ کا شمار انہی طالبانِ حق میں ہے" (خواہشِ یقین)

(۲) "بعض صحابہ ایسے تھے، جو خاندان کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے" (موانع یقین کی کمی،

(۳) "یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی" (موانع کی کمی،

---

[1] سیرۃ النبیؐ جلد اوّل، طبع دوم صفحہ ۲۰۴،

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا، لیکن اُن کی دشمنی کے کیا اسباب تھے ؟

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش ہمسایگانِ خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے، جس کی طرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے "عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیلِ بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔"

"اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا، لیکن اُس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور اُن میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اُسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔"

(۲) "قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی، لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔"

(۳) "ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندانِ بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔"

(۴) "ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے ابولہب نے

حرم محترم کا غزالِ زرّین چرا کر بیچ ڈالا تھا، اخنس بن شریق نمّام و کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بد اخلاقیون پر سخت دار و گیر کرتے تھے، جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید مین پیہم علانیہ ان بدکارون کی شان میں آیتین نازل ہوتی تھین، الخ

غرض اوّلاً تو ان قریش مین ایمان و یقین کی خواہش کا کوئی نشان نہین ملتا، ثانیاً اگر نفسِ خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورۂ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جبتک یہ نہ ہٹا دیئے جاتے، اس خواہش کا ظہور نا ممکن تھا،

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

(۱) بذاتِ خود یقین، عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے، فلسفہ و حکمت، بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے، جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ماہیت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ نہین ہے،

(۲) یقین کی بنیاد عقلی و نقلی تمام چیزون مین، یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع و مؤیدات کا وزن ہے،

(۳) ان بنیادی اسبابِ یقین کی تعمیر تمامتر ان جذبات، و معتقدات اور مزعومات و مفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے، جو کسی شے کے قبول و یقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس مین جاگزین ہوتے ہیں،

لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین وقبول کے لئے کس قسم کے معتقدات کی نفس مین پہلے سے موجودگی لازمی ہے،

غایتِ معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہین

اوپر آغازِ کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جاچکا ہے اُس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہین ہی البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے، غیب پر ایمان رکھتا ہے، اور اس سنتِ الٰہی کا معتقد ہے کہ بندون کی ہدایت ورہنمائی کے لئے خدا انہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری وباطنی کمالاتِ اخلاقیہ واوصافِ حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانون سے برتر نظر آتا ہے، تو اُس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے، اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزنما واقعہ ظاہر ہوتا ہے، یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ذوقِ ایمان کی تقویت ہوتی ہے، اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لئے ایک معنی کر کے معجزہ براہِ راست خود نبوت کی نہین، البتہ مدعیِ نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے،

معجزہ کی اصلی غایت،

اس دلیل یا آیت کی جو غرض وغایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یون سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمامتر اسرار وغیوب پر ہے، سب سے بڑا سر یا غیب ملکہ

غیب الغیب تو خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر و نشر، جن و ملک، وحی و الہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں، نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط و علائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے، یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لئے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے، اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے،

لیکن اگر کوئی شخص غیب پر ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیقِ نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے، اور نہ آیت، کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے، کہ پہلے آدمی نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے، اور وہ ہدایتِ خلق کے لئے انبیاؑ کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے، جو آدمی نقطہ، خط یا سطح وغیرہ مبادیِ اقلیدس ہی کا قائل نہیں، اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو، جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لئے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے، اسی طرح تفصیلاتِ مذہب پر یقین کرنے کے لئے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے،

مل نے ہیوم کے انکارِ معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے، اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا

خارق عادت باتون کی روایت کی جائے، تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا، معجزات سے خود خدا کا وجود نہیں ثابت کیا جاسکتا، اس لئے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجزنما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، . . . . یہان تک توہیوم کی دلیل بامعنی کہی جاسکتی ہے، لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر بھی مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے، اور اس لئے اس مین تغیر و ترمیم بھی کرسکتی ہے، تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہوجاتی ہے، اجب ہم خدا کو مان لیا، تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا، اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل واثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ "امکان" بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت مین سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے، اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت مین اس کی سنت عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیے[1]

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب

[1] دیکھو Three Essays on Religion (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ رشناسک پریس صفحہ ۹۰، نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲ اسی مین مل نے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا ہے، وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہین کہا جاسکتا، پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ مین مانع یا عائق نہ ہو، تو اس صورت مین اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا مین معلق رہنا بیشک خلاف فطرت ہوگا، لیکن اگر اس کو بیچ مین کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے، معجزہ کی صورت مین جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلۂ علل و اسباب کا خالق ہے، وہی اس کے عمل سے مانع ہوجاتا ہے، لہذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت، کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو، اور یہان موجود ہے،

(خدا و مذہب) پر ایمان رکھتا ہو، اس کے بعد اب دیکھو کہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوعِ معجزہ کی مختلف صورتین یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں، جزئی شقوق، یا فرعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پڑ ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتین نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا مین اشارہ کیا ہے،

پہلی صورت — یہ ہے کہ خدا نے کارخانۂ عالم چلانے کے لئے کچھ اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے، اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنّتِ جاریہ مین کبھی کسی حالت مین کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتا، بقول اسپنوزا کے کہ "خدا کی خدائی اور اُس کی حقیقی عظمت و حکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، قدرتِ خداوندی کے معنی یہی ہین، کہ کارخانۂ فطرت اپنے ازلی و اٹل قوانین کا تابع ہے"[1]

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی انہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیئے، جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگون کو علم نہین ہوتا، اور اس لئے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے، بظاہر لوگون کو معجزہ نظر آتا ہے، مثلاً جس وقت تک عملِ تنویم کے نفسی قوانینِ فطرت کا انکشاف نہین ہوا تھا، عصائے موسوی کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والون کے لئے کرسی کا شیر

---

[1] اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اس کا مجموعۂ تصنیفات Spinoza's
Works - جلد اوّل باب ۶ بحث معجزات،

بن جانا فطری واقعہ ہے، اور عصائے موسیٰ کے اژدہا نظر آنے کی بھی اسی توجیہ کی جاسکتی ہے،

لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ کے عہد مین یہ واقعہ معجزہ نہ تھا، اس لئے کہ اُس زمانہ تک معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس مین ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا، اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا، لہذا اس سے نبی کی تصدیق کا جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے، نفس مین میلان پیدا ہوسکتا تھا، جیسا کہ ساحرون کے نفس مین پیدا ہوا، انھون نے حضرت موسیٰ کے نبی ہونے کی تصدیق کی،

البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے، تو وہ اُس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں، اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل مین پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیاے سابقین کے زمانہ میں اُن کے معجزات کی توجیہ سے اُس وقت کا علم عاجز تھا، یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے، مثلاً شق قمر، لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات مین اگر تھوڑی سی تیاسی وسعت اور پیدا کرلی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہوسکتی ہے،

کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمامتر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثیر و تاثر کم و بیش ہر انسان مین موجود ہے، جس کی ادنی مثالین ہم کو روزانہ کی معمولی

زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے"! جس کے یہی معنی ہین کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع و اطوار سے اثرپذیر ہوتا ہے، نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید یہی نامحسوس تاثر ہے، جس قدر کسی شخص کی قوتِ ارادی یا قوتِ تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر زیادہ دوسرون پر اثر ڈال سکتا ہے، دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے، ان کے صرف کہنے کا لوگون پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسرون کے دلائل و براہین کا نہیں پڑتا، اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں، انھون نے جس درجہ کے امرا و اعیان ملک سے چرخہ کتوالیا ہے، اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریرون سے جس طرح اس کی خوبیون کا یقین ہزارون لاکھون انسانون کے دل مین پیدا کر دیا ہے، وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے، ورنہ ملک مین ان سے زبردست خطیب، انشا پرداز اور منطقی سیکڑون ملین گے، لیکن اثرآفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل مین نہین ملتا، غرض اثرآفرینی[1] کی یہی قوت ہے جس کو عاملِ تنویم مشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو حسین عورت بنا دے سکتا ہے،

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس مین اتنی توسیع کا حق حاصل ہو کہ ماہرین تنویم

---

[1] انگریزی مین اس اثرآفرینی کیلئے، Suggestion کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالون سے سمجھنے کے لئے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب "نفسیاتِ اثرآفرینی" (The Psychology of Suggestion) کی طرف رجوع کر سکتے ہیں،

یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوتِ اثر آفرینی کے مقابلہ مین انبیاے کرامؑ کی روحانی قوتِ تاثیر و نفوذ کا مرتبہ کہین زیادہ اعلیٰ وارفع ہوتا ہے، اور اس لئے وہ اُن سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگون کے دل مین پیدا کر دے سکتے ہین، عاملِ تنویم، اثر آفرینی کے لئے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات وسکنات یا الفاظ وخطاب کا محتاج ہوتا ہے، اور اُس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے، لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوتِ تاثیر کے لئے صرف باطنی ارادہ کافی ہو سکتا ہے، اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہو سکتا ہے،

البتہ یہان ایک وسوسہ دل مین پیدا ہوگا، جس کا دور کر لینا ضروری ہے، وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہون گے، اُس کی حقیقت ایک طرح کے سحرِ نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہین ہے، یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے، اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی وحقیقی شے کی صورت مین نہین ہوتا،

بعض وسوسون کا جواب،

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے، اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہو گا کہ وہ غایت بہر نوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہٖ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہان بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس صورت مین پھر نبی اور عاملِ تنویم یا ساحرین کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گذر چکا ہے، کہ معجزہ بجاے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہین ہے، بلکہ جس شخص مین ظاہری وباطنی کمالات یعنی اصل خصائص نبوت

و اوصافِ حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادۃ حد تک مجتمع ہوتے ہیں، اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کام دے سکتا ہے، اور جس شخص پر نبوّت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی مؤثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا، جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ "ھٰذَا سَاحِرٌ کَذَّابٌ" "اِنَّ ھٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِیْمٌ" "قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" "وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ"[۱]

لیکن اس وسوسہ کا دکہ توجیہِ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود

---

[۱] متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہلِ تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے، بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء و اولیاء اپنے نفس کی قوتِ معجز نمائی کو مقاصدِ خیر کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور ساحر مقاصدِ شر کے لئے (سفینۃ الراغب ص۱۱۱)

مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہمِ قرآن کی سعادت حاصل ہو، وہ بھی "لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُوْنَ" سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوتِ سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لئے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا، بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے،

لیکن "لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی" کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے، تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے، جیسا عصائے موسیٰؑ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا، اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو، ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آجاتا ہے، باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے، یہ تو فنِ سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے، جیسا کہ تمام فنی حقائق میں ہوتا ہے، اور جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا،

کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے، تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیون کی آخری عدالتِ مرافعہ ہے، مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزون کا ہے، بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے، اور اساطینِ فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ "عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے" حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے، باقی دریا، پہاڑ، چاند، سورج، زمین و آسمان، جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمھارے ذہن ہی کے اندر ہین، مادہ اور عالم مادی محض ایک "وہم و گمان" ہے، اس جماعت نے عالمِ خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزون کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں، جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے، اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتون باتون میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ "جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گمان ہمارا" لہذا جس ذات یا قوت نے ہمارے ذہن مین عصائے موسوی اور ثابت و مسلّم قمر کا تصور پیدا کیا تھا، اُسی نے اگر تھوڑی دیر کے لئے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شقِ قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونون کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا،

سائنس، جس کا جذبۂ مادہ پرستی دلائل سے لاجوابی اور خود مادہ کو غیر مادی و غیر جوہری

لہ مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح و تشریح کی گنجائش یہان نہین نکالی جاسکتی البتہ دورِ جدید مین تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو مین منتقل ہوچکا ہے، جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں، وہ تو اسکی اصل کتاب "مکالمات" و "مبادی" کا مطالعہ کر سکتے ہیں، عام لوگ شاید برکلے اور اسکا فلسفہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکین (مطبوعہ دارا لمصنفین)

کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں، اور اس نازعنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے، وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے، جس کو مادہ نامی کوئی نامعلوم شے" ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے، اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں، جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں، اس کے حقیقی و واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں، تو پھر کیا ضرورت ہے، کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی و واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں،

ایک اور اعتراض

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر و تنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے، لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے، جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبیعی و مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول خیال کیا جاتا ہے، جس کا ظہور معجزہ کے وقت تک عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا، یہ اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے، فرض کرو کہ شقِ قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو، یا کیمیاوی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزا کو باہم ملحق کئے ہوئے ہے، کوئی ایسا مادی قانونِ دفع و افتراق ہو، جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں، ان دونوں صورتوں میں شقِ قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و علل کا انکشاف

نہیں ہوتا، لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے، اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا، تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا، لیکن اب معمولی بات ہے، بے شبہہ اس معنی کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمالِ اضافیت سے خالی ہو، کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے، اگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانینِ فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابد الآباد تک کسی قانونِ فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہیئے، لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمالِ اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعیِ نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے، کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو، لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علمِ ہیئت کے انکشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے، (دیکھو اوپر صفحہ ۱۷۳-۴)

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانہ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے، لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کے لیے اس "سنتِ جاریہ" میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے، خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو، یا اس کا منشا براہِ راست ارادۂ الٰہی ہو، اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر

نظام کا پابند ہو، اسی طرح "بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہین کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہین بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے[1]" ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لئے بھی ارادۂ الٰہی کی براہِ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا،

اس صورت کے مختلف احتمالات، صورتِ مداخلت کے ان احتمالاتِ ثلٰثہ مین اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہین کی جاسکتی، تاہم جو موٹا سا فرق کیا جاسکتا ہے، اُس کو مثالون سے سمجھ لینا چاہئے۔

(۱) عام قانونِ فطرت یہ ہے، کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہین پیدا ہوتا، لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحمِ مادر مین داخل ہوتا ہے، اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کردے، جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم مین پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصالِ جنسی لڑکا پیدا ہوسکتا ہے، اور مداخلتِ خداوندی کی یہ صورت فطرت مین ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی، ممکن ہے، کہ "ولادتِ مسیح" مین خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو،

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہوسکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزا جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس مین پیوستہ ہیں، اس مین سے صرف اُس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجبِ اتصال ہے، تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کرلے جس سے شقِ قمر کا معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے،

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے، کہ کسی مادّی واسطہ کا حذف و اضافہ کئے بغیر براہِ راست خدا نے صرف ارادہ "کن فیکون" سے قمر کو شق اور مسیح کو پیدا کردیا ہو،

[1] دیکھو ص ۱۲۵

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے، بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجایش نہیں، اس لیے کہ تنویم کا عمل اسکے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے، اور معجزات مین انبیاء علیہم السلام کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا، اسی لیے وہ وہ فرمایش و تحدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار مین ہین" (انما الآیات عند اللہ۔ انما الآیات عند ربی) اور رسول اگر ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے، تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم و اذن ہی سے خود کسی رسول مین ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے" (ما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ) اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ اپنے عصا کو سانپ کی صورت مین ظاہر فرما کر خود اسی سے کیون ڈرتے اور اس کے پھر عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ راست اپنی طرف کیون منسوب فرماتا کہ "ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دینگے" لاتخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ۔

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ مین ہیں، لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ مین اہون ہے، لہذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستون پر اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لئے ہیں، جو بچون کی طرح مٹھائی (عقل) کا نام لئے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہین ہوتے، اور جن کی عقل عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی

نارسائی تک بھی رسائی نہیں پاسکے ہیں،

درن اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانۂ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے، یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمامتر بالذات و براہِ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہی فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لئے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہان کہین جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے، وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی و کارفرمائی کے مظاہر ہین، اور فلسفہ و تصوّر کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ مین خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس و روح یا انا و ایغو سے تعبیر کرتے ہیں، باقی مادہ و طبیعت یا مادی و طبعی عوامل و قوانین کی ساری تعبیرات و اصطلاحات دفترِ بے معنیٰ ہیں،

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ۔۔۔۔ ورنہ کچھ بھی نہین اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنسدانون کے نام سے مرعوب ذہنون اور عقلون کے لئے خصوصاً لائقِ توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیّت یا طبعی عوامل و قوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی، وہ خود نئی طبیعیات ہی مین برف کی طرح پگھل رہی ہے "اب ازلی و غیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں، تا ئم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہین تسلیم کیا جاتا، وہ اب عملاً برقی توانائی یا برقیات مین گم ہو کر رہ گیا ہے[1]" لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے کوئی نہین جانتا یہی نہین

[1] ڈرن بلیفار (مقدمہ)

بلکہ مادہ کو کسی معنیٰ مین بھی موجود جاننے کے لئے عام انسانی ذہن و دماغ کے لئے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان مین) موجود ہے، لیکن نظریۂ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا،

"مادہ جو ہماری عام عقل و فہم کے لئے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا..... اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیرون ڈلون یا ایسے مادی جوہرون کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان و مکان مین ادھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے تھے"[1]

"اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطۂ نظر سے برپا ہوا ہے، وہ صحیح معنیٰ مین اسی واقعہ کا نتیجہ ہو کہ مادہ اور زمان و مکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہین قرار دیئے جاتے"[2]

ایک عامی آدمی عریان الفاظ مین اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہی نہ کسی وقت مین یعنی نہ کسی مکان مین نہ کسی زمان مین، تو پھر "ہے" کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیون کو سچ پوچھئے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان و مکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت مین یا زمان و مکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ "ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریبًا عدم تک پہنچا دیا ہے"[3] اور یہ تو بہرحال واضح ہو گیا ہے، کہ کائنات کو کوئی مشین نہین قرار دیا جا سکتا، پرانی مادیت دفن ہو چکی ہے، یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا محض ایک مادی تصور رکھتی تھی

---

[1] ماڈرن بلیف - مقدمہ صفحہ ۱۵ [2] ایضًا صفحہ ۱۴۳ [3] ایضًا،

اسی طرح سائنس و ریاضی کے چھر دکون سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانگنے لگی ہے حتیٰ کہ[۱]

"سائنسدانون کو طبعی کائنات مین کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو مین
معلوم ہوا ہےکہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی، تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب و غریب شئے
ہوگی جو کبھی خواب و خیال مین بھی نہ آئی تھی، ایڈنگٹن نے نظریۂ اضافیت کے ضمن مین لکھا ہے
کہ اگر مین غلطی نہین کرتا تو طبیعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچکر ہم نے
خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے، اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر
مین تحلیل کرنا پڑی ہے، جو صراحۃً "ذہنی" (SUBJECTIVE) ہین، اگر خارجی دنیا کو جاننے
مین ہمارے لئے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود دانی (SELF-KNOWING)
شعور کے مسئلہ مین جہان "ذہن و خارج" (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقۃً ایک ہو جاتے ہین،
اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہین زیادہ مشکل ہوگا۔"

غرض فلسفہ کے بعد سائنس مین بھی ہوا کا رُخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف
جا رہا ہے، کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیان بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیان نہین
بلکہ ذہن و شعور کی کارفرمائیان ہین، اور خالص سائنسدان نہ سہی لیکن سائنسدان فلسفی کی
حیثیت سے سر جیمس، جیانس، ماکس، پلانک، شروڈنگر، آئینسٹائن وغیرہ جیسے رجالِ سائنس کا
تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے، اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں،
جیسا کہ سر جیمس جیانس کا صاف اعتراف ہے کہ "میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے،
کہ اساسی و بنیادی حقیقت شعور ہی، اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے۔" (ماڈرن بلیف ص ۵۳)

[۱] ماڈرن بلیف مقدمہ ص ہ

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمۂ کائنات کے سوا کیا ہے، اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو پھر معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے۔ عقل و دانش کی بات تو بس وہی الہ آبادی عارف اکبر کی ہے کہ

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ۔۔۔۔ ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقینِ معجزہ کے شرائط | غرض یقینِ معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے، اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ "پہلی صورت" ممکن ہے کہ وہ عام قوانینِ فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں، اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) "دوسری صورت" بھی قابل قبول ہے۔ انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹانلی جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب "اصولِ سائنس"[۲] کے نام سے لکھی ہے، جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ

> "اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں، ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے، وہ یہ کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے" ۔ ۔ ۔ ۔ جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے، وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے، اس قسم کے واقعات ایک معنی

---

[۱] ان مباحث کی کامل و تشفی بخش تفصیل انشاء اللہ فلسفۂ اسلام کے ذیل میں بشرطِ صحت و حیات ملے گی۔

[۲] The Principle of Science (حاشیہ، طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶)

کرکے ہمارے لئے ناقابلِ تصور کیے جا سکتے ہیں، پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابلِ تصور نہین

ہین جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے"

مگر جو شخص اس خالقِ کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سرے سے غیب ہی پر ایمان

نہ رکھتا ہو، اور جو آرنسٹ[1] ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر و

نشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام وخرافات) قرار دیتا ہو، اور جس کے نزدیک "معجزات کا یقین

جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہوگی" تو ایسے آدمی

کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی مین کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے، یا

جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے اس کے عالمِ غیب کے ساتھ رابطۂ و تعلق (نبوت) کی آیت

یا نشانی ہے ؟

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیتِ نبوت

کے یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو، جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا

پیدا ہونا ناممکن ہے، پھر جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو، یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو،

اس کی زندگی "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک

معجزہ ہو، (یہ چیزین خواہشِ یقین کے لئے مؤیدات کا کام دین گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے

مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل مین خصومت و عناد، خودی و خود بینی،

ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانعِ یقین نہ موجود ہون،

---

[1] دیکھو ہیگل کی کتاب Riddle of the Universe (عجائبِ حیات) باب ۲ معجزات،

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمۂ کائنات کے سوا کیا ہے، اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو پھر معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے[1]، عقل و دانش کی بات تو بس وہی الٰہ آبادی عارف اکبر کی ہے کہ

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا — ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقینِ معجزہ کے شرائط | غرض یقینِ معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے، اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ "پہلی صورت" ممکن ہے کہ وہ عام قوانینِ فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں، اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) "دوسری صورت" بھی قابل قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹانلی جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب "اصولِ سائنس"[2] کے نام سے لکھی ہے، جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ

اوپر علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں، ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے، وہ یہ کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے،" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے، وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے، اس قسم کے واقعات ایک معنی

---

[1] ان مباحث کی کامل و تشفی بخش تفصیل انشاءاللہ فلسفۂ اسلام کے ذیل میں بشرط صحت و حیات ملے گی۔

[2] The Principle of Science (حاشیہ، طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶)

کرکے ہمارے لئے ناقابلِ تصور کیے جا سکتے ہیں، پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابلِ تصور نہین ہین جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے"

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور جو آرنسٹ ہیگل[1] (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ کو معجزات (یعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو، اور جس کے نزدیک "معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو جس کا فنا کردینا ہی علم و تمدن کی فتح ہوگی" تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی مین کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے، یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطۂ تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو، جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے، پھر جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو، یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو، اس کی زندگی "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو، (یہ چیزین خواہشِ یقین کے لئے مؤیدات کا کام دین گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل مین خصومت و عناد، خودی و خودبینی، ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانعِ یقین نہ موجود ہون،

---

[1] دیکھو ہیگل کی کتاب Ernst Haeckel — Wonders (عجائب حیات) باب ۴ معجزات،

جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی مین کوئی دلیل یقینِ معجزات پر آمادہ نہین کر سکتی، بالکل اسی طرح ان کی موجودگی مین کوئی دلیل یقینِ معجزات سے باز نہین رکھ سکتی ،

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانون مین تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد مین سو ہے، آج سے چند برس پہلے مغربی عقل وحکمت کے شدید پرستار تھے، اور وجود خدا کا اُن سے اقرار کرانا، اس لئے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور ہکسلے وہیگل کی تحقیقات سے نہین ثابت ہوا تھا، قرآن مین اُن کے نزدیک علم النفس کے بیسیون وقائق مرعی تھے، اور اس کا پیش کرنے والا (پیغمبر اسلام علیہ السّلام) سکندر، سیزر، سقراط، اور نپولین وغیرہ قائدینِ عظام ومصلحینِ عالم کی صفِ اوّل مین اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیاتِ قرآنی کو بہ حیثیتِ کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا، یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارمِ اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت مین بیان کیا جاتا تو وہ "جواب جاہلان" کی با تمکین "خاموشی" یا زیادہ سے زیادہ ایک "خندۂ تحقیر" کی سزاوار تھی، ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم مین روایاتِ معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھر سکتی ہے، کہ وہ محض اپنے رُواۃ کی خوش اعتقادیون یا جاہلانہ عجائب پرستیون کا مجموعہ ہین،

لیکن ادھر اُن کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے، کہ عقلیاتِ مغرب کا سارا طومار اُن کے نزدیک "صد کتاب وصد ورق در نار کن" سے زیادہ کا مستحق نہین ہے، قرآنِ کریم "وقائق نفسیہ" کی جگہ "حقائق الٰہیہ" کا منبع بن گیا ہے، "سیرت نبویہ" کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے، جو زیان جیمس اور ونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان

رہتی تھی، اُس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگانِ دین کے مناقب، کشف و کرامات اور مسائل تصوف کے ذکر مین ملتی ہے، حتی کہ دورِ اول کے "ناصح احباب" کو اب خود ان پر مغشوشِ اعتقادی کا گمان ہونے لگا ہے،

اس قلبِ ماہیت کا نتیجہ یہ ہے، کہ انبیاے عظام علیہ السّلام کا تو ذکر ہی کیا، ملک کی موجودہ تحریکِ ترکِ موالات کا نتیجہ یہ ہے، کہ انبیاے عظام علیہم السّلام کا تو ذکر ہی کیا، ملک کی موجودہ تحریکِ "ترکِ موالات" کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی اُنکو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتی ہے، انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتین منسوب کیجاتی ہیں[1]، ان مین ایک مشہور واقعہ بعض درختون سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا، میرے یہ دوست بھی اس کو تائیدِ غیبی کی ایک نشانی سمجھنے مین شریک تھے، مین نے کہا کہ "کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں"، کہا "اس سے کیا ہوتا ہے، خدانے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی"!

شہر اللطیقین دعایتِ معجزات کے مقدماتِ بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستانِ عرب کے اس اُمی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو، جس نے ساڑھے تیرہ صدی اُدھر کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا،

اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہموطنون کی طرف سے اس کے لئے امین کا لقب حاصل کیا تھا، اس کی راست گوئی دوست و دشمن سب کو یکسان تسلیم تھی، حضرت خدیجہؓ جن کو پچیس برس تک آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، [illegible]

[1] یہ تحریر گذشتہ موالات کے شباب کے زمانہ مین لکھی گئی تھی، اسوقت اس طرح کی بہت سی کرامتین بانی ترکِ موالات کی زندگی اور اوصاف کے متعلق ملک مین پھیلی تھین،

آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ "ہرگز نہین، خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلہ رحم کرتے ہین مقروضون کا بار اٹھاتے ہیں، غریبون کی اعانت کرتے ہیں، مہمانون کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتون مین لوگون کے کام آتے ہیں"۔

اس "اپنے پرائے کے غمخوار" کی دعوت صرف یہ تھی، کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے، اس دعوت سے باز رکھنے میں "روساے قریش" جب ہر قسم کی تدبیرون سے تھک گئے تو انھون نے آپکے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ، اور حسن کی دولت پیش کی، اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا، "جس کا جواب اولوالعزم من الرسل کی زبان سے فقط یہ ملا کہ "چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ مین سورج اور بائین ہاتھ مین چاند رکھدین تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤنگا"، نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، یعنی حق کامیاب ہوا، لیکن کیا اس کامیابی سے داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا؟

مسجد نبوی کے صحن مین آپؐ کے سامنے مالِ غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے، مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی یہ تھی کہ "آپؐ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے"۔ "کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اس مین رات کو چراغ نہین جلتا تھا"۔ "کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے"۔ "گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑون مین پیوند لگاتے، گھر مین خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، اونٹ کو اپنے

ہاتھ سے باندھتے، اُس کو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے" حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھین جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھون مین چھالے پڑ گئے تھے، بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے، لیکن با این ہمہ جب انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپؐ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقرا و یتامیٰ کا حق ہے۔"

اتنا ہی نہین کہ آپ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے، بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائین پہنچاتے تھے، گالیان دیتے تھے مگر "رحمۃ للعالمین" کا ہاتھ اُن کے حق مین بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لئے اٹھتا تھا، اور اُن کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے، راہ مین کانٹے بچھا دیتے تھے، نماز پڑھنے مین جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے، ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنون کے بل گر پڑے" یہ سب کچھ تھا لیکن دعوتِ حق، نوعِ انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبۂ تزلزل جاری تھا،

کیون؟ اس لئے کہ آپ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان، ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد، اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوعِ صبح کا یقین ہوتا ہے، کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آکر ابو طالب سمجھاتے ہین کہ "جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو" آپ فرماتے ہیں کہ "عمِ محترم!

میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا، عجم وعرب ایک دن اس کے ہاتھ ہوگا۔" کفارِ قریش بہ نیتِ قتل، کے ساتھ آپ کے تعاقب میں نکلے ہیں، غارِ ثور جس میں آپ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ "رفیقہ فی الغار" حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔" آپ نے فرمایا کہ "لاتحزن ان اللہ معنا" غم نہ کر، خدا ہمارے ساتھ ہے۔" ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے، کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی، اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہشیار ہو گئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ "اے محمدؐ اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟ ایک پُراطمینان صدا آئی کہ "اللہ" کیا تشنگانِ ایمان کے لئے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی اُن کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصوّر کر سکتا تھا، اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ پکار اٹھے کہ لیس ھذا بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے، اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا، تاہم "سیرۃ النبی" کے گذشتہ دو حصوں میں (جہاں سے) چند منتشر قطرات کیے گئے ہیں، انسانی ہاتھ سے جو ناتمام مرقع کھچ سکا ہے، اُسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو، کہ کسی پیکرِ بشری کے اندر "انک لعلیٰ خلقٍ عظیم" کی اس "جامعیتِ کبریٰ" کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا جا سکتا ہے

کیا جاسکتا ہے،

ایسی اعجاز مجسم، جامع ہستی کے متعلق "جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو، اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو، اور گدائے بینوا بھی، فرمانروائے جہان بھی ہو اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی" جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل مین مصروف ہو جس کے پاؤن رات رات بھر نماز مین کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہون" اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو، تو اُس شخص کو اُس کے یقین و قبول مین کیا تامل ہو سکتا ہے، جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے،

لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو، یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو (انا ربکم الاعلیٰ)، یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو، اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے، کہ "سحر مستمر"،

یہی راز تھا، کہ سیرت نبویہ کے سارے دفتر مین بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگون نے رسالت کی تصدیق کی ہو، بلکہ عہد رسالت کے ہزارون ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا، اور جن کے لئے "روے و آواز پیمبر" ہی اصل معجزہ تھا، گو آج ظاہری روے و آواز ہم سے مستور ہے، لیکن معنوی آواز قرآن اور حقیقی "روے پیمبر" سیرت طیبہ ابداً آباد تک ذوق ایمان رکھنے والون کے لئے معجز نمائی کرتی رہے گی،

صلی اللہ علیہ وسلم

لُبِّ لُباب

گذشتہ مباحث کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ

(۱) معجزہ نام ہے پیمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقتِ ظہور عام علل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے،

(۲) ایسے واقعات بذاتِ خود عقلاً ناممکن نہین، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز" یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہی، اس لیئے بظاہر اُن کے قبول کرنے کے لئے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے،

لیکن در اصل یہ استبعاد ایسا نہین ہوتا جس کی کافی مثالین تمام زندگی مین بھی نہ ملتی ہون، اور جن کے قبول کے لیئے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہین کیا جاتا،

لہذا یقینِ معجزات کے لئے بھی معمولی درجہ کی قابلِ اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہی،

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزون سی نہین پیدا ہوتا، بلکہ اس کا دارومدار زیادہ تر یقین کی خواہش، اور اسکے موانع و مؤیدات پر ہے، جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گذشتہ معتقدات اور معلومات سے ہوتا ہے،

(۵) یقینِ معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے "ایمان بالغیب پر"

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابو جہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہین ہین، ساتھ ہی ساتھ مدعیِ نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجاے خود اس کی نبوت کی مؤید ہے، تو معجزہ (بمعنی خارقِ عادت) کا کیا ذکر ہے، خود پیمبر کی اُدا اور صورت ہی معجزہ ہے،

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است　　　روے و آوازِ پیمبر معجزہ است

آیات ودلائل

اور

قرآن مجید

انبیاء اور آیات ودلائل گذشتہ صفحات مین جو کچھ پھیلایا گیا ہے، وہ انسانی افکار وخیالات کی جہان تک دسترس ہے، اس کی تشریح ہے لیکن مسلمانون کے نزدیک ہدایت وارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس لئے آیات ودلائل کی نسبت اخیر فیصلہ اسی کی عدالت مین ہونا چاہیئے، قرآن مجید مین اکثر انبیاؑء کے سوانح وحالات کے ضمن مین ان آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے، جو ان کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیات ودلائل انبیاؑ کے سوانح کا ضروری جزء ہیں، خصوصاً حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن مین بیان ہوے ہین کہ نزولِ قرآن کے وقت انہی دونون انبیاؑ کی امتین عرب مین موجود تھین، اور ان ہی کے سامنے اسلام اپنے دعوون کو پیش کر رہا تھا،

قرآن مجید مین جن انبیاءؑ کا تذکرہ ہے، ان مین سے کم وبیش حسب ذیل انبیاءؑ کے آیات ودلائل بیان ہوے ہین، حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یونسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین، بعض ایسے انبیاؑ بھی ہین جن کے آیات ودلائل کے ذکر سے قرآن

خاموش ہے، مثلاً حضرت اسحٰقؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، ذوالکفلؑ، الیسعؑ، وغیرہ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا، کہ اُن کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل نہین عطا ہوئی تھی، صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ مین ہے، کہ آپ نے فرمایا،

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من الآیات ما مثلہ آمن علیہ البشر	ہر نبی کو کچھ ایسی باتین دی گئین جسکو دیکھکر لوگ اس پر ایمان لائے،

البتہ انبیاے کرامؑ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل اُنہی انبیاؑ کو مرحمت ہوے، جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا، اور ضرورت بھی انہی کو تھی کہ ان کے عناد و انکار کا وہ اُن کے ذریعہ سے جواب دے سکتے، باقی وہ انبیاؑ جو اپنی جماعتون مین صرف تجدید و اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے، اُن کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی، کہ اُن کی جماعتون نے اُن کی دعوت کے مقابلہ مین عناد و انکار کا اظہار نہین کیا تھا،

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل

قرآن مجید نے انبیاؑ کے اُن معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى (قصص ۴)	جب موسیٰؑ ان کے پاس ہماری آیات لیکر آئے تو انھون نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے،
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف ۱۶)	توہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جون، مینڈک، اور خون کی کھلی ہوئی آیتین بھیجین،

¹ کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم،
² کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم الی جمیع الناس و نسخ الملل بملتہ،

فرعون حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے،

اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ	اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ، اگر تم
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا	سچے ہو، موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ دفعتہ
هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ، (اعراف ۱۳)	صاف سانپ بن گئی،

کفار معجزہ طلب کرتے ہین تو اُس کے جواب مین ارشاد ہوتا ہے،

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام ۱۳)	آیتین تو خدا ہی کے پاس ہیں،
اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت ۵)	آیتین تو خدا ہی کے پاس ہیں،

کفار کہتے ہین :-

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ	چاہئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں جیسے
(انبیاء ۱-)	پہلے پیغمبر بھیجے گئے،

حضرت صالحؑ اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں :-

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (ھود ۶)	اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے،

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت، آیت کے معنی "نشانی" اور "علامت" کے ہین، اللہ تعالیٰ نے انسانون کو علم و احساس کے جو ذرائع عطا کئے ہیں، وہ حقیقت مین صرف آیات و علامات کی شناخت اور یاد ہے، دنیا مین جس قدر چیزین ہیں تم اُن کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہو؟ صرف آیات و علامات سے، کلیات سے لے کر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیون کو دیکھ کر ہم جانتے ہیں، کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے یہ سیب ہے

یہ انگور ہے، لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں، وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہو گئی ہیں، اور اب انہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے، ہم پہچانتے ہیں، کہ یہ زید ہے، یہ عمرو ہے، یہ میرا عزیز ہے، یہ میرا گھر ہے، یہ میرا گھوڑا ہے، مگر یہ تمام شناختیں آیات و علامات ہی کی مدد سے ہیں، اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات و علامات مٹا دی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں،

یہی آیات و علامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان و انسان اور عقلمند و بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے، جس میں ان آیات و علامات کی شناخت، تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا، ہماری منطق کا تمامتر استدلال بجز آیات و علامات کے اور کیا ہے، ہم اپنے جس دعوی پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ انہی آیات و علامات کی مدد سے کرتے ہیں، بلکہ ہمارے تمام تجربے اور مشاہدے بلکہ طبیعیات، کیمیائیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ہندسیات، ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں، وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں، جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں، اور پھر ہم اُن سے کلیات تیار کر لیتے ہیں،

غرض ہمارا تمام ترفن استدلال دراصل انہی آیات و علامات پر موقوف ہے، اگر اشیا کی علامات و آیات محو کر دی جائیں، تو نہ ہم کسی چیز کو پہچان سکیں گے اور نہ کسی دعوی پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے، ہم علت سے معلول پر، اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں، مگر انہی آثار و علامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اس کے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں،

اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ شے پیدا ہو گئی ہے اس لئے اس کا فلان نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا "یہ علت سے معلول پر استدلال ہی، اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہین کہ فلان نشان اور علامت ظاہر ہے اس لئے وہ شے بھی ہی" یہ معلول سے علت پر استدلال ہی کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہین "

ہم کسی غیر آباد میدان مین پہنچ جاتے ہیں، وہان ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہی، اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والون کو نہین دیکھا ہے، مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے، کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے، ایک جنگل مین ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں، کہ اس کے زخم صاف ہیں، مرہم پٹی ٹھیک ہی اُس کے آرام و آسایش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے گو اُس کے تیماردار کو نہیں دیکھا، مگر اس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں، کہ اُس بیمار کا کوئی تیماردار ہے، اور وہ نہایت رحم دلی سے اُس کی دیکھ بھال کر رہا ہے، ایک شخص آکر کہتا ہے "مین طبیب ہون" اُس کے پاس جو مریض آتے ہین وہ اُس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں، اب گو ہم نے اُس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہین دیکھا، مگر اُس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اُس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فن استدلال ہے، اور اسی پر ہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے،

آیات اللہ قرآن مجید مین آیت کا لفظ اس معنی مین اس کثرت سے آیا ہے، کہ ہم یہان اُن کا استقصا بھی نہین کر سکتے، صرف متفرق سورتون سے چند آیات یہان نقل کرتے ہیں، جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی،

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ	آسمانوں میں اور زمین میں ایمان والوں کیلئے
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ	نشانیاں ہیں اور تمہاری پیدائش میں اور زمین میں
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ،	جو چوپائے چلتے ہیں ان میں ان کے لئے جو یقین
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ	کرتے ہیں نشانیاں ہیں، اور رات دن کے الٹ
اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ	پھیر اور آسمان سے خدا جو روزی برساتا ہے اور
فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ	جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور
تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ	اور ہواؤں کے پھرنے میں عقل والوں کے لیے
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ	نشانیاں ہیں یہ آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کے ساتھ
بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ	پڑھ کر تم کو سناتے ہیں تو پھر خدا اور اس کی نشانیوں
وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ، (جاثیہ - ۱)	کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے،
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ	بیشک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ	کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر انسانوں
فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	کو فائدہ پہنچانے والے سامان لے کر چلتی ہیں اور خدا
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ	آسمان سے جو پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ	کے بعد زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے
وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ	پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانے
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (بقرہ - ۲۰)	میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں،

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا
بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ
مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ
مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا إِلَى
ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي
ذَٰلِكُمْ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ، (انعام-۱۲)

اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے
اس سے ہر چیز کی نشو و نما کو ظاہر کیا، پھر اس سے سبز
پیدا کیے، جس سے ہم تہ بہ تہ دانہ نکالتے ہیں، اور کھجور
جن کے خوشے نیچے لٹکتے ہوتے ہیں، اور انگوروں کے
باغوں کو اور زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو باہم
ملے جلے ہوتے ہیں اور ان میل بھی ہوتے ہیں، ان کے
پھلنے اور پکنے کو دیکھو، ان چیزوں میں ایمان والوں
کے لیے نشانیاں ہیں،

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا
فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ، (یونس-۰)

اس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو
اور دن کو اس نے روشن بنایا، اس میں ان کیلئے
جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں،

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ
أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ
مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ، وَمِنْ
آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ۔

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری
ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم کو ان کے
پاس سکون اور قرار حاصل ہو اور تم دونوں کے
لطف و محبت پیدا کر دیا، اس میں سوچنے والوں
کے لیے نشانیاں ہیں، اور اس کی نشانیوں میں سے
آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش، اور تمہاری زبانوں

اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۔ وَمِنْ	کا اور رنگون کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے،
اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ	اس میں جاننے والون کیلئے نشانیان ہیں، اور
ابْتِغَاۤؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	اسکی نشانیون مین رات اور دن کو تمھاری
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۔ وَمِنْ	نیند ہے اور تمھارا اُس کی مہربانی (روزی)
اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا	کی تلاش کرنا ہے، اس میں اُن کے لئے جو سنتے
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً فَيُحْيٖ بِهِ	ہیں نشانیان ہیں، اور اُس کی نشانیون میں سے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ	یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس میں (عذاب کا)
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ وَمِنْ	خوف اور (رحمت کی) امید دونون ہیں، اور
اٰيٰتِهٖ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۤءُ وَالْاَرْضُ	آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کے ذریعہ سے
بِاَمْرِهٖ ؕ (روم - ۳)	زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کردیتا ہے، اس میں
	عقل والون کیلئے نشانیان ہیں اور اُس کی
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ	اور اس کی نشانیون میں سے رات، دن
وَالْقَمَرُ ؕ (فصلت - ۵)	سورج اور چاند ہیں،

نشانیون میں سے یہ کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

یہ آیات اللہ یعنی خدا کی نشانیان، خدا کے وجود اور اُس کے صفاتِ کمالیہ کے علامات ہیں، جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو، اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اُس کے آرام و آسایش کا اہتمام، تیماردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے، اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان، اور صحن زمین ہے، ایک خالق و صانع کے وجود

کو بتاتی ہے، اور زمین کے اندر و باہر ابر، بارش، دن رات، چاند، سورج، درخت، میوے، پھل، غلہ کے اقسام وغیرہ، زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامانِ آرام و آسایش اس خالق و صانع کے رحم و کرم، عطا و بخشش اور دیگر اوصافِ کمال کو نمایاں کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتنا ہے، کفر انہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو اِن آیاتِ الٰہی میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اُن کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آرا ہستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے،

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (ھود۔۵)	اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا،
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (کھف۔۱۲)	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا،
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (یونس۔۱۰)	اور ان لوگوں میں نہ ہو جنھوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا،
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (انعام۔۲۰)	اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا، جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا،

جس طرح یہ آیاتِ الٰہی عام بندہ اور خدا، اور خالق و مخلوق کے تعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات و آیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے،

(۱) انبیا قوموں کے تاریک ترین زمانوں مین نورِ الٰہی کی مشعل ہاتھ مین لے کر تنہا مجمعوں کے اندر آتے ہیں، لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہین، اور تیغ و خنجر سے مشعل کے تھامنے والے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہین، مگر وہ شمعِ الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرۂ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے، اور بالآخر سطحِ ارض کے کنارون تک پہنچ جاتی ہے،

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ	وہ چاہتے ہیں، کہ اپنے منھ سے خدا کے نور کو بجھا دین
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ	اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنے والا ہے گو کافر
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ	اس سے خوش نہ ہون، اسی نے اپنے رسول کو
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ	ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے تا کہ
كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ،	وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے، گو مشرک
(صف - ۱)	اس سے ناراض ہون،

۲- باوجود تمام معاندانہ کوششون اور مخالفانہ جدوجہد کے اس نورِ الٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے، اور اس مشعل گیر دست و بازو مین خدا کی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہے،

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ	اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریان نہین پھینکین بلکہ
رَمَىٰ (انفال - ۲)	خدا نے پھینکین،

قدم قدم پر تائیداتِ الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہین،

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ	ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں
(حجر - ۱)	

(۳) پیغمبر کے صحیفۂ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے، اس کی سچائی اور راستبازی عالم آشکارا، اور دوست و دشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے، حضرت صالحؑ کی نسبت کافرون نے گواہی دی،

يَصَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا	اے صالح! پہلے تم سے بڑی بڑی امیدین
قَبْلَ هٰذَا. (هود-۶)	تھین،

حضرت شعیبؑ کی مخالفت کے باوجود اُن کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گذار ہین،

يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ	اے شعیبؑ! کیا یہ تمھاری عبادت گذاری تم کو یہی
أَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا (هود)	سکھاتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دین جس کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت مین خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہین،

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ	مین نے تمھارے درمیان مدت تک عمر
أَفَلَا تَعْقِلُونَ، (یونس-۲)	گذاری ہے، کیا تم سمجھتے نہین،

(۴) سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت مین، دینِ الٰہی کی نصرت اور اشاعت مین، مخالفین کی شکست اور ہزیمت مین صلحا کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول مین عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہین، جن کو عرفِ عام مین معجزات کہتے ہین،

غرض یہی وہ امور ہین جو خالقِ فطرت اور داعیِ حق کے درمیان رابطۂ خاص اور علاقۂ مخصوص کو نمایان کرتے ہین، اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادۂ الٰہی ہے،

آیات و دلائل کی دو قسمین، ظاہری اور باطنی | تفصیلِ بالا سے یہ واضح ہوتا ہے، کہ آیات اور نشانات

دو قسم کے ہوتے ہین، ایک ظاہری اور مادی اور دوسری باطنی اور روحانی، ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہین، جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں، مثلاً مردہ کا زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیون سے پانی کا چشمہ اُبلنا، بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ، باطنی اور روحانی آیات و دلائل، مدعی نبوت کی صداقت، معصومیت، تزکیہ، تاثیر تعلیم، ہدایت، ارشاد، فلاح اور تائید ہے، اہل نظر اور حقیقت شناسون کے لئے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیان ہیں، باقی ظاہری نشانیان صرف سطحی اور ظاہر بین نگاہون کے لئے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری ہی آنکھون سے دیکھ کر پہچانتی ہیں،

نبوت کی باطنی نشانیان واقعات کی روشنی مین

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیان قرار دی ہیں، اور باطنی نشانیون کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے، اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیون کے طلبگار ہوتے ہیں، آگے چل کر ہم دکھائیں گے کہ قرآن مجید بھی اُن ہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے، یہان واقعات کی روشنی مین یہ واضح کرنا ہے، کہ عہد نبوی میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے، وہ انہی علامات کی تلاش کرتے تھے، چنانچہ اُن لوگون کو بھی چھوڑ دو جنھون نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی، اس عہد کے ان یہودیون اور عیسائیون کو دیکھو جنھون نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہین کی، مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے،

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب مین علامات الٰہی کا رازدان کوئی اور نہ تھا، سیکڑون یہودی مشککانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے، امتحانات لئے، تجربات کئے،

گر اُن کا امتحان وتجربہ کیا تھا، یہ تھا، کہ وہ آپ کے اخلاق کی آزمائش کرتے تھے، صحفِ انبیاے بنی
بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے، ان مین سے
کسی نے آپ سے خارقِ عادت معجزہ کا مطالبہ نہین کیا، کیونکہ انھین معلوم تھا، کہ یہ تماشے بظاہر
اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں، اور یہ خوارقِ نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں، آنے
والے نبی کی بشارتیں اور صفتین توراۃ اور انجیل دونون مین مذکور تھین، لیکن ان مین سے کسی
مین بھی صاحبِ خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا، اس کی صفت نہین بتائی گئی تھی،
بلکہ توراۃ مین اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار
قدوسیوں کے ساتھ آئے گا، اس کے ہاتھ مین آتشین شریعت ہوگی، وہ غریبون اور مسکینون کا
مددگار ہوگا، اور بدکارون کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا، وہ عبادت گذار اور خدا کے
احکام کا مطیع ہوگا، مختون قوم (عرب) مین پیدا ہوگا" انجیل نے بتایا تھا کہ "وہ تسلی کی روح ہوگا
وہ مسیح کی ناممکل تعلیم کی تکمیل کرے گا، خدا کی زبان اس کے منھ مین ہوگی"

سیکڑون یہود ونصاریٰ آپ کی خدمت میں آئے، اور انھون نے آپ کی نبوت
کا امتحان لیا، مگر امتحان کے پرچہ مین مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا، بلکہ عام علمی اور مذہبی
باتون کی نسبت استفسار تھا، قرآن مجید نے اُن کے دو سوالون کو دہرایا ہے، یَسْئَلُوْنَكَ
عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ (کہف) اور یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (بنی اسرائیل) پہلے سوال مین ذی القرنین کا
قصہ پوچھا گیا ہے، اور دوسرے سوال مین "روح" کی حقیقت دریافت کی گئی ہے، ان کے علاوہ
قرآن مجید مین اہلِ کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہین، مگر ان مین سے ایک مین بھی

یہ نہین کہ ہم کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت مین کوئی خارقِ عادت تماشا دکھاؤ، بلکہ وہی سوالات کرتے تھے، جس کو پیغمبر کے علم وعمل، یا تعلیم وتزکیہ سے تعلق تھا، آگے چل کر ایک خاص باب مین ہم نے یہودیون کے امتحانی سوالات جمع کر دیئے ہیں، اُن کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کرسکتے ہو، قرآن مجید مین اُن کا ایک سوال بے شبہہ ایسا مذکور ہے، جس سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی مادی معجزہ کی خواہش رکھتے تھے، اور وہ یہ ہے،

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ	اہل کتاب تجھ سے فرمایش کرتے ہیں کہ تو
عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء)	اُن پر آسمان سے کتاب اُتارے،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودیون کی معجزہ طلبی نہ تھی، بلکہ چونکہ توراۃ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا، کہ اُس کی چند لوحین خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰ کو دی تھین، اس لئے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لئے اُس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے،

اب اس عہد کے عیسائیون کو لو، قیصر روم کے دربار مین جب قاصد نبوی پہنچا تو ابوسفیان کو (جو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے) بلوا کر قیصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو سوالات کئے، وہ حب ذیل ہین،

قیصر۔ مدعیِ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟	ابوسفیان۔ شریف ہے،
قیصر۔ اس خاندان مین کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا ہے؟	ابوسفیان۔ نہین۔
قیصر۔ اس خاندان مین کوئی بادشاہ گذرا ہے؟	ابوسفیان، نہین،

قیصر۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحبِ اثر؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں،

قیصر۔ اُس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں،

قیصر۔ کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں

قیصر۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان۔ ابھی تک تو نہیں لیکن اب جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں،

قیصر۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان۔ ہاں،

قیصر۔ نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان۔ کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ،

قیصر وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان۔ کہتا ہے، کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ تم نے اُس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا کہ اُس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے تم مانتے ہو کہ اُس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے؟ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے،

کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اور اگر یہ سچ ہے تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔"

باوجود طولِ کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات و جوابات یہاں نقل کردیئے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں، ان میں ایک سوال بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ مکہ کا مدعیِ نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارقِ عادت ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیئے تھا،

حضرتِ جعفرؓ نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں، ایُّھا الملک ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جسکی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بُت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے[1]،

نجران کے عیسائی علما جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، تو انھوں نے قرآن کی آیتیں سنیں، مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق اُن سے مباہلہ کرنا چاہا، مگر انھوں نے منظور نہیں کیا، اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہو تو ہم تباہ ہو جائیں گے،

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲

بالآخر سالانہ خراج پر صلح کرلی، دیکھو انھوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا، لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انھوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا،

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی جن کے فضل و کمال، عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر اُن کے حالات و واقعات گواہ ہیں، مگر اُن میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو باطنی علامات کے دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلب گار ہوا ہو، مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں، چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہدات روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں، اگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپ نے بتقاضائے بشریت اُن سے اپنے خوفِ جان کا تذکرہ کیا تو انھوں نے جواب دیا،

واللہ ما یخزیک اللہ ابداً انک	خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کریگا، آپ
لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب	صلۂ رحم کرتے ہیں، قرض داروں کا بوجھ
المعدوم وتقری الضیف و	اٹھاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں،
تعین علی نوائب الحق،	مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق کی مصیبتوں
(بخاری بدء الوحی)	پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں،

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اُس شخص کے پاس جاکر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے، وہ مکہ آئے اور تحقیقِ حال کرکے واپس گئے، اور حضرت ابوذرؓ سے جاکر کہا،

رأيته يأمر بمكارم الأخلاق وكلاماً ما هو بالشعر (مسلم مناقب ابی ذر) | میں نے اس کو دیکھا، وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے اور ایک کلام پیش کرتا ہے، جو شعر نہیں،

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں، جن سے حقیقتِ حال کی تشریح ہوتی ہے اور جن کی تفصیل سے سیرۃ نبوی کی گذشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں،

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی اُن آیتوں کی تشریح ہیں، جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں،

يَاأَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (مائدہ ۳)

اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جن کو تم چھپاتے ہو صاف صاف بیان کرتا ہے، اور بہت سی باتوں کو درگذر کرتا ہے، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی اور قرآن آچکا، خدا اُس کے ذریعہ سے اُن کو جو اُس کی خوشنودی کے پیرو ہیں سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اُن کو اپنے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور

(اہل کتاب کی بہ نسبت آنحضرتؐ کا بیان)

رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)

خدا امیوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا، جو اُن کو خدا کی آیتیں سناتا ہے، اُن کو پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی اُن کو تعلیم

(عرب کی بہ نسبت)

رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آلِ عمران - ١٧)

خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو اُن کو خدا کی آیتیں سناتا ہے اُن کو پاک و صاف کرتا ہے، اور کتاب و حکمت کی اُن کو تعلیم دیتا ہے،

الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ، (اعراف - ١٩)

اس اُمی فرستادہ الٰہی اور پیغامبر کی پیروی کرتے ہیں جسکو وہ توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ اُن کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور بُرے کام سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام کرتا ہے، اور (رسم و رواج کے) جو بوجھ اور بیڑیاں اُن پر پڑی ہوئی تھیں وہ اُن سے دور کرتا ہے،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ (احزاب - ٦)

اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو دانا، گواہ، اور (نیکوکاروں کو) خوشخبری سنانے والا، اور (بدکاروں کو) ڈرانے والا خدا کی طرف اُس کے حکم سے پکارنے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے،

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں، کہ وہ آیاتِ الٰہی تلاوت کرتا ہے، زنگ آلود نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے، لوگوں کو کتاب حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے، اور برائیوں سے روکتا ہے، وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے، وہ قوموں کے

بوجھ کو اتارتا ہے، اور اُن کے پاؤں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے، وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، نیکو کاروں کو بشارت سناتا ہے، بدکاروں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتا ہے، اور اس ظلمت کدۂ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے،

قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں، اُس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝

(بقرہ - ۱۴)

اور جن کو علم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی! اُن سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں کھول کر رکھ دیں (اے محمدؐ!) ہم نے تجھ کو سچائی دے کر نیکو کاروں کو خوشخبری سنانے والا، اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا، اور (تجھ سے) دوزخ والوں کی نسبت باز پرس نہ ہوگی،

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں، اُس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اسکی صداقت کی روشنی تو اُس کا سراپا وجود ہے، اور اہلِ یقین کے لئے اس کی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دی گئی ہیں، اُس کی حقانیت، نیکو کاروں کو خوشخبری سنانا، بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا، اور اس سے انقلابِ انسانی اور نتائجِ روحانی کا ظہور، یہ خود اُس کی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں،

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار

مِنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ (عنکبوت - ۵)

کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اُتریں کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں، اور میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، اُن کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے کتاب اُتاری جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

یعنی خود یہ دعوتِ الٰہی اور پیغامِ ربّانی، آیت و نشانی ہے، اور اہلِ بصیرت کے لئے یہی معجزہ ہے،

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ، (شعراء ۱۱)

کیا ان کافروں کے لئے یہ نشانی نہیں ہو کہ بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں،

یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ ہو کہ ایک اُمّی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علمائے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں، کیا یہ معجزہ جہلائے قریش کی تسلی کے لئے کافی نہیں ہو کہ بڑے بڑے علماء اس کی سچائی کے دل سے معترف ہیں،

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ ، (طٰہٰ - ۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا، کیا ان کو اگلی کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی، اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے،

یعنی گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کے جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کا اُن کا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہے، یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ، معجزے تو نہیں دکھائے جا چکے، کیا یہ نہیں معلوم کہ گذشتہ قومیں معجزات دیکھ کر بھی جب ایمان نہ لائیں، تو اُن کا کیا حشر ہوا،

کفار کا سوال تھا کہ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا — اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے

أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ، (رعد) — کوئی نشانی کیوں نہیں اتری،

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا،

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ — اے محمدؐ! تو صرف ڈرانے والا ہے اور

هَادٍ (رعد - ۱) — ہر قوم میں ایک ہادی گذرا ہے،

مقصود یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں، بلکہ انذار اور ہدایت ہے،

ظاہری آیات اور نشانات لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاءؑ ظاہری آیات اور مادی نشانات سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیاے کرامؑ کی سیریں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں، کہ باطنی آیتوں کے ساتھ اُن کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے، قرآن مجید نے اکثر انبیاءؑ کے سوانح و واقعات کے ضمن میں اُن کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بہ تفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں، یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ کی طرف سے

یہ الفاظ کہے،

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں،

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارقِ عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جن کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں، اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی، حضرت موسیٰؑ کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا، حضرت عیسیٰؑ سے اُن کے حواریوں نے نہیں، بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا، یہی حال دوسرے انبیاءؑ کا بھی ہے، قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے، اور طلبِ معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے،

کیوں نہیں آتی

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۚ (بقرہ-۱۴)

اور جن کو کتابِ الٰہی کا علم نہیں (یعنی کفارِ قریش) کہتے ہیں، کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ ، (انعام-۴)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں

اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ (رعد-۱)	نہیں اترتی،
وَقَالُوْا لَوْلَا یَاْتِیْنَا بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ، (طٰہٰ - ۸)	اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے،

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں، کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے، بعض ناداں یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا، کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے، تو بار بار معجزہ کے لئے اصرار کیوں کرتے، ؟ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے، اُن کو نفس معجزہ مانگنے پر نہیں، بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مصر ہیں، چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے، اور انھیں یہ ہدایت کی گئی ہے، کہ ان خوارق سے انھیں تسلی نہ ہوگی، اُن کو چاہئے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادتمند دلوں کی تسلی اُن ہی سے ممکن ہے،

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوْ تَاْتِیْنَآ اٰیَۃٌ ۭ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ مِّثْلَ قَوْلِھِمْ ۭ تَشَابَھَتْ قُلُوْبُھُمْ	اور جو نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی نہیں آتی، اُن سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح کہا تھا دونوں کے دل ایک سے ہوگئے ہیں،

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ○ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ○

(بقرہ - ۱۴)

ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں، کھول کر رکھدی ہیں، اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سچائی دیکر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا، اور بدکاروں کو ڈرانے والا بناکر بھیجا ہے، اور (جن کو یہ نشانیاں باور نہ آئیں) ان دوزخیوں کی

اہل ایمان ہیں

اس آیتِ کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں، لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو اہل یقین ہیں، اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں، ان کا علاج صرف دوزخ ہے، دوسری آیت میں ہے،

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى، وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ،

(طہ - ۸)

اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا، کیا اُن کے پاس گذشتہ کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی، اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب سے اُن کو ہلاک کردیتے تو کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ ہم

تیری نشانیوں کی پیروی کرتے

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر، گذشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں، متوجہ کیا گیا ہے، کہ دیکھ لو، دنیا میں اُن کا کیا حشر ہوا جنھوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا،

معجزات تو بہرحال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں، اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے، تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو، اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشاگر کی حیثیت اختیار کرلے، اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ○ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ (عنکبوت - ۵)	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اُس کے پروردگار کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں کہدو کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں، میں صرف کھلا ہوا ڈرانیوالا ہوں کیا اُن کو بس نہیں کرتا کہ ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری جو اُن کو پڑھ کر سنائی

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی،

نفسیاتِ انسانی کا خاصہ ہو کہ جب کسی کی طرف سے اُس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں، تو وہ اُس کی کسی بات کو حُسنِ ظن پر محمول نہیں کرتا، اور اُس کو اُس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح بُرہان بھی اُس کے دل کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کرسکتے، معاندین جو انبیاء کے مکارمِ اخلاق، حسنِ تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینات کو باور نہیں کرتے، اور اُن کے کھلے اور بدیہی دعووں کو بھی تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، اور ہر قسم کی دلیلوں کے سُن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے، تو آخر اجمل کے طور پر وہ پیغمبروں سے

خارقِ عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں، اور چونکہ انھیں بد گمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب و غریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لئے وہ کبھی کوئی خارقِ عادت امر پیش نہ کرے گا، اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائیگی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے، لیکن قدرتِ الٰہی آخری حجت کے طور پر اُن کے سامنے معجزات اور خوارقِ عادت بھی پیش کر دیتی ہے تاہم اُن کو دیکھ کر بھی معاندانہ روح، اُن کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی، اور بد گمانی انھیں یہ بتاتی ہے کہ گو اس خارقِ عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کرشمہ نہیں، بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے، اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس لئے اُن کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی،

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو متعدد معجزے دکھائے، مگر ہر ایک کے جواب میں انھیں یہی سننا پڑا کہ "تم جادوگر ہو"

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ، (نمل - ۱) — یہ تو کھلا جادو ہے،

اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرٰنِ (طٰہٰ - ۳) — یہ موسیٰ اور ہارون یقیناً جادوگر ہیں،

حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ عصا کو دیکھ کر، مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے، اور حضرت موسیٰؑ کی پیغمبری پر ایمان لے آئے مگر فرعون یہی کہتا رہا،

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ - ۳) — یہ موسیٰ تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے،

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ حضرت موسیٰؑ فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے، تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہٖ باقی رہ جاتی تھی، چنانچہ توراۃ میں[1] تقریبًا ہر معجزہ کے بعد یہ مذکور ہے "لیکن فرعون کا دل سخت رہا، اور اس نے اُن کی نہ سُنی[1]" انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریبًا ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں، ایک تو اُن کی معتقد ہو جاتی تھی، اور یقین کرتی تھی، کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، اور دوسری کہتی تھی کہ یسوع کے ساتھ شیطان رہتا ہے، "تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا، اور بہتوں نے اُن میں سے کہا، اس کے ساتھ ایک دیو رہتا ہے، اور وہ مجنون ہے" تم اُس کی کیوں سنتے ہو، اوروں نے کہا یہ باتیں اُس کی ہیں، جس میں دیو ہے، کیا دیو اندھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے[2]" ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، لوگ حیرت زدہ رہ گئے لیکن فریسی یہودیوں نے کہا کہ "یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے[3]" حضرت عیسیٰؑ نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا "تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام ہے) کی مدد سے نکالتا ہوں[4]" حضرت عیسیٰؑ نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ "تم معجزات دیکھتے ہو مگر ایمان نہیں لاتے"

"یسوع (عیسیٰؑ) نے یہ باتیں کہیں اور اپنے تئیں اُن سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا" اور اگرچہ اُس نے اُن کے روبرو اتنے معجزے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے[5]" "تب ان شہروں کو جن میں اس کے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے، ملامت کرنے لگا، کیونکہ انھوں نے

---

[1] توراۃ کتاب الخروج [2] یوحنا کی انجیل باب ۱۰-۱۹ [3] متی کی انجیل باب ۹-۳۴- [4] لوقا کی انجیل ۱۱-۱۵ [5] یوحنا کی انجیل ۱۲-۳۷

توبہ نہ کی تھی،

کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے، مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے، عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر معاندین نے آپ کو کاہن کا خطاب دیا تھا، اس لئے قرآن مجید نے کہا،

فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور-۲)	اے پیغمبر تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے،
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ، (حاقہ-۲)	اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور خوارق کو دیکھتے تھے تو ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے،

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ، (مدثر-۱)	پھر پیٹھ کر چلا، اور غرور کیا، اور کہا کہ یہ تو جادو ہے، جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے،

کفار ایک دوسرے کو منع کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جایا کرو، کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں،

هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ج اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ	(انبیاء-۱)	یہ محمد تو تمھاری ہی طرح آدمی ہیں کیا تم جادو کے پاس آتے ہو، اور تم دیکھ رہے ہو،
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (احقاف-۱)		حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے،

[1] متی کی انجیل ۱۱-۲۳۔ [2] صحیح مسلم مناقب ابی ذرؓ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معجزہ شق القمر دکھایا تو کفار نے اُس کو بھی جادو کہا:۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ — نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا،

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا — اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ، (قمر-۱) — کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے،

دوسرے معجزات کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جادوگر ہے،

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ — کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں

اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ — سے ایک پر وحی اتاری کہ لوگوں کو ڈرا اور ان

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ — کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار

قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ — کی بارگاہ میں اُن کی بڑی پایگاہ ہے، کافر

الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ، (یونس-۱) — کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔۔۔ ۔۔

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی،

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی، اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں، اس لئے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہہ کے گرداب سے اُن کو باہر نہیں نکال سکتی، وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں، کبھی فریب اور قوت شیطانی کا اُن دھوکا ہوتا ہے، اس لئے معجزات سے بھی اُن کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، حجت کے لئے ایک دفعہ معجزہ اُن کو دکھایا گیا تو ان کا شبہہ رفع نہیں ہوا، پھر معجزہ طلب کرتے ہیں، تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی اُن کو تسلی نہ ہوگی، چنانچہ سورۂ انعام کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ان تمام مراتب کو بیان کردیا ہے،

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ
إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ (انعام)

اور خدا کی نشانیوں سے کوئی نشانی انکے پاس
نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ
فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ
كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ
(انعام-۱)

اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے
اتاریں جو اوراق میں لکھی ہو کہ وہ اسکو اپنے
ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ جو کافر ہیں یہی کہینگے
کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے،

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا
بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ
يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا
إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (انعام-۳)

اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے
تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہانتک کہ وہ جب
تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں
اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں

وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ
ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ، وَلَوْ جَعَلْنَاهُ
مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا
عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ،
(انعام-۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کے ساتھ کوئی
فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا، کہدے کہ اگر فرشتہ
اتارا جاتا تو ان کو پھر مہلت نہ دیجا سکتی اور
بات پوری ہوجاتی، اگر ہم رسول کا ساتھی
کسی فرشتہ کو بناتے تو اس کو بھی انسان ہی
کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہے ان کے
دلوں میں پیدا ہوتے جو اب پیدا کر رہے ہیں

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ
وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا اِلَّا
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
يَجْهَلُوْنَ ؛ (انعام-۱۴)

اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار
کر بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں
اور ہر چیز ان کے سامنے لا کھڑی کر دیں تو وہ
ایمان نہ لائیں گے لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو
لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں، خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت سے انکار نہیں، بلکہ ان کو نبوت سے اس لئے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں، یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں، ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں، ان کے لئے معجزے بیکار ہیں، یہ سعادت انہی کو ملتی ہے جو حق کے طالب ہیں، اور حق باتوں کو سنتے ہیں،

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ
يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى
مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ

ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھکو غمگین
کرتی ہیں، لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیے کیونکہ
وہ تجھکو نہیں جھٹلاتے ہیں، بلکہ دراصل ان
ظالموں کو خدا کی نشانیوں سے انکار ہے،
تجھ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے تو انھوں
نے اپنی تکذیب پر صبر کیا، اور انکو بھی ایذا پہنچائی

نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ
وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئ الْمُرْسَلِيْنَ
وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ
اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي
الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ
فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ
يَسْمَعُوْنَ ۝ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ
ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا
نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ
يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(انعام-۴)

گئی یہاں تک کہ اُنکے پاس خدا کی نصرت آئی
خدا کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، گذشتہ
پیغمبروں کے واقعات مجھکو معلوم ہو چکے ہیں اور
اگر ان کافروں کی روگردانی تجھ پر گراں ہو تو
اگر تجھ میں طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ
یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈھ کر انکو کوئی نشانی
لا کر دے (ان نشانیوں سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا)
اگر خدا چاہتا تو ان کو راہ ہدایت پر متفق
کر دیتا، تو (غمگین ہو کر) جاہلوں میں نہ بن،
دعوت الٰہی کو وہی قبول کرتے ہیں جو آواز
پر کان دھرتے ہیں (اور یہ کافر جو دل کے
مردے ہیں ان کو خدا ہی اٹھائیگا پھر اسی
طرف لائے جائیں گے، یہ کہتے ہیں کہ اس
پیغمبر پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی
نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ کہ خدا
معجزہ نشانی لانے پر قادر ہے لیکن اکثر ان میں نادان ہیں،

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس شک و شبہ کا منشا محض عناد ہے حق طلبی نہیں، اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلے ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے،

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ
قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ
مَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ
وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ
اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ
الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ
قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ
يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
يَجْهَلُوْنَ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ
نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَا
لْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ

(انعام-۱۳)

اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں
کہ اگر کوئی نشانی ان کے پاس آجائیگی تو وہ
اس پر ایمان لے آئیں گے، کہدے کہ نشانیاں
تو خدا ہی کے پاس ہیں، اور تمھیں کس نے بتایا کہ
یہ نشانیاں دیکھ کر ایمان لائیں گے، یہ ایمان
نہیں لائیں گے (نشانی کے بعد) ہم اُن کے
دلوں کو (حصول یقین سے) اور ان کی
آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرنے سے)
پھیر دیتے ہیں جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان
نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی اسی سرکشی
کی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ بھٹکتے رہیں،
اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتار بھیجیں
اور مردے بھی اُٹھ کر ان سے باتیں کریں
اور ہر چیز ہم ان کے سامنے بھی کر دیں
اور تو وہ ایمان لانے والے نہیں، مگر جو
چاہے اللہ، لیکن ان میں اکثر نادان ہیں اور
ہم نے اسی طرح ہر نبی کا معاند انسانوں ؏

۱۳ اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکا دینے کو بناوٹی باتیں سکھاتے ہیں (اس لئے) اگر مخالف اعتراض کریں تو وہ نشانیوں کی نہیں الخ)

اگر رفعِ حجت کے لئے اُن کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گذشتہ انبیاء کو جیسے معجزے دیئے گئے، جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیئے جائیں ہم ایمان نہ لائیں گے،

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ
(انبیاء-۱)

چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے،

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے بھی جائیں تو اُن کی حیلہ جو طبیعت اُن سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہدیں گے، جیسا کہ انھوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے، اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے،

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَٰلِكَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے، تجھ پر کوئی جن سوار ہے، کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا، اگر تو سچا ہے، (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر فرشتے اتار دیئے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دیجائیگی، اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے، اور ہم ہی اسکے نگہبان ہیں، ہم نے تجھ سے پہلی قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے، اور اُن میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا، لیکن انھوں نے اس سے تمسخر کیا،

نَسْلُکُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (حجر-۱)

اسی طرح ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائینگے، یہ اگلوں سے رسم ہوتی آئی ہے، اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں، تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنا دیا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے،

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک و شبہات کا توبرتو بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انھوں نے "مجنون" کا خطاب دیا، قرآن مجید نے ان کی تردید کی،

وَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ (ن-۱) تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں،

اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کئے کہ کہیں مجنون سے بھی یہ افعال صادر ہوتے ہیں؟ تو انھوں نے آپ کو مجنون کے ساتھ "کاہن" اور "جادوگر" کہا،

فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِکَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ (طور-۲) تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون

قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ (یونس-۱) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے،

آپ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات و تلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم و حکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے، لیکن پُرعناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی اور کہا کہ علم و حکمت کے اسرار انھیں کوئی اور سکھاتا ہے،

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (دخان-۱) اور ان معاندوں نے کہا کہ سکھایا ہوا مجنون ہے،

الغرض انسانوں کے افہام وتفہیم اور ہدایت و رہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کئے گئے، مگر انھیں شک وشبہہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی

بایں ہمہ انبیاؑ معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں، اور وہ اعراض کرتے ہیں،	معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہوسکتا ہے، کہ اگر انکو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو شاید ایمان لے آئیں

لیکن تمام انبیاؑ کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا، انھوں نے معجزات دیکھے پھر بھی اپنے انکار واعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے، حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا، جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں بہ تکرار بیان ہوا ہے، قرآن مجید میں ہے،

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝

(زخرف - ۵)

جب موسیٰؑ ہماری نشانیاں لیکر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں، اور ہم انھیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہو، اور ہم نے انکو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں اور انھوں نے موسیٰؑ سے کہا اے جادوگر اپنے خدا سے ہمارے لئے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے تیری دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہو کہ وہ ہم سے یہ عذاب دور کردے تو ہم راہ راست پر آجائینگے پس جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ فوراً عہد توڑ دیتے ہیں،

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے، یہ حکایت حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے جو زمانۂ ماضی کا ایک واقعہ تھا جس کو تمامتر صیغۂ ماضی سے ادا ہونا چاہئے تھا، لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغۂ مضارع کا استعمال کیا ہے، جو واقعۂ حال و استقبال کے بیان کے لئے مقرر ہے،

۱۔ جب موسیٰؑ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں"

۲۔ اور ہم انھیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں، لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے"

۳۔ "پہلے انھوں نے وعدہ کیا کہ اگر موسیٰؑ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں"

اس موقع پر صیغۂ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے، کہ گویہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا، مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰؑ ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں، بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے، کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لیکر ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندۂ تحقیر بلند کرتے ہیں لیکن خدا ان کو نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی، اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھادی گئی تو ہم یقیناً ایمان لے آئینگے لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھادی جاتی ہے تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں،

حضرت صالحؑ کی امت نے حضرت صالحؑ سے ایک نشانی طلب کی، انھوں نے کہا

یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنوئیں کا تمام پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن اُن کے جانوروں کو پانی ملتا تھا، لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انھیں تسکین نہ ہوئی، اور اس اونٹنی کو مار ڈالا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پاداش میں وہ ہلاک کر دیئے گئے، سورۂ شعراء میں ہے،

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ	اے صالح! تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم اپنے
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ	دعوے میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ، صالح نے
هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ	کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا تَمَسُّوْهَا	ہے اور تمہارے لئے ایک مقرر دن کا پانی پینا
بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ	ہے، اور اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو، ورنہ
عَظِيْمٍ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ	ایک بڑے دن کا عذاب تمکو آلے گا، تو انھوں
فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنَّ	نے اس کی کونچ کاٹ ڈالی، پھر نادم ہوئے تو
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ	عذاب نے انھیں آگھیرا، اس واقعہ میں بڑی نشانی
مُّؤْمِنِيْنَ ، (شعراء - ۸)	ہے، صالح کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ تھے

عہدِ محمدی کے فرعونوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں، مگر انھیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی چنانچہ کفارِ قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے،

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ	ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی

رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ — نہیں آتی لیکن وہ اُس سے اعراض کرتے ہیں،
فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ — حق ان کے پاس آیا تو انھوں نے اس کو جھٹلایا
فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا — تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں، اسکی
بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (انعام-۱) — حقیقت ان کو معلوم ہوگی،

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے، کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے، تو معاندینِ قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہوگی، جب تک گذشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں، تاکہ ہم کو دھوکا اور فریب کا شبہہ نہ ہو، خدا نے کہا کہ یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں،

وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (انعام-۱۵)

اور جب ان (کفار قریش) کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اُس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کا منصب کس کو عطا کرے،

اس لئے بالآخر معاندین کی طلبِ معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے،

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے، اور پھر طلبِ معجزہ کے لئے ان کے پیہم اصرار، الحاح، اور طلب کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی، اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی ان کے لئے باقی رہ جاتی ہے، انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے تمام انبیاءؑ سے زیادہ معجزات اور نشانیاں

دکھائیں، تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی، اور ہر ملاقات میں انھوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی،

"تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسیٰؑ) حجت کر کے اس کے امتحان کیلئے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔" (مرقس ۸-۱۱)

حضرت عیسیٰؑ نے آہ سرد بھر کر فرمایا،

"اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائیگا۔" (مرقس ۸-۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، بعضوں نے کہا کہ

"یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے، اور اوروں نے آزمائش کے لئے اس سے ایک آسمانی نشانی مانگا۔" (لوقا ۱۱-۱۶)

حضرت عیسیٰؑ نے ان کے جواب میں فرمایا،

"اس زمانہ کے لوگ برے ہیں، وہ نشان ڈھونڈھتے ہیں، پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائیگا، مگر یونس نبی کا نشان۔" (لوقا ۱۱-۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں قرآن مجید میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا،

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ، (بنی اسرائیل)	اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر نے منع رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا،

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی کے معاندین نے کہا،

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ محمد پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی، (رعد - ۴)

اس کے جواب میں اُن کو نبوت کی اصلی حقیقت، انذار، تبشیر، اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا، اور خرقِ عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا، عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معجزہ دکھانے سے اس لئے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا" اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، ان کا کیا مطلب ہوگا، کیا حضرت عیسیٰ عم کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا،

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے ماتحت رکھا ہے، اس بنا پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنا پر باوجود قدرت اور شدتِ ضرورت کے معجزات سے کلیۃً انکار کیا گیا ہو، یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوئی ہے، قرآن مجید کے امعانِ مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جا سکتا ہے،

(۱) معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں، ان کا ایمان محض جبری، تقلیدی اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیاء کے محاسنِ تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے، صرف معجزات کی قوت اور اعجوبگی ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہے حالانکہ انبیاء کی تعلیم

کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے، کہ اُن کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اُس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں،

یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور انشراحِ قلب سے تعبیر کیا ہے،

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ

یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام) کو قبولِ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے،

اس قسم کے لوگوں کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی، اُن کے لئے آفتاب، ماہتاب، آسمان و زمین، دن اور رات، غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے، اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت اور پیغمبر کی نبوت پر بلا واسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لئے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی گروہ ہے جس پر سب سے زیادہ انبیاؑ کی نگاہِ انتخاب پڑتی ہے، اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے جس پر نظامِ فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا، انبیاؑ کو ابتدائے بعثت سے انہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے، اور چونکہ فطرۃً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے، اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اس لئے ان دونوں گروہوں کے لئے معجزات بیکار ہوتے ہیں، اور اور اس بنا پر انبیاؑ ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں، اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ کہہ کہ دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں

وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ط (یونس - ۱۰)

ہیں اور نشانیاں اور ڈراوے تو اس قوم کیلئے کچھ بھی مفید نہیں جو ایمان نہیں لانا چاہتی،

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ اَنَابَ، (رعد - ۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت کرتا ہے،

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلب گار ہوتے ہیں جن کے بار کے تحمل، قوتِ انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے، خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر آنا، آسمان سے کوئی مجسم کتاب اتارنا، بازیگر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھ جانا، کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کئے جاتے ہیں، تو انبیاؑ کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے، اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے،

یَسْئَلُکَ اَھْلُ الْکِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْھِمْ کِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓی اَکْبَرَ مِنْ ذٰلِکَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً فَاَخَذَتْھُمُ الصّٰعِقَۃُ بِظُلْمِھِمْ (نساء - ۲۲)

تم سے یہود کہتے ہیں، کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو، لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بڑا بھی سوال کیا تھا یعنی ان لوگوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو، اس ظلم کا جو انھوں نے اپنے اوپر کیا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک بجلی نے ان کو آ پکڑا،

وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْلَا

اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں، کیوں خدا ہم

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ | باتیں نہیں کرتا، یا کوئی نشانی ہمارے پاس نہیں
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ | لاتا اسیطرح اُن سے پہلے لوگوں نے بھی کہا دونوں
قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (بقرہ ۱۴) کے دل ایک سے ہیں،

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ | کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ | اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے
اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ | لیکن حق کے ساتھ، اگر وہ ان کافروں کے سامنے
(حجر-۱) | اتریں تو پھر ان کو مہلت نہ دی جاسکے گی،

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل ومحاسن کا مرکز صرف دولت، جائداد مال واسباب ہوتے ہیں یہی وجہ ہے عام لوگ اخلاق وعادات، تمدن ومعاشرت، رسم ورواج غرض تمام چیزوں میں امراء کی تقلید کرتے ہیں لیکن انبیاؑ ہمیشہ اپنی معاشرت، اپنی وضع اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے، اور زخارفِ دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں،

اسی بنار پر جب منکرین انبیاؑ سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امراء کے ساتھ مخصوص ہیں، تو انبیاؑ کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے،

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ | اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے، اور
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ | کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں اس
لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ | پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اسکے ساتھ لوگوں

مَعَہٗ نَذِیْرًا اَوْ یُلْقٰی اِلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (فرقان - ۱)

کو ڈرائے، یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتا را جاتا، یا اس کے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے وہ کھائے اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔

(۵) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو بن صد بن کر آئے، اسکو مرتبہ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیے، اور اس کو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں، اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کئے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے، تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں،

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ؛ (انعام - ۵)

کہہ کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں،

(۶) متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، ان کی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہی، اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، چنانچہ اس کی مثالیں قوم نوحؑ، نمرود، اور فرعون سے لیکر قریش تک کی تاریخ پیش کرتی ہیں، اور قرآن کریم نے اسکو بتصریح بیان کر دیا ہے حضرت صالحؑ کی امت نے ان سے نشانی طلب کی، خدا نے کہا نشانی تھیں دکھائی جائیگی،

لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے،

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا، (بنی اسرائیل-۶)

اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اس لئے موقوف کیا کہ اگلوں نے ان کو جھٹلایا، اور ہم نے ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی سمجھانے کو اور پھر اس کا حق نہ مانا، اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں تو ڈرانے کو،

لیکن جس طرح افراد کی موت وحیات کا ایک زمانہ مقرر ہے، اسی طرح قوموں کی ہلاکت وبربادی کی بھی ایک خاص مدت متعین ہے،

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (اعراف ویونس) ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے،

اس لئے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدتِ معینہ تک کے لئے تاخیر کیجاتی ہے، اور پیغمبر اور معاندین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں،

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ، (یونس-۲)

اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف سے کوئی نشان نہیں اترتا؟ کہہ کہ غیب صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے، تم لوگ اس کے ظہور کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں،

یہی سبب ہے کہ جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بتایا، ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی،

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیل کی آیتیں گذر چکی ہیں کہ یوں تو ان سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے، مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انھوں نے بالعموم انکار کیا، کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے، یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادتِ اطمینان اور ترقیِ ایمان کے لئے معجزہ کی فرمایش کی تو خدا نے جواب دیا،

اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْکُمْ فَمَنْ یَّکْفُرْ	میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن
بَعْدُ مِنْکُمْ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ	اس کے بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا تو
عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ	میں اس کو ایسا سخت عذاب دونگا کہ
الْعٰلَمِیْنَ (مائدہ - ۱۵)	دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا،

غرض کائنات روحانی کا یہی اصول پیشِ نظر تھا جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مطالبہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دی جاسکے گی، اور وہ برباد ہو جائیں گے، چنانچہ معاندین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے، اور تم کو پھر وہی شبہہ رہ جائے گا، علاوہ ازیں قانونِ الٰہی میں یہ آخری حجت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمھاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی، اور تم ہلاک و برباد کر دیئے جاؤ گے،

لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَةِ اِنْ کُنْتَ	کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ
(حجر-۱)

اگر تم سچے ہو، خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کے
ساتھ اتارتے ہیں، تو پھر تم کو اگر وہ اتریں
اس وقت مہلت نہ دی جا سکے گی،

(۷) معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزۂ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو، وہ آخر کب آئے گا، اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے اُن کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزہ نہ عذاب ظاہر نہ ہوگا، اس لئے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو، اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کریں، چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے، اور اس کا جواب دیا گیا ہے، حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا،

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝
فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (شعراء)

اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو، اگر سچے
ہو تو ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو،

لیکن اس کے لئے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے،

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا

ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا
مقرر وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی
دیر کر سکتے ہیں، اور نہ جلدی، کہدے اے پیغمبر
بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو

مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ آپہنچے تو یہ گنہگار جلدی کرکے کیا کریں گے، کیا

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ جب آنے والا واقعہ آجائیگا تب تم ایمان لاؤگے،

آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ اب ایمان لاتے ہو، حالانکہ تم تو اسی کی جلدی

(یونس۔ ۵) کررہے تھے،

عقیدۂ معجزات کی اصلاح | قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہوجاتی ہے، کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روح نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اسکے خاص اسباب ہیں، اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گذشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لئے آیا تھا، ان ظاہری معجزات نے گذشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کردیئے تھے، جن انبیاؑء اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر ہوئے ان میں الوہیت اور خدائی کا عنصر تسلیم کیا گیا، اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے، متزلزل ہوگئی، اس لئے قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور نہایت صفائی، اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا، اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصل حقیقت اس استواری اور مضبوطی کے ساتھ قائم کردی کہ آئندہ فساد اور سوءِ عقیدہ کے سیل و طوفان سے اس کو گزند پہونچنے کا خطرہ باقی نہ رہا،

(۱) سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں، اور یہ آثار و دلائل اصل نبوت سے خارج امور ہیں، نبوت کے اصل لوازم، وحی، مخاطبۂ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم، اور ہدایت ہیں، جیسا کہ ان کی تفصیل پہلے گذر چکی

ہے اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے، تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ط
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ
قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يُّوْقِنُوْنَ ط اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ
عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ،

(بقرہ - ۱۴)

اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں، خدا خود ہم سے
کیوں باتیں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی
نشانی کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے
بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم
کے ہو گئے، ہم تو نشانیاں ان لوگوں کے لئے کھولدی
ہیں، جو یقین کرتے ہیں، اے محمد! ہم نے تجھ کو
سچائی دیکر نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا
اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (تجکو
اب بھی یہ نشانیاں نہ نظر آئیں) تو ان
دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائیگا،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ
يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت - ۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار
کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں،
کہدے کہ نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور
میں تو کھلا ڈرانیوالا ہوں، کیا ان کافروں
کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب
اتاری جو ان کو پڑھکر سنائی جاتی ہے

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ	اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اس کے
أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ	پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اُتارا جاتا
اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ	اے محمد تو تو ڈرانیوالا ہے، اور ہر قوم کا ایک
(رعد ۱-۱)	ہدایت کرنیوالا ہوتا ہے،

(۲) قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے، اس میں الوہیت کا کوئی شایبہ نہیں ہے، اور اس لئے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا،

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى	میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں (البتہ)
اِلَيَّ (کہف ۱۲ و حم السجدہ ۱)	مجھ پر وحی کی جاتی ہے،

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہئے، کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آکر نمایاں ہو، اس کے لئے سونے چاندی کا محل ہو، عجیب وغریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں، ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے، اور وہاں سے ہمارے لئے کتاب اتار لائے،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى	اور کافروں نے کہا ہم تم پر اس وقت
تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا	تک ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمارے لئے
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ	زمین سے ایک چشمہ نہ بہا دو، یا تمہارے قبضہ میں
وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا	کھجور اور انگور کا ایک باغ نہ ہو، اور پھر تم اس کے

تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا
زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ
بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ
اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ
لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ،
(بنی اسرائیل - ١٠)

بیچ میں نہریں نہ بہا دو، یا جیسا کہا کرتے ہو
آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو، یا
خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ، یا
تمہارے لئے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم
آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور ہاں تمہارے آسمان
پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئیگا
جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتا
لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں،

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ کو سکھاتا ہے،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا
بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل)

کہدے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں
ایک آدمی پیغمبر،

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ
اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ
اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ
اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ،
(انعام - ٥)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدے، کہ میں یہ
تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے
ہیں، اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں
اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں
تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام ہوتا ہے،

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا ،

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدے کہ خود میرا

وَلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

(اعراف - ۲۳)

نفع اور نقصان بھی میرے قبضۂ اختیار میں نہیں لیکن جو چاہے خدا، اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا، او مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا، میں تو صرف ڈرانیوالا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں،

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اگا دینا، یا سونے کا محل کھڑا کر دینا، یا چشمہ بہا دینا، یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار دینا، نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ رسول کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا جس کے ہاتھ سے چشمے بہ چکے تھے جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے، یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا، لیکن چونکہ اگر ان کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ کو جادوگر کہہ دیتے، اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافوق بشر تسلیم کر لیتے، اور یہ دونوں باتیں اصول اسلام کے منافی ہوتیں اس لئے سرے سے ان کے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا، کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کے اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی،

(۳) عام لوگوں میں انبیاء کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا، کہ وہ براہ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں، چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰ

علیہ السّلام کے معجزات کو جس طریقہ سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰؑ کے قبضۂ قدرت میں تھی، اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے، جس پر انجیل کے مصنفوں نے دینِ حق کی دیوار کج کھڑی کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی، قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے، کہ معجزات اور نشانات، پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور مشیئت سے ظاہر ہوتے ہیں،

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ (انعام-۱۳)	کہدے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں،
قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ (عنکبوت-۵)	کہدے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں،
قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً، (انعام-۴)	کہدے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ وہ نشان اتارے،

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے،

وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (رعد-۶)	کسی رسول میں یہ قدرت نہیں، کہ وہ خدا کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے،

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جس عبارت اور لب و لہجہ میں بیان ہوئے ہیں

ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰؑ کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کردی گئی تھی، اس لئے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے لیکن قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا، اس نے حضرت عیسیٰؑ کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس عقیدۂ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے، اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا حضرت عیسیٰؑ کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن کہتا ہے،

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ	میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی
اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ	لیکر آیا ہوں، کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت
الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا	کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں
بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ	تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے، اور
وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ	مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور مردہ
اللّٰہِ، (آل عمران - ۵)	کو زندہ کرتا ہوں، خدا کے حکم سے،

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰؑ پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے، خدا نے فرمایا،

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ	اور یاد کر، جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح
الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ	صورت میرے حکم سے بناتا تھا، پھر اس میں
طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ	پھونک مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا
وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ، وَاِذْ	تھا اور تو اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے

تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ (مائدہ-۱۵) — اچھا کرتا تھا، اور جب مرے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا"

یہ قرآن مجید کے اسی اظہارِ حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا، کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں، اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا، اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری صرف اسلام کے دست و بازو کو سپرد ہوئی،

مسئلہ اسباب وعلل میں افراط وتفریط

عقیدۂ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں، مسئلۂ اسباب و علل سے بھی تعرض کرتا ہے، جس نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیئے ہیں، ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب و علل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے، اور ان اختیارات کو ناقابل نسخ و تغیر مانتا ہے، ان کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ انہی مادی علل و اسباب کے ماتحت ہوتا ہے، اور ان میں کسی قسم کا رد و بدل اور نسخ و تغیر نہیں ہوتا، اور اس لئے وہ خرق عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے، کیونکہ یہ اسباب و علل اور عالم کا یہ نظام کار سنۃ الٰہی ہے، اور سنن الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے،

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا — تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیل نہ پاؤ گے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (ملائکہ) — تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم-۴) — اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں،

دوسرا فریق، اللہ تعالیٰ کو نظام خاص، قوانینِ فطرت اور اسباب وعلل کا پابند ٹھہرانا، اس کی شانِ قدرت کے منافی سمجھتا ہے، اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اسکو فرماں روائے مطلق یقین کرتا ہے، یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسبِ ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے،

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج) — وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (آل عمران) — اسی طرح خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم) — اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (حج-۲) — بیشک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ ۳۴) — لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (مائدہ-۱) — بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (حج-۲) — بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

ان آیات کے علاوہ حسبِ ذیل آیت قرآن مجید میں کم وبیش تغیر کے ساتھ آٹھ مقامات پر مذکور ہے،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت مشیئت اور ارادہ ہے، اور اس لئے ہر قسم کے خرق عادت ممکن ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط وتفریط کے دو کناروں پر ہیں اور انھوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور وتدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے، یہی سبب ہے کہ انھوں نے

اشیاء کے خواص وطبائع اور عقلی مصالح وحکم کا انکار کیا ہے،

قرآن مجید اسباب ومصالح کا قائل ہے،

حالانکہ ان آیات بالا کی بنا پر یہ دعوی کرنا کہ قرآن اسباب و علل اور مصالح وحکم کا منکر ہی تو، کتاب الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے صفات کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے، قرآن مجید نے جابجا مخلوقات الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہی، اگر یہ صحیفۂ قدرت اسباب و مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی، قرآن ان عجائب قدرت کو آیات اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے، اور ان کے اسرار وحکم پر غور وفکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے وہ خدا کی قادر وحکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے، اگر یہ چیزیں اسباب و مصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور وفکر کرنا بیکار ہوتا، قرآن نے آسمان و زمین، چاند سورج، ہوا، بادل، پھول، پھل، جسم وجان، ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلان عام قرار دیا ہی، اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا (آل عمران ۲۰)	آسمان وزمین کے بنانے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں، وہ جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے، اور لیٹے یاد کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تونے یہ بے فائدہ نہیں بنایا،

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیاء کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں زجر فرمایا ہے،

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، (مومنون۔ ۶)	کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے، اور تم ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے،
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ، (دخان)	اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو جو ان کے درمیان ہیں، انکو محض کھیل کے لئے نہیں بنایا،
وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ، (انعام۔ ۱۲)	اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی اور اس سے تو بر تو دانے پیدا کئے، اور چھوہاروں کے درخت سے اس کے پھولوں سے لٹکے ہوئے خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب کے باغ جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف اقسام کے بھی پیدا کئے، جب وہ پھلتا ہے تو اس کے پھل اور اس کے پکنے کو دیکھو،

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا، تو ان میں نظر

(ذکر کی) دعوت کیوں دیتا متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ الٰہی کے "منافع" کی خاص تصریح فرمائی ہے،

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا	اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا، ان کے
دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ،	اون میں خوشگوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں،
وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ	ان میں سے بعض جانور تمہاری خوراک ہیں، اور
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ	تم کو ان سے رونق ہو، جب شام کو ان کو پھیر لاتے
اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا	ہو اور جب چراتے ہو، اور وہ تمہارے
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ	مال و اسباب کو اس شہر تک اٹھالے جاتے
رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ وَّالْخَيْلَ	ہیں، جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں
وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا	لے جا سکتے تھے، بیشک تمہارا رب شفقت والا
وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	مہربان ہے اور گھوڑے، خچر، اور گدھے، بنائے
وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ	کہ تم ان پر سوار ہو، اور رونق ہو، اور وہ
مِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ	وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے، خدا ہی
اَجْمَعِيْنَ، هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ	پر ہے، سیدھی راہ، اور اس سے ٹیڑھے دا ے
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ	بھی، اسی نے آسمان سے تمہارے لئے پانی
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ	اتارا، کچھ اس میں سے پینے کا کام آتا ہے،
تُسِيْمُوْنَ ٥ يُنْۢبِتُ لَكُمْ	اور کچھ سے درخت اگتے ہیں جس میں تم اپنے

الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ
وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ
يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ
النُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۝ إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا
أَلْوَانُهُ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً
لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا
طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ
فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۝
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ،

(نحل - ۱ - ۲)

جانور چراتے ہو، اس پانی سے خدا تمھارے لئے
کھیتی اگاتا ہے، اور زیتون، چھوہارے، انگور
اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے، اس میں غور
وفکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانی ہے، او
اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور
چاند تمھارے کام میں لگائے، اور تارے
اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں، اس میں
عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں، اور جو
بکھیرا ہے، تمھارے لئے زمین میں کئی رنگ کے
غلے اور دانے، اس میں ان کے لئے جو سوچتے
ہیں نشانی ہے، اور وہی خدا ہے جس نے
دریا کو کام میں لگایا ہے، کہ تم اس سے تازہ
گوشت کھاؤ، اور اس سے وہ موتی اور مونگے
نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو
اور تم دیکھو کہ کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی
چلتی ہیں اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کی
روزی کو، اور شاید احسان مانو،

غور کرو، اگر ان چیزوں میں مصالح وحکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں
کی پیدایش پر شکر کا حکم کیوں دیتا،

بعض اشیاء کے مصالح واسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ
بیان کیا ہے، پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے،

وَالْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ	اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے لنگر
تَمِیْدَ بِکُمْ، (نحل-۲)	ڈال دیئے ہیں کہ زمین تم کو لیکر نہ جھک پڑے

ستاروں کی پیدایش کی غرض بتائی،

وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ (نحل)	اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں،

رات کی پیدایش کی مصلحت یہ بتائی،

جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ (یونس)	اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی،

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ	لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے
مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ (بقرہ-۲۴)	ہیں، کہدے کہ وہ لوگوں کیلئے وقت اور زمانہ کا

سایہ، آفتاب، رات، دن، ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کیے،

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ	کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا
وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ	رکھا ہے، اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا پھر
عَلَیْهِ دَلِیْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا	سورج کو سایہ کا رہنما بنایا پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف

يَسِيْرًا ، وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ
اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ
النَّهَارَ نُشُوْرًا ، وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ وَاَنْزَلْنَا
مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً
مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّ
اَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ، (فرقان - ۵)

آہستہ آہستہ سمیٹ لیتے ہیں، اسی خدا نے رات کو
تمہارا اوڑھنا اور نیند کو آرام، اور دن تمہارے
جدجہد کے لئے بنایا، اسی خدا نے اپنے ابر رحمت
کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری سنانے والا
بنایا، اور ہم نے آسمان سے ستھرا اور نکھرا پانی
اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ کردیں اور چوپایوں
اور بہت سے انسانوں کو اس سے سیراب کریں،

قرآن مجید نے اشیا کے اسباب وعلل ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے، مثلاً جا بجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے،

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (بقرہ ۳)

اور آسمان سے پانی برسایا، اور اس پانی سے
تمہاری روزی کے لئے پھل نکالے،

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں،

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ (نور ۶)

اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا،

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء ۳)

اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا،

ہر قسم کے نباتات پانی سے اُگتے ہیں،

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام ۱۲)

اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس
سے ہر چیز کی روئیدگی ظاہر کی،

بادِ صرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے،

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ (حم السجدہ ۲)	ہم نے عاد کی قوم پر بادِ صرصر بھیجا نحوس دنوں میں تاکہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں
رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا، (احقاف ۳)	ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا، جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے،
اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (الذاریات ۲)	یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی، جو جس شے پر گذرتی تھی، اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی،

آگ جلاتی ہے،

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (مومنین)	آگ ان کے چہروں کو جھلسا دیتی ہے،

آگ لکڑی سے پیدا ہوتی ہے،

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا (یٰس)	جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا،

قرآن مجید اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں، شراب میں خواص ہیں،

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ ۲۷)	کہدے کہ شراب و جوے میں بڑا گناہ ہے، اور ان میں لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، لیکن انکا گناہ انکے فائدے سے زیادہ ہے،

ان میں گرمی کی خاصیت ہے،

فِيْهَا دِفْءٌ، (نحل)	جانوروں کے اون میں خوشگوار گرمی ہے،

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے،

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ (نحل) — وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اسی سے پینا ہے، اور اس سے درخت ہیں،

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے،

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (نحل) — شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں پینے کی چیز نکلتی ہے جسکے کئی رنگ ہوتے ہیں، اسمیں لوگوں کیلئے شفا ہے۔

لیکن علت حقیقی قدرت و مشیت ہے،

غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسباب و علل مصالح و حکم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے، اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو ان چیزوں کا انکار کرتی ہے، اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت و مشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب و علل اور طبائع و خواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے، اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیا اسباب و علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع و خواص ہیں، لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں، اور وہ انہی پر عموماً کاربند رہتا ہے، لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو، اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو، کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے، اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آتا ہے، اسی لئے ہر موقع

پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، کہ اسباب و علل کے ساتھ ساتھ خدا
کی مشیت اور ارادہ کو پیشِ نظر رکھا ہے تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری،
اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو، اور نہ اس کی مشیت وارادہ پر خود اس کی مشیت
وارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں، چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت و
ارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، وہ اسی موقع کی ہیں، اور جن سے
یہی تعلیم مقصود ہے،

ہم نے اوپر اسباب و علل اور طبائع وخواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں غور
کرو ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ان
مسببات کے اسباب و علل اور اشیا کے طبائع وخواص، خود اس نے اپنی مشیت و ارادہ
اور اپنے حکم وامر سے بنائے ہیں، اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے، تاکہ ظاہر بیں انسان ان
ظاہری علل واسباب اور طبائع وخواص کو دیکھ کر اشیا، کی علتِ حقیقی کا انکار کرکے مبتلائے
الحاد یا اسباب وخواص کو مستقلاً شریکِ تاثیر مان کر گرفتارِ شرک نہ ہو جائے" یہ انبیاء کی
تعلیم کا خاص طریقہ ہے، اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے، یہانتک کہ
انبیائے کرام اور بزرگان خاص کو بھی عادتِ جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے
میں جب استعجاب اور استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انکو متنبہ کیا ہے، اور ان کے اس استعجاب
اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے، حضرت سارہؑ کو پیرانہ سالی
میں جب حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے،

کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا، انھوں نے کہا

يَا وَيْلَتَىٰ ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ (هود)

اے خرابی کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور میرا یہ خاوند بوڑھا ہے، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے،

فرشتوں نے جواب میں کہا،

أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ (هود-۷)

اے سارہ) کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کی تازگی کے لیے کافی تھی،

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے، اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا، لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد، اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے موثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انھوں نے ایک وارث کی دعا مانگی، مگر جب ان کو اجابت دعا کی بشارت دی گئی، تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے، اس کمال ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا، اور انھوں نے عرض کی،

رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (مریم-۱)

اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، میری بیوی بانجھ ہے، اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا،

قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

کہا یوں ہی ہے، تیرے رب نے کہا یہ مجھ پر آسان ہے (زکریا)

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ تجھکو یاد نہیں، کہ میں نے تجھکو پیدا کیا، اور تو کچھ نہ تھا،

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے بھی ظاہری علل و اسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی،

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾	مریمؑ نے کہا، میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھکو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی،

فرشتہ نے جواب میں کہا،

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا (مریم - ۲)	بولا یوں ہی ہو، تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت،

قرآن میں سنۃ اللہ کا مفہوم، وہ فریق جو خرقِ عادت اور خلافِ اسباب وعلل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی اُن آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں "سنت الٰہی" کے عدم تبدیل کا ذکر ہے، وہ درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہومِ قرآن کی تجدید کا مجرم ہے، قرآن مجید میں "سنت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے، اور اسی اصطلاحِ خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت، اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر، اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں، جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں، اور پند و موعظت ان کے لئے موثر نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک آسمان

کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا، انھوں نے کہا

يَا وَيْلَتَى ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا — اے خرابی! کیا میں جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور
إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ه (ھود) — یہ خاوند بوڑھا ہے، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہی،

فرشتوں نے جواب میں کہا،

أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ (ھود) — اے سارہ! کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کی تازگی کے لیے کافی تھی،

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے، اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد، اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے موثر حقیقی ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انھوں نے ایک وارث کی دعا مانگی، مگر جب ان کو اجابتِ دعا کی بشارت دی گئی، تو تقاضائے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے، اس کمالِ ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا، اور انھوں نے عرض کی،

رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي — اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، میری بیوی بانجھ
عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (مریم ۱) — ہی، اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہاں تک کہ بڑھاپے سے گر[illegible]

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا،

قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ — کہا یوں ہی ہی، تیرے رب نے کہا یہ مجھ پر آسان ہی زکریاؑ

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم) تجھکو یاد نہیں) کہ میں نے تجھ کو پیدا کیا، اور تو کچھ نہ تھا،

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے بھی ظاہری علل و اسباب کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی،

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (مریم) مریمؑ نے کہا، میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھکو کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور نہ میں کبھی بدکار تھی

فرشتہ نے جواب میں کہا،

قَالَ كَذٰلِكِ ج قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا (مریم-۲) بولا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت،

قرآن میں سنۃ اللہ کا مفہوم، وہ فریق جو خرقِ عادت، اور خلافِ اسباب و علل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی اُن آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں "سنت الٰہی" کے عدم تبدیل کا ذکر ہے، وہ درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہومِ قرآن کی تجدید کا مجرم ہے، قرآن مجید میں "سنت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے، اور اسی اصطلاحِ خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت، اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر، اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے، گنہگار اور مجرم قومیں، جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں، اور پند و موعظت ان کے لئے مؤثر نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک آسمان

کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں، یہ سنتِ الٰہی ہے، جو ہمیشہ سے قائم ہے، اور ہمیشہ قائم رہے گی، اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے، چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں، تاکہ ناظرین کو شک وشبہہ باقی نہ رہے،

قریش، داعیِ حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں، اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں، تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے،

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	اور وہ (کفار قریش) تو تجھ کو اس شہر سے لگے تھے
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا	گھبرانے تاکہ وہ تجھ کو یہاں سے نکال دیں لیکن
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ	اگر ایسا ہو تو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے یہ
مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا	دستور پڑا ہوا ہے، ان رسولوں کا جن کو ہم نے
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل)	تجھ سے پہلے بھیجا، اور تو اللہ کے دستور کو ٹلنے نہ پائیگا۔

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے، خدا فرماتا ہے،

اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝	وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے، اور مارے گئے،
سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ	دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (احزاب)	ہو چکے، اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائیگا،

اس مفہوم کو واضح کرنے کیلئے سورۂ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون آیت ہو سکتی ہے،

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ (فاطر ۵)

اور بدی کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنیوالوں پر الٹ جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں، تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز نہ بدلتے پاؤگے، اور نہ کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے پاؤگے، کیا وہ زمین میں پھرے نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا،

حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دیجاتی ہے،

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۚ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (فتح ۳)

اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے، تو پیٹھ پھیر دیتے پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مددگار، اللہ کا دستور یہ پہلے سے چلا آتا ہے، اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پاؤگے،

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کس کو غلطی ہو سکتی ہے؟

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم

قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے، جس کو یہ فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے،

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ — خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا

عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ (روم) — خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں،

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے، قرآن مجید کی اصطلاح فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے، جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے، چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے، خدا فرماتا ہے،

فَاَقِمْ وَجْھَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (روم - ۴)

سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں ہے یہی سیدھا دین ہے، لیکن لیکن بہت لوگ نہیں جانتے،

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری طرح ہو جاتی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا عَلَی الْفِطْرَۃِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ اَوْ یُنَصِّرَانِہٖ اَوْ یُمَجِّسَانِہٖ کَمَا تُنْتَجُ الْبَھِیْمَۃُ بَھِیْمَۃً جَمْعَاءَ ھَلْ تُحِسُّوْنَ فِیْھَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ الخ

کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا، لیکن ماں باپ اسکو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ پیدا کرتا ہے کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے، اسکے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی، "خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ..."

معجزہ کا سبب صرف ارادۂ الٰہی ہی،	الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے، اور نہ عالم کے نظام کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے،

لیکن وہ ان تمام اسباب و علل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی فرمانروائے کل یقین کرتا ہے، جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہی، معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے، مثلاً قوم نوحؑ کے لئے طوفان آنا قوم ہود کیلئے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا، حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہوجانا، قوم صالح کے لئے آندھی آنا، مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوۂ خندق میں آندھی چلنا یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عادات جاریہ کے خلاف نہیں لیکن، ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست، نیکوکاروں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت و اتفاق نہیں، بلکہ ارادہ و مشیتِ الٰہی نے خاص ان موقعوں کیلئے بطور نشان کے ان کو پیدا کیا، اور کبھی یہ مشیتِ الٰہی عادات جاریہ اور اسباب ظاہری کا نقاب اوڑھکر نہیں، بلکہ بے پردہ نشان بنکر سامنے آتی ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بیجان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم و اسباب و علل کی بنا پر نہیں کی جاسکتی اور نہ ان کو عادات جاریہ کے مطابق کہا جاسکتا ہی، اسلئے انکی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی، اسی لئے انبیاء نے یہ تصریح کی ہی،

کہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہی کیونکہ اگر وہ ظاہری علل و اسباب کے مطابق ہوں، تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط و علاقہ کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں، کفار ان کو دیکھ کر فوراً کہہ سکتے ہیں کہ یہ فلاں سبب سے ہوا ہے، اس لئے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے،

معجزہ کی باعتبار خرقِ عادت کے چار قسمیں

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارقِ عادت ہوں، چنانچہ

(۱) کبھی نفسِ واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا اُبلنا، مردہ کا زندہ کرنا وغیرہ،

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفسِ واقعہ خلافِ عادت نہیں ہوتا، مگر اس کا اس وقتِ خاص پر رونما ہونا خرقِ عادت بنجاتا ہے، مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرتِ تعداد کے، بے یار و مددگار اہلِ حق سے خوف کھا جانا وغیرہ تمام تائیداتِ الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں،

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ نفسِ واقعہ اور اس کے ظہور کا وقتِ خاص تو عادتِ جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا، مگر اس کا طریقۂ ظہور خلافِ عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیار کی دعاؤں سے پانی کا برسنا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا ٹل جانا، کہ نہ تو پانی کا برسنا، یا بیمار کا اچھا ہو جانا، یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا، خلافِ عادت ہے، اور نہ اُس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہی، لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب و علل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارقِ عادت ہیں، استجابتِ دعا اسی قسم میں داخل ہے،

(۴) کبھی نہ تو واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے اور نہ اس کا طریقۂ ظہور خارقِ عادت ہوتا ہے،

بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارقِ عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاؑ کی پیشین گوئیاں، ایک دفعہ زور سے آندھی چلی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تھے، آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے، چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مرگیا، اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرق عادت ہے، نہ آدمی کا آندھی سے مرجانا سے مرجانا خلاف اسباب ہے، بلکہ صرف واقعہ کا قبل از وقت علم خرقِ عادت ہے،

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

انبیاء کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے، اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف انہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے، اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے، ان سے کوئی عملی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، ہاتھ کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا شق ہو جانا، اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن ان کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا، اور دوسرے نے انکار کیا، لیکن انبیاء کے بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا، وہ ان کے لئے حیات بخش ثابت ہوا، پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت، برہان، اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ ان سے علم و یقین کو ترقی ہوتی ہے، اور دوسرے قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصر الٰہی کہا ہے، پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصرِ الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی،

آغازِ نبوت میں چونکہ انبیاؑ صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں، اور کفار کی طرف سے انہی عقائ

کا انکار کیا جاتا ہے، اور انہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے اس لئے اوّل اوّل انبیاؑ سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی قسم کے دو معجزے دیکر فرعون کے پاس بھیجا، اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا لیکن اس کے بعد انبیاؑ کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہوتا ہے، جو عموماً مفلوک الحال، خانہ بدوش بے سر و سامان اور بے یار و مددگار ہوتا ہے، یہ گروہ اگرچہ صفائے باطن، خلوص نیت اور شدت ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا، تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلبگار ہوتی ہے، اور ہر موقع پر اس کی حفاظت اور حمایت کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے، مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور انہی کے درمیان ہوا، بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے، غزوۂ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا تھوڑے سے زاد راہ کا تمام فوج کیلئے کافی ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی نکلنا، یہ اور اس قسم کے بہت سے معجزات، غزوات ہی کے زمانہ میں آپ سے ظہور پذیر ہوئے، اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے،

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد) اور تائید ہے، اور یہ ہر نبی کو آخر وقت میں عطا کی جاتی ہے، اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسی کے تمام مناظر پیش ہوتے ہیں، اور تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا دفعتہً نصرت الٰہی توقع کے خلاف گرد و پیش

کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے،

أم حسبتم أن تدخلوا الجنة ولما — کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤگے
يأتكم مثل الذين خلوا من قبلكم — اور ابھی تم پر وہ حالت گذری نہیں جو تم سے
مستهم البأساء والضراء و — پہلوں پر گذری، اُن پر مصیبت اور تکلیف
زلزلوا حتى يقول الرسول — آئی اور اسقدر جھڑجھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اس کے
والذين آمنوا معه متى نصر — ساتھ مسلمان (گھبراکر) کہہ اٹھے کہ خدا کی نصرت
الله ألا إن نصر الله قريب (بقرہ ۲۶) — کہاں ہے، ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہی ہے،
حتى إذا استيأس الرسل وظنوا — یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول
أنهم قد كذبوا جاءهم نصرنا — اور خیال کرنے لگے کہ ان کے نصرت کا وعدہ
فنجي من نشاء ولا يرد بأسنا — پورا نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آگئی پھر
عن القوم المجرمين، — ہم نے جس کو چاہا وہ بچا دیئے گئے اور پھیری
(یوسف ۱۲) — نہیں جاتی ہماری آفت گنہگار قوم سے،

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے، کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا،

وكان حقا علينا نصر المؤمنين (روم ۵) — اور ایمان داروں کی مدد ہم پر فرض ہے،

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی تھی، بدر ہو کہ احد، خندق ہو کہ حنین ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی،

لقد نصركم الله في مواطن كثيرة (توبہ ۴) — خدا نے بہت سے موقعوں پر تمھاری نصرت کی

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی، جب تین سو بے برگ و ساز نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دیدی،

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ	اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی جب
اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران-۱۳)	تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی،

لیکن عام معجزات اور نصرت الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کئے جاتے ہیں، وہ صرف انبیاؑ کی تنہا روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادۂ الٰہی کے ظہور کا، لیکن نصرت الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمالِ ایمان، شدتِ یقین، تزکیۂ نفس اور استعداد قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی امت نے جب فاقہ فاقہ کی حالت میں نزولِ مائدہ (خوانِ آسمانی) کی درخواست کی تو انھوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی،

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ	یاد کرو جب حواریوں نے کہا، اے مریم کے
مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ	بیٹے عیسیٰؑ کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ	سے ایک خوان اتار سکتا ہے، عیسیٰؑ نے
اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (مائدہ-۱۵)	کہا خدا سے تقویٰ کرو اگر تم کو یقین ہے،

میدانِ جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نزولِ ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں، تو ساتھ ساتھ صبر اور تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	یاد کر اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا

اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ — کہ کیا تمکو یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگا تین ہزار
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ بَلٰٓى اِنْ — فرشتے اتار کر تمکو مدد دے (خدا کہتا ہو) ہاں
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ — اگر تم مستقل رہو، اور تقوی کرو، اور وہ فوراً
فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ — آجائیں، توخدا پانچ ہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ
بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران - ۱۳) — سے تمھاری مدد کریگا،

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابۂ کرام ؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے،

کفار کے لئے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں،

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی اُن کی دو قسمیں ہیں، آیت ہدایت، اور آیت ہلاک، انبیاؑ کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں، اور اُن کو حق کی دعوت دیتے ہیں، کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزاء ہوتے ہیں، وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے، جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا یعنی اس کثیف مادہ سے چھٹ کر تمام اجزائے لطیفہ الگ ہو جاتے ہیں، اور ڈھیر میں بھونس کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا، تو اس وقت آیت ہلاک، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر رونما ہوتی ہے، اور سطحِ خاکی کو اُن کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے، مگر وہ اس لئے تھے کہ انکو

دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شقِ بحر کی آیت ہلاکت عنایت ہوئی، اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نگل گئیں، حضرت نوحؑ کو آیتِ طوفان، حضرت صالحؑ کو آیت ناقہ حضرت لوطؑ کو بربادیِ سدوم کی نشانی حضرت شعیبؑ کو آیتِ صاعقۂ بحر، حضرت عیسیٰؑ کو آیتِ رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ بَطْشَۃُ الْکُبْرٰی (بدر) جو دیا گیا تھا، وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے ظہور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت، استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سُنَّۃُ اللہ (خدا کا دستور) اور سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے،

وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ (فاطر - ۵)	اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے، تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں،
اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا سُنَّۃَ اللہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، (احزاب - ۸)	یہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، یہ اللہ کا دستور رہا ہوا ہے اگلی قوموں میں،

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقتِ معین تک تاخیر کی جاتی ہے،

جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک آیاتِ ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزا اُس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہوجاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہوجاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہوجاتی، حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد ناامید ہوکر انھوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی،

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح)

اے میرے پروردگار، زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ اگر تو اُن کو چھوڑیگا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور وہ نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو،

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوحؑ کو بہا لے گیا،

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہوگئی تو انھوں نے دعا کی،

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا

اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت اور دولت عطا کی ہے، اے ہمارے رب (وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں اے خداوندا

دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مصر میں سے

جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شق بحر کی آیت ہلاکت

عنایت ہوئی، اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اُس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار

کے ساتھ ہمیشہ کے لئے نگل گئیں، حضرت نوحؑ کو آیتِ طوفان، حضرت صالحؑ کو آیت ناقہ،

حضرت لوطؑ کو بربادیِ سدوم کی نشانی، حضرت شعیبؑ کو آیتِ صاعقۂ ابر، حضرت عیسیٰؑ کو

آیتِ رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ بَطْشَۃُ الْکُبْریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا، وہ اسی دوسری

قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے ظہور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے

ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت، استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سُنَّۃُ اللّٰہِ

(خدا کا دستور) اور سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح

ہوتا چلا آیا ہے،

وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ (فاطر - ۵)	اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے، تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں،
اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا۔ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ، (احزاب - ۸)	یہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے، اگلی قوموں میں،

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقتِ معین تک تاخیر کی جاتی ہے،

جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا جب تک آیاتِ ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزا اُس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہوجاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہوجاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہوجاتی، حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی اور اس کے بعد ناامید ہوکر انھوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی،

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ	اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں
الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ	سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ اگر تو اُن کو چھوڑیگا
تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا	تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے، اور وہ
يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح ۲)	نہ جنیں گے لیکن فاجر اور کافر کو،

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوحؑ کو بہالے گیا،

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہوگئی تو انھوں نے دعا کی،

رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ	اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اس کے
مَلَأَهٗ زِيْنَةً وَّأَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ	سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و
الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ	شوکت اور دولت عطا کی ہے، اے ہمارے
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَ	رب (وہ اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ)
اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا	لوگوں کو تیرے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں! خداوندا

حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ، ان کی دولت کو میٹ دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے جبتک وہ تیرے دردناک عذاب کو نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے، (یونس۔ ۹)

اس موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیاؑ نے بھی کی ہیں،

(۳) اس منزل پر پہنچکر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کو ساتھ لیکر ہجرت کا حکم ہوتا ہے، حضرت نوحؑ کو مع رفقا کے کشتی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے حضرت ابراہیمؑ نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں، اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (عنکبوت) (میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں،) حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں، حضرت لوطؑ حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لیکر اپنی نافرمان قوموں سے علٰحدگی اختیار کی، اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہولیتی، اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا، حضرت نوحؑ جبتک کشتی پر سوار ہوکر علٰحدہ نہ ہوئے طوفان نہ آیا، حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے، ان پر عذاب نہ آیا، اسی طرح حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ اور حضرت شعیبؑ اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر جب تک الگ نہ ہو گئے، ہلاکت کا عذاب نہیں آیا، اور جب انھوں نے ہجرت کر لی تو یہ معجزۂ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا، اور مومنین کو نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی،

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے، اور

بزاس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر اور تبدل ناممکن ہے، جیساکہ اس سے پہلے "قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم" کے ضمن میں آیاتِ قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے، سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے:۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ ہلاکت
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ	کا انتظار کرتے ہیں، کہدے کہ انتظار کرو،
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ	میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں،
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا	پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا	ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (یونس ۱)	ہے، ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہدایت

ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں، ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوتِ تاثیر استجابتِ دعا، تائید و نصرت، اور پیشین گوئی کا تھا، اسی غیر معمولی قوتِ تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش لوگوں کو آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے،

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ	اس قرآن کو نہ سنو اور اس
وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ	میں شور وغل کرو، شاید تم

تُقْلَبُوْنَ، (حم السجدہ ۵) غالب آؤ،

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کر کے لوگوں کو سننے نہ دیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استجابتِ دعا کا بھی کفار کو بدرجۂ اتم یقین تھا، ایک دفعہ صحنِ حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپؐ نے ان پر بددعا کی تو بخاری و مسلم میں یہ تصریح ہے، کہ وہ اس کو سُن کر کانپ اٹھے[۱] ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپؐ کے پاس آکر کہا کہ "محمد تمہاری قوم ہلاک ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ان سے دور کرے[۲]" چنانچہ آپؐ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی، اسی طرح آپؐ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا، یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جب اُمیہ کو حضرت سعدؓ انصاری کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے، تو وہ گھبرا اٹھا، اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ "محمد کی پیشین گوئی تمہیں یاد نہیں[۳]"؟ فتحِ روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی، بہت سے لوگ اس نشانِ صداقت سے ہدایت پاکر مسلمان ہو گئے[۴]،

---

[۱] صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء و مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین [۲] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [۳] صحیح بخاری اول کتاب المغازی [۴] ترمذی تفسیر سورہ روم،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے عجائبات بھی قریش کی نظروں سے گذر چکے تھے، وہ بار بار آپؐ پر حملے کی تیاریاں کرتے تھے، اور ناکام رہتے تھے، ایک دفعہ ابوجہل نے یہ ناپاک ارادہ کیا، اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ڈر کر پیچھے ہٹ گیا، ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے یہ نظر آیا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے، اور چند پر دار ہستیاں کھڑی ہیں[1]،

العرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے، جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبولِ حق کی صلاحیت پیدا ہو،

شق قمر آخری نشانِ ہدایت تھا ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لئے سب سے آخری[2] اور فیصلہ کن نشان شقِ قمر تھا، جس کے بعد آیاتِ ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا، احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپؐ سے معجزہ کے طالب تھے تو آپؐ نے اُن کو شقِ قمر کا معجزہ دکھایا، چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزے سے بھی ہدایت نہ ملی، بعضوں نے کہا محمدؐ نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے،

---

[1] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبہم، [2] ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول الٰہی کے مطابق اولاً ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہوگا، لیکن سیر و مغازی اور کتب حدیث کا مطبوعہ ذخیرہ اس دعویٰ کے ثبوت اور انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثنا میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدرآباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورۂ قمر کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ تصریح ملی کہ نشان قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حاکم کی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں انکی تصدیق کی ہے، اور یہی بیہقی میں بھی لکھا ہے کہ روایت عبد الرزاق … (مستدرک ج ۲ ص … حیدرآباد)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ قیامت کا وقت قریب آگیا اور چاند شق ہو گیا

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا ۝ اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منھ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو ہمیشہ

(قمر - ۱) سے ہوتا آیا ہے،

اب خداوند ذوالجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی، یعنی اس کے قہر و غضب نے ان غیر صلاحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنتِ الٰہی جو تمام گذشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی تھی، یعنی یہ کہ معجزوں کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرضِ محتم ہو جاتی ہے، وہ قریش کے حق میں بھی جاری ہوئی،

گذشتہ دستورِ الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لئے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی،

(۱) مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہر مکہ سے ہجرت،

(۲) ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا،

چنانچہ ہجرت سے پہلے شقِ قمر کا نشان ظاہر ہوا، اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے روسا اسلام نہ لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا، اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آگیا، صحابہ میں اسرارِ نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے، (مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۶)

اور مسند ابن حنبل (جلد اصفحہ ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا، اب ضرور ہلاک ہو جائیں گے، چنانچہ اُذِنَ لِلَّذِینَ والی قتال کی آیت نازل ہوئی۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہلاکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قریش کو تقریباً ۱۳ برس تک دعوت دی، اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی اور آیاتِ ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے، بالآخر شق القمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گذرا اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسری قوموں پر آچکا تھا یعنی قبیلۂ قریش میں سے وہ افراد صالحہ جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے انھوں نے حق کو قبول کر لیا اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قبولِ حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے، یا وہ ضعفاء تھے جو ان رؤسار کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے اور اس لئے ضرورت ہوئی کہ اُن رؤسار کے وجود سے ارضِ حرم کو پاک کیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہ تھا، بازار اور راستہ میں شریروں نے آپ کو پتھر مارے یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے، آپؐ مکہ واپس آرہے تھے کہ فرشتہ جبال نے آپؐ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو چکنا چور کر دیا جائے، رحمتِ عالم اب بھی

---

[1] نسائی کتاب الجہاد اور ترمذی تفسیر آیتِ بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے، "س"

مایوس نہ ہوئے، اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ ہلاک ظاہر نہ ہو، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو، صحیح بخاری و مسلم میں ہے، کہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! احد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون تھا؟" آپؐ نے فرمایا وہ دن جب میں نے وطائف کے سردار) عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا، میں مغموم واپس آرہا تھا کہ فرشتۂ جبال نظر آیا، اور اس کے بعد آپؐ نے کفار کی ہلاکت کے لئے فرشتۂ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا،[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کو ایامِ مصائب کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت فرماتے ہیں، بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپؐ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ تکالیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپؐ پر آئی ہیں، بلکہ اس لحاظ سے آپؐ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے ہیں کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی، اور اب معجزۂ ہلاک اُن کے سر پر تھا، اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا صدمہ تھا، تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دیدی گئی تھی، اور وہ نادان استہزا کرتے تھے، جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں، کفارِ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر کہتے تھے، جس عذاب کی دھمکی دیجاتی ہے وہ کیوں نہیں آتا، ؟ اگر تم میں قدرت ہو تو وہ عذاب لاؤ، اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو،

---

[1] مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین وبخاری کتاب بدء الخلق،

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ	اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے
مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ	کوئی نشان کیوں نہیں اترتا، اے پیغمبر! کہدے
فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ	کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے، تم اس کے
(یونس - ۲)	ظہور کا انتظار کرو ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں

کبھی آکر کہتے

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ	یا جیسا تم کہا کرتے ہو، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے
عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَ	کرکے ہم پر گرا دو یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے
الْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا، (بنی اسرائیل)	سامنے لے آو،
لَّوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِن كُنتَ	اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں
مِنَ الصَّادِقِينَ، (حجر - ۱)	کو لے آتے،

خدا نے جواب میں کہا،

وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنظَرِينَ ہ	جب فرشتے آجائیں گے تو پھر انھیں مہلت
(حجر)	نہ دی جائے گی،

کفار قریش کو معجزۂ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشینگوئی سراسر جھوٹ ہے خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی آمد کی برکات ختم نہ ہو جائیں یعنی تمام افراد صالحہ الگ نہ ہو جائیں گے عذاب نہیں آئے گا،

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ	اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے، بھلائی

قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

(رعد - ۱)

سے پہلے بُرائی حالانکہ ان سے پہلے گذشتہ قوموں میں اس قسم کے واقعات گذر چکے ہیں، اور تیرا رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود اُن کو معاف کرتا ہے، اور تیرا رب بڑے عذاب والا بھی ہے،

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کو ذکر کر کے کہتا ہے،

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَاۗءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝

(شعراء - ۱۱)

وہ نہ مانیں گے اس کو جبتک دکھ کا عذاب نہ دیکھ لیں گے، پھر یہ عذاب اچانک اُن پر اس طرح آجائیگا کہ ان کو خبر نہیں ہونے پائیگی، تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب جلد مانگتے ہیں، بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی دیا، پھر ان پر وہ عذاب آگیا جس کا وعدہ تھا، تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام آئیگی، ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا لیکن اسکو ڈر سنانے والے پہلے موجود تھے،

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈر سنانے والا مامور ہوا کرتا ہے، قریش میں بھی ایک ڈر سنانے والا آیا، اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے، سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے،

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا	تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں، اور وہ
وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ	گنہگار تھیں، اور اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھی
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ	پڑی ہیں اور کتنے کنویں بے کار پڑے ہیں
وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا	اور کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران
فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ	ہیں، کیا یہ کافر زمین میں چلے پھرے نہیں
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ	ہیں کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے
بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ	سمجھتے، یا کان ہوتے جن سے سنتے، کیونکہ
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ	آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں (کہ ان کو
فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْ	یہ عبرتناک مناظر سوجھائی نہ دیتے ہوں)
نَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ	مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں، جو سینوں
اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ يَوْمًا	میں ہیں، اور یہ کافر تجھ سے جلدی مانگتے
عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ	ہیں عذاب، اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ نہ
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ	ٹالے گا، اور تیرے رب کے نزدیک ایک دن

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝
قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا
لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝
(حج ۷)

ایک دن تمہارے ہزار برس کے برابر ہے، اور کتنی
بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل دی،
اور وہ گنہگار تھیں، پھر ان کو پکڑا، اور
میری طرف پھر آنا ہے، کہدے اے لوگو!
میں تو صاف صاف تم کو ڈر سنانے والا ہوں،

قرآن نے رؤسائے قریش کی طرف اشارہ کر کے پوچھا،

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ
الْأَوَّلِينَ (فاطر-۵)

کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار
کر رہے ہیں،

چنانچہ گذشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آگئے، یعنی رسولؐ اور مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی کیونکہ جیسا پہلے گذر چکا ہے، جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا، عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لئے بیتاب تھے پہلے ہی یہ جتا دیا گیا تھا،

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ
الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا
لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا
قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ

اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرانے لگے
ہیں، تاکہ یہاں سے تجھ کو نکال دیں تو یاد
رہے کہ تیرے چلے جانے کے بعد وہ بہت کم ٹھہر
سکیں گے، تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں،

اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ | ان کی یہ سنت ہے اور خدا کی سنت کو تم
لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل) | ہٹا نہ پاؤگے،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش اِدھر اُدھر بیٹھے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا کون مذبح میں جاکر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائیگا، چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے، تو وہ نجاست آپؐ کی پشتِ مبارک پر ڈالدی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے، اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بیخود ہوئے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا، اسی اثنا میں ایک شخص نے جاکر فاطمہؓ کو اطلاع دی، جو اس زمانہ میں بچی تھیں، وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا، تو آپنے سر اٹھایا، یہ پہلا موقع ہو کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رؤسائے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں، اور یہ اس لئے نہیں کہ آپ کے جسم مبارک پر تکلیف پہنچی، بلکہ اس لئے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدہ جمالِ الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے، قرآن نے کہا:-

اَرَأَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا | کیا تونے دیکھا اس کو جو ایک بندہ الٰہی
اِذَا صَلّٰى ۝ (علق) | کو نماز سے روکتا ہے،

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا آخری لمحہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں بد دعا کی، اور اس آخری معجزۂ ہلاک کی درخواست کی، مگر پھر بھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت دیکھئے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح پوری قوم تباہی و بربادی کی دعا نہیں مانگی بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بد دعا کی، اور اُن میں سے بھی سات رئیسوں کے نام لئے اور فرمایا "خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے، خداوندا! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ بن معیط، امیہ بن خلف ولید بن عقبہ اور ابی بن خلف کو پکڑ" یہ بد دعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے،[1]

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ کو بتائی گئی،[2]

رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ	خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا، اور
وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ	خوبی سے نکال، اور اپنے پاس سے مجھے
لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۔	ایک مدد کرنے والی طاقت عطا کر،

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی،

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، اِنَّ الْبَاطِلَ	حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل
كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۹)	مٹنے ہی کو ہے،

انبیاء کی سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت

---

[1] بخاری اور مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین [2] ترمذی تفسیر آیت مذکور (بنی اسرائیل) اور مستدرک حاکم (باب الہجرۃ) میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے،

فرمائی، اور جس دن کا انتظار تھا وہ آگیا، قرآن نے کہا کہ رؤسائے قریش پر آیتِ عذاب کے نازل ہونے کے لئے ہجرت کا انتظار تھا وہ ہو چکی، اور اب کوئی مزید انتظار نہیں ۔

وإذ يمكر بك الذين كفروا
ليثبتوك أو يقتلوك أو يخرجوك
ويمكرون ويمكر الله والله
خير الماكرين ۝ وإذا تتلى عليهم
آياتنا قالوا قد سمعنا لو نشاء
لقلنا مثل هذا إن هذا إلا
أساطير الأولين ۝ وإذ قالوا
اللهم إن كان هذا هو الحق
من عندك فأمطر علينا حجارة
من السماء أو ائتنا بعذاب
أليم ۝ وما كان الله ليعذبهم
وأنت فيهم وما كان الله معذبهم
وهم يستغفرون ۝ وما لهم
ألا يعذبهم الله وهم يصدون
عن المسجد الحرام وما كانوا

اور جب (اے پیغمبر) منکرین داؤ کر رہے تھے
تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں یا
مار ڈالیں، یا جلاوطن کر دیں، وہ داؤ کرتے
ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے، اور خدا داؤ
کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے، اور جب
ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں
تو کہتے ہیں، ہاں ہم نے سنا، اگر چاہیں تو
ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں، یہ تو فقط اگلوں
کی کہانیاں ہیں، اور جب وہ کہتے ہیں کہ اے
خدا اگر یہ قرآن حق ہے، تو ہم پر پتھروں کی
بارش کر یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا،
اور خدا اُن پر (ہجرت سے پہلے) کیونکر عذاب
کرتا جب کہ تو اُن میں تھا، اور خدا اُن پر
عذاب کرنے والا نہیں ہے، اور آنحالیکہ وہ
مغفرت چاہتے ہوں، اور خدا ان پر عذاب

اَوْلِيَاءَهٗ اِنْ اَوْلِيَاؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ○	کیوں نازل نہ کریگا جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں
(انفال ۴.)	اسکے مستحق صرف پرہیزگار ہیں)

غزوۂ بدر معجزۂ ہلاک تھا | جس طرح دوسری قوموں کے لئے مختلف معجزاتِ عذاب آئے، اسی طرح جس قوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، اس کے لئے غزوۂ بدر، معجزۂ عذاب تھا، ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے پہلے قریش پر قحط کا عذاب آیا جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا، آسمان کی طرف دیکھتے تھے، تو دھواں سا نظر آتا تھا، بعض روسائے قریش نے خدمتِ نبوی میں آکر کہا کہ "محمدؐ! تم رحمت و شفقت اور صلۂ رحم کی دعوت دیتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی، مگر پھر قریش کی سرگرانی کا وہی عالم ہو گیا، تو اُن کے لئے معجزۂ عذاب کے سوا کوئی اور طریقۂ علاج باقی نہ رہا، چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کا بطشۂ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لئے ہلاکت کی نشانی قرار پائی، قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا تھا، میں پہلے اس قحط کی، پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی تھی؛

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ	اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف
مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ	دھواں کرلائے جو لوگوں کو گھیر لے، اس
اَلِيْمٌ، رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ	وقت کہا جائیگا یہ ہے دکھ کی مار، تب گڑگڑائینگے

اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى	کہ خداوندا! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، ہم
وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ	ایمان لاتے ہیں، کہاں ہے، ان کے لئے سمجھنا
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ	حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول
مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ	آچکا، تو اس سے پیٹھ پھیری اور کہا کہ سکھایا
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ يَوْمَ	ہوا دیوانہ ہے، اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لئے
نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا	عذاب دور کر دیتے ہیں تم پھر وہی کرنیوالے
مُنْتَقِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا	ہو انتظار کرو، اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ
قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۝	پکڑیں گے ہم بدلہ لینے والے ہیں، اور ان سے
(دخان - ۱)	پہلے ہم فرعون کی قوم کو آزما چکے ہیں،

ان آیاتِ کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے، اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطشِ اکبر، ان رؤسائے قریش کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے، جو فرعون کے لئے غرقِ بحر کی حیثیت تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ "یہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں، قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی کہ "اے خدا! ان پر حضرت یوسفؑ کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر" چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا اڑتا نظر آتا تھا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر دعا کی درخواست کی چنانچہ آپ نے دعا کی، اور بارش ہوئی،

خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آجائیں گے یعنی ایمان قبول نہ کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بطشۃ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر[1] یاد ہوگا کہ صحن حرم میں رؤسائے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، آپ نے اُن کا نام لے لیکر ہر ایک کے حق میں بد دعا کی تھی، اس سے پہلے غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے ہجرت کے بعد ہی آپ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا، بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے، ابو جہل نے ان کو روکا، امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا، حضرت سعدؓ نے کہا "امیہ تم دخل نہ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے،" یہ سن کر امیہ ڈر گیا، چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا، لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے دامن تھام لیا، اور کہا کہ "کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں[2]"؟

جب غزوۂ بدر کے لئے آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گذر چکی ہے، مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں، ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گذر کر مکہ کو جا رہا تھا، دوسرا رؤسائے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلا تھا، خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی، عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ اُن کے ہاتھ آئے گا، لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [2] ایضاً کتاب المغازی،

نہیں، بلکہ اس بطشۃ الکبریٰ کا دن ہے، جس کا بارگاہِ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا، رات کو جب مسلمان بدر کے پڑاؤ پر پہنچے ہیں تو انھیں یہ فکر ہوئی کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ مسلمان مجبز ادھر ادھر گئے اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے، اور اس سے قریش کے قافلہ کا حال پوچھنے لگے، اس نے جواب دیا کہ قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں، البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے، یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا کہ یہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے، مار کھانے پر اس نے کہا "اچھا ٹھہرو قافلہ کا حال بتاتا ہوں" جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے، تو وہ پھر یہی کہتا کہ مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں، البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مصروف تھے، اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا "جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے، تو تم مارتے ہو" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قریش کی تباہی کا دن ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہ عتبہ کا ہے، یہ ابی کا ہے، وغیرہ" راوی کہتا ہے کہ آپ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا، ایک سرِ مو فرق وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا، اور معرکۂ جنگ میں وہ وہیں مرا پڑا ملا، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو صحن حرم کی بددعا کے دن موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ نے بددعا کی تھی، کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے[1] اور بطشۃ الکبریٰ کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی،

سورۂ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ

---

[1] یہ دونوں واقعے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں،

ظاہر کر دیا ہے، کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا،

وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ	اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ	مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے،
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ	تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے، اگرچہ
(انفال - ۱)	گنہگار اس کو پسند نہ کریں،

وسط سورہ میں فرمایا:-

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ	یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور
مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	ان سے پہلوں کا کہ انھوں نے اپنے پروردگار
فَأَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ	کی نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں
(انفال - ۷)	کے سبب سے اُن کو ہلاک کر دیا،

یہ فیصلہ کا دن تھا،

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ	اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا
الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (انفال ۵)	جس دن دونوں لشکر آمنے سامنے بھڑے،

اور یہ سب اس لئے ہوا کہ

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا	تاکہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے مقرر
(انفال - ۵)	کیا جا چکا تھا،

نکتہ:- بدر کے میدان میں جب تین سو بے سروسامان مسلمان ایکہزار لوہے میں

غرق فوج سے مقابل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کی بد دعا مانگی، جیسی حضرت نوحؑ نے طوفان سے اور حضرت موسیٰؑ نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لئے مانگی تھی، حضرت نوحؑ نے کہا "خداوندا! اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی، اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرا نام لینے والا پیدا ہوگا" حضرت موسیٰؑ نے کہا "خداوندا! ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے" لیکن اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ "خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر، اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ ملے گا"

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہلِ توحید کی فتح و نصرت کی، دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں،

حاکم نے مستدرک (جلد ۳ صفحہ ۲۱) میں بہ روایت صحیحہ نقل کیا ہے، کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے، اور آپ نے ان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، اور مختلف صاحبوں نے مختلف رائیں پیش کیں، تو آپ نے فرمایا "یہ کفار قریش اپنے انہی بھائیوں کی طرح ہیں، جو ان کے پہلے تھے، (یعنی گذشتہ انبیاء کی امتوں میں) نوحؑ نے دعا کی کہ "خداوندا! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ" موسیٰؑ نے کہا، "ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو میٹ دے، اور اُن کے دلوں کو سخت

کر دے۔" ابراہیمؑ نے فرمایا "جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو خدا غفور و رحیم ہے۔" عیسیٰؑ نے کہا "الٰہی! اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو اُن کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے، تو تم میں سے کوئی "زرفدیہ" یا اپنا سر دیئے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔"

اس روایت سے ہمارے اصولِ مذکورہ کی حرف حرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ :-

(۱) بدر قریش کے لئے ویسا ہی عذابِ ہلاکت کا دن تھا، جیسا گذشتہ قوموں پر ہلاکت کے دن آیا کئے ہیں،

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاءؑ کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے، ایک وہ جنھوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا، مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے، دوسرے وہ جنھوں نے نرمی کا اظہار کیا مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی،

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز

گذشتہ صفحات میں انبیاءؑ کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں، اُن سے خود سحر و معجزہ کا فرق اور ساحر و

پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، سحر و شعبدہ میں صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد، تعمیر اور تخریب، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں، ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحیر کردے، لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے اُن حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، پیغمبر، بشیر، نذیر، مزکی، ہادی، سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے، ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے، اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا کوئی اور ممتاز بات اُس کے اندر نہیں ہوتی،

قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں اُن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا، اور تخئیل اور نظربندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا، ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا منتہا یہ بیان کیا ہے،

مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ	سحر کا وہ فن سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور
زَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ	اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ	یہ کسی کو حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے
وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا	اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی
يَنْفَعُهُمْ (بقرہ ۷-۱۲)	ہے اور نفع نہیں پہنچاتی،

غرض سحر و جادو کوئی موثر حقیقی شے نہیں، سورۂ طٰہٰ میں نہایت تصریح کے ساتھ

یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں،

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ - ۳)

پھر ناگاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں،

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصائے اعجاز ڈالدو، نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا، اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى، (طٰہٰ - ۳)

ہم نے کہا موسیٰ! ڈرو نہیں، تم ہی سربلند رہو گے، تمھارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو، وہ اُن کی صنعت کاری کو نگل جائیگا، بیشک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی، وہ جادوگر کا فریب تھا اور جادوگر جدھر سے بھی آئے وہ فلاح نہیں پا سکتا،

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا، وہ یہی ہے کہ نبی **فلاح** پاتا ہے، اور جادوگر **فلاح** نہیں پاتا، نبی کے تمام اعمال، مساعی، جد و جہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے، اور جادوگر کا مقصد صرف فریب، دھوکا اور شر ہوتا ہے، دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے، حضرت موسیٰؑ مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں،

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ، اِنَّ اللّٰهَ

جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، اللہ اس کو

سَيُبْطِلُهٗ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ　　باطل کر دے گا، بیشک اللہ شریروں کے

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس - ۸)　　کام کو نہیں سنوارتا،

یعنی سحر و جادو ایک آنی تماشا ہوتا ہے، اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں، فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب جادو کے کرشمے ہیں، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا،

اَسِحْرٌ هٰذَا ط وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ　　کیا یہ جادو ہے، اور جادو کرنے والے تو

(یونس - ۸)　　فلاح نہیں پاتے،

غرض فلاح اور عدم فلاح سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے، کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر، اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے، یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے، نہایت آسان ہے، اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے قول کے مطابق کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ مشکل نہیں، خدا نے کہا "ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں"؟

عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ　　شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر، لا ڈالتے

وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (شعراء - ۱۱)　　ہیں وہ سُنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں،

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اُس کی اخلاقی زندگی ہے، علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور دائمی زندگی عطا نہیں ہوتی،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ	جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ
الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ہ مَتَاعٌ	فلاح نہیں پاتے، چند روزہ کامیابی او
قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (نحل ۱۵)	ان کے لئے دردناک عذاب ہے،

معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے	معجزات و دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہو، قرآن مجید نے انکے اوصاف و شرائط بیان کئے ہیں،

(۱) سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو، اگر اُس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی، اس کے لئے اس کی ضرورت ہو کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھکر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کرے، اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہوگی،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ	کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہی آسمانو
وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ	میں اور زمین میں، اور کچھ کام نہیں آتیں
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ	نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے
(یونس - ۱۰)	جو ایمان نہیں رکھتے؛

(۲) دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی، وہ خودی اور تکبر ہے، معاندین چونکہ عموماً دولتمند روسا، اور مدعیانِ عقل و خرد ہوتے ہیں

اس لئے ان کا جذبۂ انانیت اور ترفع اُن کو داعیانِ حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے، اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں، معاندین نے ہمیشہ انبیاءؑ کو کہا "اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ" یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے، کیا ہم اس کی پس روی قبول کرلیں؟" مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کے بنا پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا، اور ان کو گوناگوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی،

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ	پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارونؑ
هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ	کو نشانیاں اور کھلی قوت دیکر فرعون
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا	اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ، فَقَالُوْٓا	انھوں نے غرور کیا، اور وہ مغرور لوگ
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ	تھے، تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنی ہی طرح
قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ،	کے آدمیوں پر ایمان لائیں، درآنحالیکہ انکی
(مومنون-۳)	قوم ہماری رعایا ہے،

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کے نسبت اپنا فیصلہ سنادیا،

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ	ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے
يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ	سے پھیر دینگے، جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں،

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا (اعراف - ۱۷)
اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے،

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے سردار، اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لئے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی، وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ہوتی بھی تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝ (زخرف - ۳)
اور انھوں نے کہا یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا،

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے، وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے، بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں،

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ (رعد)
اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری کہدے کہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہی، اور اسی کو جو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے رجوع ہوتا ہے،

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی سے زیادہ نہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمرہی اور شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے،

مشرک جو کسی مذہبِ حق کو نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں ان کا یہی حال ہے،

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ	اور (اے پیغمبر) اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی
الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا	لائے تو وہ جو منکر ہیں، کہیں گے کہ تم فریبی ہو،
مُبْطِلُونَ ۝ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ	اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر
قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (روم-۶)	کر دیتا ہے، جو علم نہیں رکھتے،

اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے طلب ثبوت میں یہ کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر برحق تسلیم نہ کریں گے جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے اُن پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے، قرآن کہتا ہے کہ فرض کرو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جا سکتی ہو، تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھائے تھے، پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے، اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے،

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا	تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس
قَالُوا لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ	آئی تو انھوں نے کہا کیوں نہیں محمد کو ویسی
مُوسَىٰ ۚ أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ	ہی چیز دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی کیا
مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالُوا سِحْرَانِ	موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی اس کا انکار منکرین
تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ ۝	پہلے نہیں کر چکے، انھوں نے کہا کہ یہ جادوگر ہیں
(قصص-۵)	جو باہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اور ہم

ان سب کا انکار کرنے والے ہیں،

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے

قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت اور رہنمائی ہے۔ کہ مدعی جو پیغام اور جو احکام پیش کرتا ہے، وہ انسانوں کو فلاح، نجات اور رشد کی طرف لیجاتے ہیں، اور جو ان سے انکار کرتے ہیں وہ ظالم اور خود سر ہیں، ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی،

قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ه فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ط وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	کہدے (اے پیغمبر!) کہ اگر تورات اور قرآن دو نوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم سچے ہو تو ہدایت میں ان سے بڑھ کر کوئی کتاب الٰہی لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں، تو اگر وہ تمہارے اعلان کے مطابق نہ کر دکھائیں تو جان لے کہ یہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے، جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے، اللہ خود سر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا،
(قصص - ۵)	

آیات و دلائلِ نبوی

کی

تفصیل

"معجزہ" کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مافوق فہم بشری سوانح و واقعات کی تفصیل کی جائے، یہ سوانح و واقعات دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں، اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں، ہم نے ان کا نام خصائص النبوۃ رکھا ہے، دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالاتِ زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں، اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو اُن کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف ابواب میں منقسم کر دیا ہے، پہلے میں وہ معجزانہ واقعات ہیں جو بنص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں، دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں، اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو تو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں،

اس کے بعد کتبِ سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں، اور سب سے آخر میں خصائصِ محمدیؐ کا باب ہے، اس تفصیل کے مطابق آیندہ اوراق کی ترتیب کی حسبِ ذیل صورت ہوگی،

۱۔ خصائص النبوۃ،

۲۔ وہ آیات و دلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

۳۔ صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات و دلائل ثابت ہیں،

۴۔ غیر مستند روایتیں اور اُن پر تنقید،

۵۔ کتبِ سابقہ کی بشارتیں،

۶۔ خصائص محمدیؐ،

خصائص النبوۃ

دنیا میں ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے، وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اُس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی، اسی طرح **نبوت** کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں، جو اس کے لیے بمنزلہ لوازم حقیقت کے ہیں، چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں، وہ ان خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے، ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں، ان کو نظر آئی ہیں، عامۂ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے، وہ ان کو سنائی دی ہیں، ملائکۂ الٰہی خدا کے قاصد بن کر ان کے پاس آئے ہیں، صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب اور بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے، کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں،[1] لیکن ان کے دل نہیں سوتے، اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب توحید باب وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا۔ [2] صحیح بخاری باب الاعتصام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الرسل اور خاتم النبیین تھے، اس لیے ان خصوصیات میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ کو عنایت ہوا تھا، اسی لیے مکالمۂ الٰہی، نزولِ ملائکہ، مشاہدۂ خواب و بیداری وغیرہ خصائصِ نبوت کے واقعات آپ کی سیرت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں، مختلف انبیاءؑ میں ان خصائص کا کم و بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ	ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے
عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ	فضیلت بخشی ہے، ان میں سے بعض سے
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ	خدا نے باتیں کیں، بعضوں کے رتبے
وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ	بلند کیے، اور مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کو ہم نے
وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ	کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس
(بقرہ - ۳۳)	کے ذریعہ سے اس کی تائید کی۔

دیکھیے کہ مکالمۂ الٰہی، رفعِ درجات، عطائے نشان، تائید بروح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ اُن میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی، بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصہ وافر دیا گیا تھا، اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی، اس لیے ہر پیغمبر کی طرف اُس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے، جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا، اس سے یہ مقصود

نہیں کہ نبوت کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا،

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزول ملائکہ پر دیا ہے، ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف یہی کی ہو کہ ایک ایسا انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لیے منتخب کیا ہو، اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو، چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىٓ اِلَيْهِمْ (یوسف - ۱۲)	اور ہم نے اپنا قاصد بنا کر تم سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا لیکن وہ انسان تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی

نزول ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو اس لیے اتارتا ہے تاکہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں .

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (نحل)	خدا اپنی بات کی روح دیکر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے

ان کے علاوہ رویت و مشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال و مشاہد کا بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانح زندگی میں اُن کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا، اسفار و کتب الٰہی سے ثابت ہو جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا۔

مکالمۂ الٰہی

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ٥ (شوریٰ)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمۂ الٰہی ہے، قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبۂ ربانی اور مکالمۂ الٰہی کی تصریح ہے، اور مجموعۂ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں،

خدا انبیاء سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی حسبِ ذیل تصریح ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ
مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ ٥)

اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے دوبدو کلام کرے، لیکن وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے جو اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہو، پہنچا دیتا ہے،

اس آیت میں مکالمۂ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، کلام بالوحی، کلام پسِ پردہ اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ، ان ہر سہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقہ کلام سے مشرف کیا گیا ہے، بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پسِ پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے، اسی لیے ان کے فضائل میں تکلّمِ الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے، مثلاً حضرت موسیٰؑ کہ

اُن کی شان میں

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء) اور خدا نے موسیٰؑ سے باتیں کیں،

کی تصریح ہے، ان کو وادی سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی، سورۂ بقرہ میں اس خاص طریقۂ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے، چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا،

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (بقرہ) ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقۂ کلام سے مشرف کیا، اس لیے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دوسرے انبیاءؑ بھی شریک ہو سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکالمۂ الٰہی کے تینوں مذکورۂ بالا طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے، بلکہ واقعۂ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے، جہاں حبیب و محبوب کے درمیان قاصد و پیامبر سے بیگانہ تھے، جہاں زمان و مکان او جلوہ و نگاہ کی شرکت بھی مخلِ تنہائی تھی، جہاں نہ کوہ سینا تھا، نہ برق طور، دشت یمن تھا، نہ نخل وادی، صورت سرمدی سامعہ نواز تھی، اور حقیقت محمدیؐ گوش سامع،

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے چپ چاپ باتیں کیں جو باتیں کیں۔

وحی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى ۝ (نجم)

گو مکالمۂ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمۂ الٰہی کی تمام صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو گئی ہیں، وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں:

الوحی، الاشارۃ والکتابۃ والرسالۃ	وحی کے معنی اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا
والالہام والکلام الخفی وکل ما	دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم
القیتہ الی غیرک (لسان العرب)	دوسرے کے خیال میں ڈالو،

لکھنا، عجاج کا شعر ہے،

حتی نحاھم جدنا والناحی

لقدر کان وحاہ الواحی

خط اور کتاب، لبید کہتے ہیں

فمدافع الریان عری رسمہا خلقا کما ضمن الوحی سلامھا

توریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہو کر ایسے دھندلے ہو گئے جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت

حکم دینا، عجاج کہتا ہے:-

وحی لہا القرار فاستقرت　　　　　وشدّ ھا بالراسیات الثبت

زمین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی　　　　　اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا

چھپا کر بات کرنا، ابو ذویب کا شعر ہے

فقال لہا وقد اوحت الیہ　　　　　الا للہ امّک ما تعیف

اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کا کیا کہنا وہ کیا فال بدلیتی ہے

اشارہ کرنا،　　　　یوحی الیہا بانقاض ونقنقۃ

وہ مرغ اس مرغی کی طرف کڑکڑا کے اشارہ کرتا ہے

آواز، ابو زبید　　　　مو تجزا الجوف یوحی اعجم

گھوڑے کے پیٹ سے نہ سمجھنے والی آواز آتی ہے،

لیکن اہلِ لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنیٰ "دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں" کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ وحیت الیہ بالکلام و اوحیہ الیہ ھو ان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہ" یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ" ابو اسحاق لغوی کہتا ہے و اصل الوحی فی اللغۃ کلہا اعلام فی خفاء وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں چھپا کر اطلاع دینے کے ہیں"

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے اندر تین معنوں میں آیا ہے،

۱۔ فطری حکم،

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (نحل)	تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو "وحی" کیا
بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (زلزال)	اسلیے کہ تیرے پروردگار نے زمین "کو وحی کیا

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں،

وحی لها القرار فاستقرت　　　وشدها بالراسیات الثبت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی "وحی" کی تو وہ ساکن ہوا اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے

۲- دل میں بات ڈالدینا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ	اور جب میں نے حواریوں کو "وحی کیا کہ مجھ پر
اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ (مائدہ)	اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ،
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ	اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کیا کہ
اَرْضِعِيْهِ (قصص ۱)	اس بچہ کو دودھ پلاؤ

۳- چپکے بات کرنا،

يُوْحِىْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ	یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات
زُخْرُفَ الْقَوْلِ (انعام)	وحی کرتے ہیں"
وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ	اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں
اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ (انعام)	کو وحی کرتے ہیں،

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ "منھ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا" یا اگر الفاظ ہوں تو وہ اسقدر

پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں"۔ اس لیے اشارہ کرنا، لکھنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری، خط اور کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا سب اس کے معنوں میں داخل ہیں، بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے، وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے، چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمۂ الٰہی اور وحی کا آغاز رویا اور خواب سے ہوا، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے[۱]۔

اوّل مابدئ به رسول اللّٰہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی
صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الوحی الرویا	کا آغاز اچھے خواب سے ہوا، آپ جو
الصالحة فی النوم فکان لایریٰ	خواب دیکھتے وہ صبح کو روشنی کی طرح
رویا الاجاءت مثل فلق الصبح	ظاہر ہوتا تھا،

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا،

احیانا یاتینی مثل صلصلة	کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور
الجرس وھو اشدہ علی فیفصم	یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت
عنی وقد وعیت عنه ماقال	دور ہو جاتی ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسکو

[۱] باب بدء الوحی و کتاب التعبیر،

واحیانا یتمثل لی الملک رجلا — محفوظ کرلیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ (جبریل)

فیکلمنی فاعی مایقول — میرے لیے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اسکو میں محفوظ کرلیتا ہوں،

صلصلۃ الجرس، یعنی" گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز کا آنا" اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتفِ غیب یا منادیِ غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں، یعنی یہ کہ آواز سنائی دے، لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے، بانگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ سکتا ہے، حالانکہ جرس یا اس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے، اسی طرح پیغمبر کبھی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے لیکن کوئی مجسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی، اسی کے بالمقابل آپ نے وحی کی دوسری صورت بیان فرمائی کہ بولنے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے اور وہ باتیں کرتا ہے،

حدیثوں میں طریقۂ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا

ان روح القدس نفث فی روعی — روح القدس نے میرے دل میں پھونکا

اور کہیں یہ صیغۂ مجہول کے ساتھ آیا ہے،

نفث فی روعی — میرے دل میں پھونکا گیا۔

حافظ ابن قیمؒ نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھکر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں:

۱۔ رویائے صادقہ، سچ خواب دیکھنا،

۲۔ نفث فی الروع یا القاء فی القلب، دل میں پھونکنا، یا دل میں ڈالنا،

۳۔ صلصلة الجرس، گھنٹہ کی طرح آواز آنا،

۴۔ تمثل فرشتہ کی کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا،

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا،

۶۔ وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا،

۷۔ بلا واسطہ مکالمہ،

صحیح بخاری، بدءالوحی میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تیسری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، اور وہ شدت جاتی رہتی ہے، آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "وحی اترنے کی حالت میں میں نے آپ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبین مبارک عرق آلود ہو جاتی تھی[۱]" ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ "وحی کی حالت میں آپ پر شدت کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ہوئی اور وحی کے بوجھ سے جاڑوں میں آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ڈھلکنے لگے[۲]"۔ صحابہ کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا، سواری کے

۱؎ بخاری بدءالوحی ۲؎ بخاری واقعۂ افک

اونٹ بیٹھ بیٹھ جاتے تھے[1] حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا زانوں زانوئے مبارک کے نیچے دبا تھا، مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا زانوں بوجھ سے ٹوٹ جائیگا،[2] یعلیٰ بن امیہؓ ایک صحابی تھے، ان کو بڑا شوق تھا کہ ایک دفعہ نزول وحی کے عالم میں وہ آپ کی زیارت کرتے۔ اتفاق سے حج کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوگئی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا ہے، اور آپ خراٹے لے رہے ہیں، تھوڑی دیر میں یہ حالت دفع ہوگئی،[3]

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو بے چینی ہوتی، چہرہ کا رنگ بدل جاتا، آپ سر جھکا لیتے، صحابہ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے، وہ بھی سر نیچے کر لیتے، وحی کے بعد آپ سر اٹھاتے۔[4]

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلی وحی غار حرا میں آئی، اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی، اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ کی ابتدائی آیتیں اس کتب کا اولین درس تھا، اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا، آپ کو سخت صدمہ ہوا، ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں،

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ٥ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى	قسم ہے دن کی جبکہ وہ پوری روشنی پر ہو اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سنسان ہو جائے کہ تیرے پروردگار نے تجھکو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھا لی،
(والضحیٰ)	

[1] مسند ابن حنبل بسند عائشہؓ و مستدرک حاکم تفسیر سورۂ مزمل [2] صحیح بخاری و جامع ترمذی تفسیر سورۂ نساء
[3] صحیح بخاری کتاب الحج و باب کیف نزل الوحی [4] صحیح مسلم باب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورۂ والضحیٰ اور باب کیف نزل الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ بیمار تھے، چند روز راتوں کو اٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا، کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا ہے۔" اس پر یہ سورہ نازل ہوئی، اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ "تمھارے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔

تمام محدثین[1] کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلۂ وحی کے رک جانے (فترہ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، آپ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی، آپ نے ادھر دیکھا ادھر دیکھا، کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا، آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا کہ مجھے کمل اوڑھاؤ، اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ	اے گلیم پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (سورۂ مدثر)	ڈرا، اپنے رب کی کبریائی بیان کر۔

[1] اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزل الوحی) کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں، مگر اجماع عام یہ ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے، وہ آیتیں فترۂ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی[1] اور اس کا تار اُس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیاتِ طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا، یعنی چالیس[1] برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ۲۳ برس نزولِ وحی کے ہیں، حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہوگئی تھی،[2] محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی، اطرافِ ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا. احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے، اس لیے مخاطبۂ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی،

صحابۂ کرام رضؓ وفاتِ نبوی کے بعد جب ان ایامِ سعادت کو یاد کرتے تھے، جب مدینہ کی گلیاں روح الامین کی گذرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے، تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہ تھیں ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے تھے. آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، یہ سن کر اُن صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے،[3]

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کی مرادف ہوگئی ہے، دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی و تفسیر سورۂ مدثر [2] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی [3] صحیح مسلم فضائل حضرت ام ایمن رضؓ

اور یا یہ کہ اس کو انسانیت و بشریت کے پر تو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دیدیا ہے، لیکن قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے کہ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہف و فصلت)

کہدو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے کہ تمہارا خدا ایک ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے، وہ چیز آپ کے نفس و ارادہ سے نہیں اٹھتی تھی، بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم - ۱)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے۔

البتہ اس کا مورد اور مہبط آپ کا پاک و منزہ قلب تھا،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ - ۱۲)

اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ، (شعراء - ۱۱)

روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے،

اور یہی مجموعۂ وحی آپ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے، ارشاد ہوا کہ "دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن مجھے جو

چیز دی گئی وہ وحی ہے جو مجھ پہ اتاری گئی ہے[1]

سرمایۂ وحی کی جو دولت اسلام کو ہاتھ آئی، وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیحہ کے اوراق میں مخزون ہے، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اتنا ہی اور"[2] یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جان نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا، اور دوسروں کو سپرد کیا، یعلی بن امیہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑے میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر انتظار کیا، آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا، لوگ اس کو سامنے لائے، آپ نے فرمایا "جو خوشبو تم مل چکے ہو، اس کو تین دفعہ دھو ڈالو، اور اس کپڑے کو اتار ڈالو، پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو"[3]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا "روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے، تو لوگو خدا سے ڈرو، اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ، رزق میں تاخیر تمھیں اس پہ آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی کو تلاش کرو، کیونکہ جو

[1] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی و صحیح مسلم کتاب الایمان [2] ابوداؤد کتاب السنہ [3] صحیح بخاری باب نزول القرآن

خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے[1]"۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایاؐ مجھ سے جبریلؑ نے کہا کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا[2]"۔

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے" "یا خدا نے مجھ سے یہ کہا" لیکن وہ قرآن مجید کے اجزا نہیں ہیں، اسی لیے فقہا نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں، وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے، یعنی قرآن اور وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی، مثلاً وہ احکام و نصائح جو بہ روایت صحیحہ احادیث میں مذکور ہیں، پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواترِ روایت سے ثابت ہے، اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے،

دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے، اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں، بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴ حیدرآباد [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب بدء الخلق،

نزولِ ملائکہ

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (الحج)

لفظ "ملائکہ" کا واحد "ملاک" ہے، جو عربی قاعدہ سے ملک ہوگیا ہے، یہ الوکۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی "پیغام" کے ہیں، اس لیے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں،

ملائکہ الٰہی، خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں، قرآن مجید نے متعدد مقام پر انکو رسل اور رسل اللہ یعنی قاصدانِ الٰہی کہا ہے،

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (الحج - ۱۰)	خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے،

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں، اور اسی لیے خدا نے ان کو مدبرات امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے (سورۂ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں، اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے،

عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ	اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں، اللہ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ، (تحریم - ۱)　　نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں جن کو حکم دیا جاتا ہے ،

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد، ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں، تورات اور انجیل و قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے، حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انھوں نے سجدہ کیا، حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے، حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے، حضرت ہاجرہؑ کو بیابان میں یہ نظر آئے، حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں اُنکا دنگل ہوا، حضرت ایوبؑ کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے، حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انھوں نے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے یہ آپ کی خدمت میں احکامِ الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجودِ اقدسؐ کی محافظت ان کے سپرد تھی، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھا،

ملائکہ کے سرخیل جبریلؑ ہیں، اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں، اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آکر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے،

نزولِ جبریل | "جبریلؑ" عبرانی لفظ ہے، جس کے لغوی معنی "مردِ خدا" کے ہیں لیکن یہ اصطلاحِ شریعت میں اُس فرشتہ کا نام ہے جو خدا اور خاصانِ خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے، توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے،

چنانچہ دانیال (۸-۱۶-۱۹-۲۱) میں اس کی پیغامبری کا بیان ہے، اسی طرح انجیل (لوقا ۱-۱۹-۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریاؑ کے پاس حضرت یحییٰؑ کی بشارت، اور حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بشارت لیکر آیا تھا، قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے درمیانی وحی کا ایلچی تھا وہی جبرئیل تھا۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ	جو جبرئیلؑ کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ (اے
نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ	پیغمبر) اس نے خدا کے حکم سے تیرے
(بقرہ ۔ ۱۲)	دل پر اس کو نازل کیا ہے۔

اور کہیں اسی کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے،

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ	امانتدار روح اس کو لیکر تیرے دل پر
قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ	اتری تاکہ لوگوں کو خدا کے خوف سے
(شعراء ۔ ۱۱)	ڈرانے والوں میں ہو،

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن	کہدے کہ اس کو روح القدس نے تیرے
رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (نحل ۔ ۱۴)	پروردگار کی طرف سے سچائی کیساتھ اتارا ہے،

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے،

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (الحاقہ)	یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے

سورۂ تکویر میں اس "رسول" کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝	یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے جو
ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ	قوت والا ہے اور تخت والے خدا کے حضور میں
مَكِينٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ۝	اس کا اعتبار ہے، اس کی سب اطاعت
(تکویر)	کرتے ہیں، اور وہ امانت والا ہے،

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں،

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ	اُس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور
فَاسْتَوَىٰ (نجم)	بڑی طاقت والے نے تعلیم دی،

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے لیے اَلْمَلَکْ کا لفظ فرمایا ہے، اور ورقہ نے اس کو "ناموس" کے لفظ سے ادا کیا ہے، مَلَک کی اصل جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے، ملاک جو الوکہ سے نکلا ہے۔ اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لیے ملک کے معنی پیغامبر کے ہوئے، اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور رازداں کے ہیں، بہرحال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں جبریلؑ کا نام تین مقام پر آیا ہے، دو دفعہ سورۂ بقرہ میں، اور ایک دفعہ سورۂ تحریم میں، لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں، صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے، اور وہ اس آیت میں،

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ — جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ اس نے تو تیرے

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ ۱۲) — قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے،

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی ذات کی تعبیر (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) روح الامین، روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریلؑ ہی کا لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے،

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریلؑ کی سب سے پہلی آمد اُس وقت ہوئی ہے جب آپ غار حرا میں معتکف تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں رویائے صالحہ سے ہوا، آپ جو رویا دیکھتے تھے وہ سپیدۂ سحر کی طرح (سچا ہو کر) نمودار ہوتا تھا، پھر (طبیعت مبارک میں) تخلیہ پسندیدہ کیا گیا، غار حرا میں جا کر آپ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے، اور عبادت میں مصروف رہتے تھے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لیجاتے تھے، جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے اور پھر نیا سامان لیکر غار میں چلے جاتے، یہانتک کہ حق آپ کے سامنے آگیا، اور وہ فرشتہ آپؐ کے پاس آیا، اور اس نے کہا "پڑھ" آپ نے فرمایا میں "پڑھا نہیں ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" میں نے پھر وہی جواب دیا، اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا، اور چھوڑ دیا، اور کہا کہ "پڑھ" میں نے پھر کہا کہ "میں پڑھا نہیں

ہوں" اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا،

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝	اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے
خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝	انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا،
اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي	پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ	قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو
مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق)	وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ گھر واپس آئے، قلب مبارک پر لرزہ تھا، حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا "مجھے کمل اوڑھاؤ، مجھے کمل اڑھاؤ" لوگوں نے آپ کو کمل اڑھایا، جب آپ کو سکون ہوا، تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے" حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ "ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ قرابتداروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ خود اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں" پھر آپ کو لے کر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں، جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، اور عبرانی یا عربی لکھنا جانتے تھے، (شاید توراۃ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے[1] اور بہت بوڑھے تھے، اور آنکھوں کی

---

[1] دونوں روایتیں ہیں ایک میں ہے کہ عبرانی میں لکھتے تھے، اور دوسری میں ہے کہ عربی میں لکھتے تھے۔

روشنی بھی جاتی رہی تھی، حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ "اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیے،" ورقہ نے کہا "اے میرے بھتیجے ہاں بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بیان فرمایا، ورقہ نے کہا "یہ وہی ناموس" (محرم اسرار) ہے جو موسیٰؑ پر اتارا گیا تھا، اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جب کہ تمہاری قوم تم کو نکال دے گی"۔ آپ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھکو نکالدیگی" اس نے جواب دیا "ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو، اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمہاری ہر طرح مدد کرونگا۔" اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ورقہ نے وفات پائی[1]۔

اس کے بعد جبریلؑ کی آمد رکی رہی، اور آپ بدستور غار حرا میں جاتے رہے، اسی اثنا میں ایک دن آپ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے، تو غیب سے ایک آواز آئی، آپ نے فرمایا "میں نے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھا، پھر نگاہ اٹھا کر آسمان کی طرف کی، تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ میں تخت پر بیٹھا ہے، میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا۔"

اس کے بعد حضرت جبریلؑ کے پے در پے آمد شروع ہوئی۔

---

[1] صحیح بخاری بدءالوحی وکتاب التعبیر وتفسیر سورۂ مدثر میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے، میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لیے یکجا کر دیا ہے، چونکہ استاذ مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا، اس لیے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

جبریلؑ جب وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ جلد جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے، اس پر حکم ہوا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ (قیامہ - ۱)

وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی کے لیے جنبش نہ دو، اس کی حفاظت اور قرأت کا فرض ہم پر ہے،

اس کے بعد جب جبریلؑ نازل ہوتے تو آپ خاموشی سے سنتے اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ اس کو پڑھتے۔

بارگاہِ نبوی میں جبریلؑ کے آنے کا کوئی وقت متعین نہ تھا، صبح و شام، روز و شب، صلح و جنگ ہر وقت فیضانِ الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نصف شب کو سوتے سے اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے، صبح کو آپ نے فرمایا، رات جبریلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جاکر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں۔ غزوۂ بدر میں آپ نے فرمایا کہ "دیکھو یہ جبریلؑ اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں۔" غزوۂ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریلؑ نے سامنے آکر کہا آپ نے ہتھیار کھول دیئے، حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں، اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے، بایں ہمہ سب سے زیادہ جبریلؑ کی آمد آپ کے پاس ماہ رمضان

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] نسائی باب الاستغفار للمومنین [3] صحیح بخاری غزوۂ بدر [4] ایضاً غزوۂ خندق،

میں ہوتی تھی، جس میں وہ ہر روز آکر آپ سے قرآن مجید سنتے تھے، اور خود آپ کو سناتے تھے،[1]

جبرئیلؑ اس وقت بھی آتے تھے، جب آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے، لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا، ایک دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا، اے عائشہ! جبرئیلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی،[2] توراۃ میں انبیاے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتۂ غیب کے تجسم اور تشکل کے بکثرت واقعات مذکور ہیں، انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت عیسیٰؑ پر اتری، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آکر آپ کے پاس بیٹھا اور سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو" اس نے پھر پوچھا کہ "اسلام کیا ہے"؟ جواب دیا یہ کہ "تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو" اس نے کہا "اور احسان کیا ہے"؟ ارشاد ہوا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تمھیں دیکھ رہا ہے" اس نے پھر سوال کیا کہ "قیامت کب آئیگی"؟ آپ نے فرمایا "مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں، البتہ میں تمھیں

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی [2] صحیح بخاری باب بدء الخلق

اس کی علامتیں بتاتا ہوں، جب لونڈی اپنے آقا کو جنے، اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی،

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ — قیامت کا علم خدا ہی کو ہے

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ذرا اس کو واپس بلا لو، لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، آپ نے فرمایا "یہ جبرئیل تھے، جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"[۱]

صحابہ میں دحیہؓ نام ایک صحابی بہت حسین تھے، جبرئیل اکثر انہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آجاتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہؓ آپ کے سامنے بیٹھے آپ سے باتیں کر رہے ہیں، مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہؓ نہیں ہیں، اتنے میں مسجد نبوی میں میں نے آپ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبرئیلؑ آئے، ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہؓ نہیں بلکہ جبرئیل امینؑ تھے۔[۲]

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبرئیلؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا۔[۳] ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے، سورۂ نجم کی یہ آیتیں اسی کے

---

[۱] صحیح بخاری، باب الایمان [۲] صحیح بخاری کیف نزل الوحی [۳] صحیح بخاری تفسیر سورۂ والنجم و صحیح مسلم معراج

متعلق ہیں۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ
فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ
اَوْ اَدْنٰى ۝ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ
مَا اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَاٰى ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى
مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى

بڑی قوتوں والے، طاقتور نے اس کو
سکھایا، پھر وہ برابر ہوا، اور وہ بہت اوپر
آسمان کے کنارے تھا، پھر قریب ہوا،
پھر لٹک آیا، تو دو کمانوں کے بقدر رہا،
یا اس سے بھی قریب تر، تو خدا نے اپنے
بندہ پر وحی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ
نہیں کہا جو دیکھا، کیا تم لوگ اس سے
اس کے مشاہدہ پر جھگڑتے ہو حالانکہ
اس نے اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا
سدرۃ المنتہی کے پاس۔

(النجم - ۱)

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کفار آپ کو مجنون اسی لیے کہتے تھے کہ آپ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہد کا دعویٰ کرتے تھے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ
ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ
مَكِيْنٍ ۝ مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝
وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝

یہ ایک بزرگ پیغام رساں کی بات ہے،
قوت والا، جو عرش والے خدا کے پاس
معتبر ہے، وہاں اس کی اطاعت کیجاتی ہے،
وہ امانتدار ہے، تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ	مجنون نہیں ہے، یقیناً اس کو آسمان
(تکویر)	کے کھلے کنارہ میں دیکھا،

وہ ذوق و شوق جو حضورؐ کو اس قاصد الٰہی کی آمد کے ساتھ تھا، وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے، جواب ملا،

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ	ہم تو تیرے پروردگار کے حکم اور اجازت
مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا	سے اترتے ہیں، ہمارے آگے اور پیچھے
بَيْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ	اور درمیان سب کا علم اسی کو ہے اور تیرا
نَسِيًّا (مریم - ۴) (صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور)	رب بھول چوک سے پاک ہے۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں، اور کسی اور کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے، چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا، لیکن آپ کی نگاہ پڑ گئی، پوچھا کون ہے؟ عرض کیا آپ پر قربان، میں ہوں ابوذرؓ آپ نے ساتھ لے لیا، اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے، پھر فرمایا "جو آج دولتمند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے، لیکن وہ شخص کہ جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں، آگے پیچھے پھینک دے اور اس میں نیکی کا کام کرے"۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا، اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم یہاں

ٹھہرے رہو، اور یہ کہہ کر آپ پہاڑ کی طرف گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا، لیکن چونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ ٹلوں، اس لیے ٹھہرا رہا، تھوڑی دیر کے بعد آپ سامنے سے آتے نظر آئے، اور زبانِ مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ اگرچہ چوری کرے اور زنا کرے۔" میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر قربان ہوں، آپ پہاڑی کے اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے، فرمایا کیا تم نے آواز سنی؟ عرض کی ہاں، فرمایا جبریلؑ تھے، پہاڑی کے بیچ میں مجھے نظر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا جبریلؑ! "کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو" جواب دیا "ہاں" میں نے پھر کہا، اگرچہ زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو، وہی جواب دیا کہ ہاں، میں نے پھر کہا کہ اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو، تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا۔"[۱]

فرشتہ میکائیل کا نزول جبریلؑ کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا ثابت ہے، قرآن مجید میں جبریلؑ کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے نام بھی آئے ہیں، جن میں سے ایک میکائیل ہیں، یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لیے اپنا انکار ظاہر کیا تھا کہ یہ جبریلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ — خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الرقاق،

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ — پیغمبروں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن ہو

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ (بقرہ ۱۲) — تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے،

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا، یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا، اور لڑائیوں میں اس کی مدد کیا کرتا تھا، (دانیال ۱۰-۱۳ و ۲۱) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہوا تھا، (اعمال ۷-۳۸)

میکائیل بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں، معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے، وہ جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے، اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپؐ کی حفاظت کر رہے تھے، وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیلؑ ہی آپ کے ساتھ تھے،

عام ملائکہ کا نزول جبرئیلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے عام فرشتوں کا بلا تعین نام آپ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے، اور انہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپؐ کا دل ہر وقت سکینتِ الٰہی سے معمور رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ مبارک پر جب نبوت کا بارِ گراں رکھا گیا تو یقیناً آپ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں، اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا ایسا ہی ہے

اور دوسری طرف ایک دنیا ہے، جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے ابل رہے ہیں، اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادۂ پیکار ہے، یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو،

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ	(احزاب ۷)	بیشک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر
عَلَى النَّبِيِّ، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا		رحمت بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی
صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا		اس پر درود و سلام بھیجو،

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہوکر اعلان کرتا ہے کہ رؤسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں، پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے،

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ	وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے، ہم بھی
(علق)	اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے،

اس وقت جب منافقین آپؐ کی بزم خاص میں نفاق ڈالنا، اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں، بعض ازواج سے آپؐ آزردہ ہیں تو ارشاد ہوتا ہے،

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ	تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریلؑ اور
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ	نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اسکے
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ (تحریم ۱)	مددگار ہیں،

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ کیا محمدؐ کبھی تمہارے سامنے سر بسجود ہوتے ہیں؟

بھوں نے کہا "ہاں" اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے دیکھوں گا تو اُن کی گردن توڑ ڈالوں گا، اور اُن کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا" چنانچہ ایک دفعہ جب آپ مصروفِ نماز تھے، وہ اسی نیت سے آپ کی طرف بڑھا لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا، کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ "میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے" آپ نے فرمایا "اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکابوٹی کر دیتے" قرآن مجید کی اس آیت میں،

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا	تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو
إِذَا صَلَّىٰ (علق)	نماز سے مانع آتا ہے،

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے[1]،

سفر طائف سے جب آپ ناکام واپس آرہے تھے، تو حسب اقتضاے بشری آپ دل شکستہ تھے، جب قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے، اس میں آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا "یا محمد! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں، آپ کے پروردگار نے آپ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی، مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں" فرمایا کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو"[2]

اسلام کی تاریخ میں ابتلا و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع غزوۂ بدر

---

[1] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم [2] صحیح بخاری باب ذکر الملائکۃ و صحیح مسلم غزوۂ اُحد،

میں پیش آیا، مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، لیکن اس شرذمۂ قلیلہ کے مقابلہ کے لیے کفار کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دفعۃً ایکہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صفِ جنگ میں آکر کھڑی ہوگئی، قرآن مجید میں ہے،

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ	جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے
لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ	تمھاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایکہزار
الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (انفال ۱)	ہمرکاب سواروں سے تمھاری مدد کرتا ہوں

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی اس کی کیفیت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ "ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا، کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی، اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "آگے بڑھ اے حیزوم" یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا، مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہوگیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی، اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا، اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں، ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا، آپ نے فرمایا "سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے"[۱]

غزوۂ احد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی، مسلمانوں کو یہ دیکھ کر اضطراب ہوا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ اپنی قلتِ تعداد اور

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الجہاد باب امداد الملائکۃ،

بے سروسامانی پر نہ جاؤ خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا، خدا نے کہا کہ "ہاں بیشک اگر مسلمان جرأت وہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتارونگا"، سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل بیان کیا ہے،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے کہ
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ	کیا تم کو یہ بس نہیں کرتا کہ خدا تین ہزار
اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝	فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا، ہاں بیشک
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ	اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو اور تمہارے
يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا	دشمن بڑے زوروں سے ڈھکا آئیں تو وہ
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ	پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا، خدا
اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ	نے اس وعدہ کو تمہارے لئے ایک خوشخبری
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى	بنایا، اور تاکہ تمہارے دلوں میں طمانیت
لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ	پیدا ہو، مدد تو خدا ہی کے پاس
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	سے آتی ہے،

(آلِ عمران۔ ۱۳)

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سررشتہ چھوٹ گیا، اس لئے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس کی حفاظت کے لئے دو فرشتے ساتھ تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں،

کہ میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے، اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اُس کے بعد دیکھا[۱]، صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبرئیلؑ و میکائیلؑ تھے[۲]،

غزوۂ احد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بیچارگی اور بے سروسامانی کا وہی عالم تھا، اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالار اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے، سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	اے ایمان والو! خدا کے اُس احسان کو یاد
نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	کرو کہ جب کفار نے تمکو آکر گھیر لیا تو ہم نے
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَ	ان پر ہوا بھیجی، اور اُس فوج کو بھیجا جسکو
جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا	تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تمھارے کاموں
تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ (احزاب ۲)	کو دیکھ رہا تھا،

یہ غیر مرئی فوج روحانی سپاہیوں کے دستے تھے،

حضرت ابوذرؓ سے جو قدیم الاسلام صحابی تھے، روایت ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر ہیں، فرمایا

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۲ باب غزوۂ احد ۵۸۰ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب قتال جبرئیل و میکائیل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم،

"میں ایک دفعہ جارہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا اور ایک زمین پر آیا، ایک نے دوسرے پوچھا کہ کیا یہ وہی ہو؟ دوسرے نے کہا "ہاں یہ وہی ہے"! پھر اُس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو تو میرا پلہ بھاری رہا پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا، تب بھی میرا ہی پلہ بھاری رہا، دوسرے فرشتے نے کہ اگر ان کی تمام امت کو بھی ایک پلہ میں رکھو اور ان کو دوسرے میں، تب بھی ان ہی کا پلہ جھکتا رہے گا"[1]

یہ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلتِ بشری کی تمثیل تھی،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک شب عشا کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے، اور ایک جگہ خط کھینچکر فرمایا کہ یہاں ٹھہرو، اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں، وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے" یہ کہہ کر آپ ایک طرف تشریف لے گئے، اس اثنا میں مجھے کچھ لوگ نظر آئے، جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے، نہ وہ برہنہ تھے، اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے، وہ میری طرف آکر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے جاتے تھے، اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے، آدھی رات کے بعد آپؐ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں، یہ کہہ کر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، اتنے میں

---

[1] یہ حدیث سنن دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو، اسکا سلسلۂ سند یہ ہو، اخبرنا عبد اللہ بن عمران حدثنا ابو داؤد حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ عن ابی ذر غفاری، تیسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبد اللہ بن عثمان القرشی ہو جو محدثین میں معتبر نہیں،

کچھ لوگ اُجلے اُجلے کپڑے پہنے، جن کے حسن جمال کا حال خدا ہی جانے کہ کیا تھا، پاس آکر بیٹھ گئے، کچھ آپؐ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپؐ کے پاؤں کے پاس آکر بیٹھ گئے، دونوں نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گو سوتی ہیں، مگر دل ہشیار رہتا ہے، اس کے بعد وہ چلے گئے، آپؐ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں تم جانتے ہو یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا یہ فرشتے تھے، ان کی تمثیل کی تفسیر یہ ہے[1]،

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشا پڑھ کر آپؐ چلے تو میں آپؐ کے پیچھے ہو لیا فرمایا "کون حذیفہ؟" عرض کی "جی ہاں" فرمایا "آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اُترا تھا، اُس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آکر مجھے یہ بشارت سنائے کہ "فاطمہؓ" جنتی بی بیوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں[2]"

---

[1] ترمذی ابواب الامثال، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے، [2] ترمذی مناقب حسنین، حدیث حسن غریب،

عالمِ رؤیا

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق (قرآن)

رویا اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے، علمائے نفس کہتے ہیں، کہ اُس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں، جب وہ سو جاتا ہے، اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اُس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے، مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پُرسکون نیند سوتا ہے اس لئے جاگنے کے بعد اُس کو اپنی حالتِ خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب اسکی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اُس کو اپنی گذشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر یاد رہ جاتے ہیں، اسی کا نام خواب ہے،

یہ تو فلسفۂ قدیمہ کا "فرسودہ خیال" تھا، اب جدید عہدِ ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالمِ بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں، عالمِ خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی جابرانہ حکومت اُن سے اُٹھ جاتی ہے تو انکو ابھرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں، بہر حال یہ شاید اس رویا کی توجیہ ہو گی

جن کو "خوابِ پریشاں" یا "اوہامِ دماغی" کہنا زیادہ موزوں ہے،

عرفاے روح اس خواب پریشاں یا اوہامِ دماغی کے منکر نہیں ہیں، لیکن رُویا کی حقیقت اُن کے نزدیک کچھ اور ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے روح جب تک جسم کے اندر رہے، اس کی جلوہ نمائی کے دو رخ ہیں، جسمانی و روحانی، اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگارنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں، یہ اُس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں، لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے، جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کرسکتی ہے، جس قدر اس کا تعلق، اُنس، وابستگی، شیفتگی اور مشغولیت عالم جسم سے زیادہ ہوگی، اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی، حالتِ خواب میں، روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں، اس لئے اُس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے، اور پھر روح کو جس قدر تعلقاتِ خارجی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے، شہرستانِ ملکوت میں اسکی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتی ہے، جو روحیں کہ اس عالمِ جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں، ان کے لئے عالمِ بیداری بھی اقلیمِ روح کی گلگشت سے مانع نہیں، اسی کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ ہے،

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواحِ طیبات ہیں وہ عالمِ ظاہری

کی گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں، وہ عام خدا انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے، اسی لئے عالم مشاہدہ اور عالم رویا دونوں میں حقائق و اسرار کی ہستیاں اُن کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں، بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں، لیکن اُن کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں،

تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم	پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن ان کے
(بخاری باب الانبیاء)	دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں،

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک سرِ ملکوتی اور ایک رازِ الٰہی ہے،

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِاللَّیْلِ	خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو!)
وَالنَّھَارِ وَابْتِغَاؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ	راتوں میں اور دنوں میں تمہاری نیند ہے
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ	(اور پھر بیدار ہوکر اپنے کاروبار میں تمہارا
یَّسْمَعُوْنَ،	مصروف ہونا) اور اس کی دولت کو
	تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے
(روم-۳)	جو سنتے ہیں، بڑی بصیرتیں ہیں،

موت اور نیند دونوں کم وبیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے، اور نیند میں

عارضی، موت میں تمام تعلقاتِ ظاہری کے بند ٹوٹ جاتے ہیں، اور نیند میں کچھ نہ کچھ رہ باقی رہ جاتی ہیں، قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزا واقعۂ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے،

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا	وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت
وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ج	اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ان کو
فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ	نیند میں ان کی (مصروفیت دنیادی) کا وقت
وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ	پورا کر دیتا ہے، پھر جن پر موت کا فرمان جاری
مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ	ہو چکا ہے ان کو اپنے پاس روک لیتا ہے
لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ٥	اور دوسروں کو ایک وقتِ مقررہ تک کیلئے
	چھوڑ دیتا ہے، اس میں سوچنے والوں
(زمر۔ ۵)	کے لئے نشانیاں ہیں،

حضرت امام ربانی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

"توفیِ نوم از اں قبیل است کہ شخصے از وطنِ مالوفِ خود بہ شوق و رغبت از برائے سیر و تماشا بیروں آید تا فرح و سرور حاصل کند و خرم و شاداں بہ وطنِ خود باز رجوع نماید، و سیرگاہ او عالمِ مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔"

(مکتوب سی ویکم، جلد سوم)

عربی زبان میں خواب کے لئے دو لفظ ہیں، ایک حُلُم جس کی جمع احلام آتی ہے،

اس کے معنی "خواب وخیال" کے ہیں، یعنی محض وہم وتخیل، دوسرا رویا، یہ اُس خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور رمز شناسی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے پہلے میں وسوسۂ شیطانی کا دخل ہوتا ہے، اور دوسرا اس سے پاک ہے، یہ فرق سورۂ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا، عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اسکی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار کہتے ہیں کہ یہ محض خواب وخیال اور وہم ہے،

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ	اے اربابِ دربار! میرے اس خواب کے بارہ
إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝	میں مجھے رائے دو، اگر خواب کی تم تعبیر بیان
قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا	کر سکتے ہو، انھوں نے کہا یہ تو محض اوہام
نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ	وخیالات کا مجموعہ ہے، ان اوہام اور
(سورہ یوسف-۶)	خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں،

گو عالمِ رویا کا نظارہ ہر اُس ہستی کو کبھی کبھی پیش آتا ہے جو روح سے وابستہ ہے اور جس میں کالے گورے، مومن وکافر، شقی وسعید اور نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں، لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھ سکتی اور دیکھتی ہیں، لیکن اُن میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی رویت ہوتی ہے جسکی بینائی تیز، آلاتِ باصرہ صحیح اور فہم واستنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے، اسی طرح عالمِ رویا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی انھی کے لئے ہے، جن کی روح ودل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک وعرفان کے حواس لطیف ہوں، اور جن کے

نفس کے آئینہ میں صلاح و تقویٰ کا صیقل زیادہ ہو،

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ — اور جو یہاں اندھے ہیں، وہ وہاں بھی

فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۝ (اسرائیل) — اندھے ہونگے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ — خدا سے تقویٰ کرو، اور وہ تم کو علم بخشتا ہے

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (بقرہ) — اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے،

اسی لئے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے، اسلام اور شارعِ اسلام نے جس طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے، اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے، قرآن مجید کی آیت ہے،

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ — جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں، ان کے لئے اس

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي — دنیا میں بشارت ہے، اور آخرت میں بھی

الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ — خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں، یہی بڑی

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (یونس) — کامیابی ہے،

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے؟ فرمایا کہ "وہ رویاے صالحہ ہے، جو ایک مردِ مسلم دیکھتا ہے"[1] آپؐ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہو گئی، لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ مبشرات (خوشخبریاں) ہیں، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہؐ مبشرات کیا ہیں؟ فرمایا مسلم کی رویاے صالحہ، یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے[2] بخاری، مسلم[3] اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوں سے مروی ہے کہ

[1] صحیح ترمذی کتاب الرویا، [2] او انصار، [3] ان کتابوں میں کتاب التعبیر اور کتاب الرویا دیکھو،

آپ نے فرمایا کہ "مومن کی رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے"
اس سے زیادہ رویا کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھو کہ
وہ کونسی رویا ہے، ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عربی میں خواب کیلئے دو لفظ ہیں حُلُم (خواب
پریشاں) یا خیالاتِ نفسانی) اور رُؤیا حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

الرویا من اللہ والحلم من الشیطان¹،	رؤیا خدا کی طرف سے اور حُلم شیطان کی طرف سے ہے،

آغازِ مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی
ہے، ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے، صحیح مسلم اور
جامع ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا" اصدقکم رویا اصدقکم حدیثا" تم میں
سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے" حقیقت میں انسان کا خواب
اس کے باطن کا آئینہ ہے، جس کی زبان سچ بولے گی اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی،
علمائے نفسیات، حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں
کر سکتے ہیں،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خواب تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک
رویائے صالحہ، یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے، دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب،
یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی

---

¹ صحیح بخاری ومسلم وترمذی،

باتیں اور خیالات ہوتے ہیں[1]" اس تقسیم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علمائے نفس اور عرفاے روح جس خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں، وہ اپنی اپنی حقیقت کی رو سے بالکل الگ ہیں، اس عالم رویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے وہ صرف پہلی قسم ہے،

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویا میں وہی نسبت ہے جو اُن دونوں کی ذات میں ہے، جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش اُن کے دل بھی سوتے رہتے ہیں لیکن انبیاے کرامؑ کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی اُن کے دل بیدار رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی لیکن ابھی وتر نہیں پڑھی تھی کہ لیٹ گئے، حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں، فرمایا "اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا[2]" معراج کے ذکر میں ہے کہ "آپؐ اس حالت میں تھے کہ آپؐ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن دل بیدار تھا، اور انبیاؑ کا یہی حال ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن اُن کے دل بیدار رہتے ہیں[3]"

انہی حدیثوں کو پیش نظر رکھکر جمہور علماے اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ انبیاے کرامؑ کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے، جس قدر آپکے عام احکام وحی اور مخاطباتِ الٰہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب اپنے پہلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا اس کے حکم الٰہی ہونے میں انھیں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوا، اور انھوں نے اسکی تعمیل ویسی ہی

[1] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا [2] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل [3] صحیح بخاری و مسلم باب الاسرار

ضروری سمجھی جیسی اُس حکم کی جو عالم بیداری میں انھیں خدا کی طرف سے ملتا، دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ اُن کو اپنی رویا کی صحت و صداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہ تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانحِ مبارک میں یہ احوال بکثرت پیش آئے ہیں، اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیئے گئے ہیں، وہ بھی اسی طرح قطعی ہیں، جس طرح وہ احکام اور علوم جو وحی کے دوسرے طریقوں سے آپ کو مرحمت ہوئے، چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہو کہ رُؤیا الانبیاءِ وَحیٌ " انبیارؑ کا خواب بھی وحی ہوتا ہے[۱]،،

اوپر اشارہ گذر چکا ہے کہ بعض علماے اسلام اور اصحابِ کشف و عرفان عالمِ غیب اور عالمِ ملکوت اور اس عالمِ شہادت اور عالمِ جسمانیات کے درمیان ایک تیسری عالم کے قائل ہیں، جس کا نام انھوں نے عالمِ برزخ (درمیانی مقام) اور عالمِ مثال رکھا ہی، چنانچہ علمار میں امام خطابی، امام غزالی، علامۂ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت امام ربانی اور تمام حضراتِ مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے، جس میں متعدد احادیث سے اور علامۂ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، عالمِ مثال اُن کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے، جس میں عالمِ شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں ہیں، مثلاً صفات، اعراض، نیکی و بدی، ایمان، علم وغیرہ، وہاں اپنی مناسب اور موزوں شکلوں میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک حسین و

[۱] ترمذی مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ،

جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی نہر و آئینہ میں منعکس ہوکر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں، اور جس طرح تصویر کی شبیہ اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے، اسی طرح عالم غیب کی اشیاء، اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے،

بہرحال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہو، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات، اور کیفیات مذکور ہیں، جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے، انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریلؑ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت لے کر

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم) — مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بنکر آئے،

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں، اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، آپ نے فرمایا،

انه صُوِّرَت لی الجنة والنار حتی رأیتهما دون الحائط (بخاری باب التعوذ من الفتن) — میرے لئے جنت اور دوزخ مصور کی گئی، یا میرے سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی، یہاں تک کہ میں نے اُن کو اس دیوار کے پاس دیکھا،

لقد رأیت الآن منذ صلیت	میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا،
لکم الصلوٰۃ الجنۃ والنار ممثلتین	جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے رُخ
فی قبلۃ ھذا الجدار،	میں ممثل دیکھا، یا میرے سامنے جنت
(بخاری باب رفع البصر فی الصلوٰۃ)	دوزخ کی مثال پیش کی گئی،
انی رأیت الجنۃ اریت النار،	میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ مجھے
(بخاری باب الکسوف)	دکھائی گئی،
فعرضت علی الجنۃ وعرضت	مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی،
علی النار (مسلم باب الکسوف)	
لقد جئ بالنار ثم جئ بالجنۃ (ر)	میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی،
اطلعت فی الجنۃ واطلعت	میں جنت اور دوزخ میں جا نکلا،
فی النار، (بخاری باب صفۃ الجنۃ)	

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویون نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں، اس لئے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور مثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے، حقیقت یہ ہے، کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتون کی بھی پردہ دری نہیں کر سکتی، پھر اس سے یہ توقع کس قدر بیجا ہے،

کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہی، جو ہم کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ صحیح مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیں،

وحیِ نبوی کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا، آپ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں، اور وہ سپیدۂ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں[1]،

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف مُنھ کرکے آپ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور اُن سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے، اور اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپ اُس کی تعبیر کرتے، اگر وہ خوابُ خیال ہوتا تو کہدیتے کہ یہ محض خوابُ خیال ہے، اسی اثنا میں اس شب میں اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ اُس کو سناتے[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں، اُن کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعبیر وتشریح خود اپنی زبانِ مُبارک سے کردی ہے، دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہٖ واقعہ اور حقیقت ہیں، اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو بیان کرتے وقت اُن کی تاویل وتشریح نہیں کی، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیشین گوئی اور اخبارِ غیب ہے، دوسری وہ جس میں احوالِ آخرت اور اسرارِ غیب کا اظہار ہے، ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں،

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ وصحیح مسلم بدء الوحی [2] صحیح بخاری ومسلم وترمذی کتاب الرویا کتاب التعبیر،

رویائے تمثیلی | ابھی آپ مکہ معظمہ میں تھے، اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں، اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں لاکر آپ کو اور آپ کے رفقار کو دی گئی ہیں، آپ نے اُس کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں مسلمانوں کو ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی، اور اُن کا مذہب پھلے اور پھولے گا،[1]

ابھی آپنے ہجرت نہیں کی تھی لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے، آپنے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ "میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا باغستان ہے" میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر یثرب نکلا، اسی خواب میں نظر آیا کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں نے اُس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی،" یہ اُحد کی شکست کی طرف اشارہ تھا" پھر میں نے اُس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہوگئی" یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ اُحد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا" میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا" یہ وہ مسلمان ہیں جو اُحد میں شہید ہوئے، اس کے بعد بھلائی دیکھی" یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی،[2]

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہوا اُن کے موافق نہ تھی، وبا بھی پھیلی تھی، مہاجرین میں اضطراب سا تھا، آپنے خواب میں دیکھا کہ ایک

[1] صحیح مسلم کتاب الرؤیا، و صحیح بخاری کتاب التعبیر، [2] صحیح مسلم کتاب الرؤیا،

کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشان ہیں، وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جارہی ہے، اُس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کر دی گئی،[1] چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہوگیا،

ایک دفعہ رویا میں آپ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے، اس سے آپ کو تکلیف ہوئی، حکم ہوا کہ اُن کو پھونک دو، آپ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علٰحدہ ہوکر اُڑ گئے، آپ نے فرمایا کہ "میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں، (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے"۔[2]

آپ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، آپ نے اس کو اس قدر سیر ہوکر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا، پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا" آپ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انھوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! اس کی تعبیر آپ نے کیا کی، فرمایا،[3] "علم"! اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا "آج شب کو جب میں سویا تھا، میرے سامنے کچھ لوگ پیش کئے گئے، ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا، کسی کے اس سے نیچے تک، عمرؓ جب سامنے آئے تو اُن کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اُس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے" سننے والوں نے پوچھا یارسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی، فرمایا،[4] "دین"!

---

[1] صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرویا [2] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب الرویا و التعبیر [3] صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمر و جامع ترمذی ابواب الرویا [4] بحوالۂ سابقہ،

ایک شب میں آپ کو ذاتِ محمدیؐ پر ختمِ نبوت اور تکمیلِ دین کی تمثیل دکھائی گئی، آنکھیں خواب آلودہ تھیں لیکن قلبِ اقدس بیدار تھا، کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آکر بیٹھے، اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ "اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آقا ہو، اس نے ایک محل تیار کیا، اور اس میں دسترخوان بچھایا، اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا، وہ آیا، اور کھاپی کر سیر ہوا، اور جو نہیں آیا، اس کو اس نے سزا دی"، بیدار ہو کر آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا، کہ وہ آقا تو خدا ہے، جنت اس کا محل ہے، جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا، وہ جنت میں داخل ہوا، اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب[1] دیا،

ایک دفعہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنوئیں کے اندارے پر کھڑے ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ میں حوضِ کوثر پر کھڑا ہوں، اور گرد لوگوں کا جماؤ ہے، آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر اُن کو پلا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ "اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوبکرؓ آئے، اور انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کردیا، اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے، مگر خدا اُن پر رحم کرے، ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی، اُس کے بعد عمرؓ آئے، تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا، اور عمرؓ نے اس قوت اور تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں کناروں تک پُر ہو گیا، اور لوگ پی کر سیر ہو ہو گئے"[2]، یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی،

---

[1] جامع ترمذی ابواب الامثال [2] صحیح بخاری ومسلم ترمذی کتاب التعبیر کتاب الرویا مناقب عمرؓ

کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمتِ خلق کی بجا آوری ہے،

حضرت عمرؓ اُن چند سعید لوگوں میں ہیں، جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی جا چکی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، سامنے ایک محل ہے، اور ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہو، میں نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے، جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمرؓ کا مسکن ہے، میں نے چاہا کہ اندر جاؤں، مگر عمرؓ کی غیرت یاد آئی، تو الٹا پھر گیا" حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا یا رسول اللہ میں آپ سے غیرت کرتا؟[۱] ایک دفعہ آپ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ اے بلال! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا، تو تمھارے جوتوں کی چاپ کی آواز سنی" عرض کیا" یا رسول اللہ! ہمیشہ باوضو رہتا ہوں، اور جب نیا وضو کرتا ہوں دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں"[۲]

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گذر چکا ہے، یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے، اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اور آپ سے نزولِ جبریلؑ کا حال سنا، تو انھوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی، اور کہا کہ" اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی، میں آپ کی پوری مدد کروں گا" حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ" یا رسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں، انھوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی لیکن آپ کے ظہور سے پہلے

---

[۱] صحیح بخاری و مسلم، ترمذی کتاب التعبیر کتاب الرویا مناقب عمرؓ [۲] بخاری و مسلم مناقب بلالؓ و ترمذی مناقب عمرؓ

مر گئے" فرمایا "مجھے وہ خواب میں دکھائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں، اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو اُن کے جسم پر یہ لباس نہ ہوتا"۔[1]

ایک شب کو جب آپ مصروفِ نماز تھے، جمالِ الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آ گیا، صحیحین کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر کو برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا، کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں، پھر فرمایا کہ آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں، تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا، یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی "نہیں، اے میرے رب میں نہیں جانتا"۔ اُس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہونچ گئی، اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا "یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی "ہاں اے میرے رب ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں، جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں"۔ پوچھا "وہ کیا ہیں" عرض کی "نماز با جماعت کی شرکت کے لئے قدم اٹھانا، نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا، اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہوں گی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جائے گا، جیسا اُس دن تھا جب اُس کی ماں نے اُس کو جنا تھا"، پھر

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الرویا، بحوالہ ترمذی کتاب الرویا، مسند احمد

پھر سوال ہوا کہ "یا محمد! درجات کیا ہیں، گذارش کی" کھانا کھلانا، نرمی سے باتیں کرنا جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا" پھر حکم ہوا کہ "اے محمد مجھ سے مانگو، میں نے عرض کی خداوندا میں نیک کاموں کے کرنے اور بُرے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے تو مجھے بے آزمائے اٹھا لینا، میں تیری محبت کا، اور جو تجھ سے محبت رکھے اس کی محبت کا، اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کردے، اُس کی محبت کا خواستگار ہوں"
اس کے بعد آپنے لوگوں سے کہا کہ یہ جو کچھ تھا، حق تھا، اور اس دعا کو پڑھا کرو"[۱]

آثارِ قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ پر پیش کئے گئے، آپ نے صحابہ کے مجمع میں ایک دن فرمایا، کہ رات مجھے ایک رویا دکھائی گئی، میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اسی اثنا میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا، بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو، اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں کنگھی سے بال درست کئے ہوئے تھے، اور اُن سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا، میں نے پوچھا یہ کون ہے، جواب ملا کہ مسیحؑ بن مریمؑ! میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو اُن کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا، سُرخ رنگ، موٹا، بھدا، بالوں میں بہت گھونگھر پڑے ہوئے،

---

[۱] یہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورۂ ص و مسند ابن حنبل بہ سند معاذ جلد ۵ صفحہ ۲۴۳، ترمذی نے اس حدیث کو حسن و صحیح کہا ہے،

ایک آنکھ سے کانا، آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال[۱]،

اُمُّ المومنین زینب بنت حجشؓ بیان کرتی ہیں، کہ ایک دفعہ آپ سونے سے جاگ اُٹھے، چہرۂ مبارک سُرخ تھا، اور زبان پر یہ کلمات تھے، لا الٰہ الا اللہ، افسوس ہے عرب پر! بُرائی نزدیک آگئی، یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہوگیا[۲]"

حضرت جبریلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ کے عام مشاہدہ میں آتے تھے، اسی طرح اس عالم رویا میں حاضر ہوتے تھے، حضرت سمرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ "دوزخ کی آگ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغۂ دوزخ ہے، میں جبریلؑ ہوں اور یہ میکائیل ہیں[۳]"

نظارۂ جمالِ الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دلکش اور مسرت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں، حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ہم لوگوں کی طرف منہ کرکے بیٹھ جاتے اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، بہر حال حسب معمول آج بھی آپ نے دریافت فرمایا، ہم نے عرض کی نہیں، یا رسول اللہ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے، انھوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے، میں نے

[۱] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسرا[؟]
[۲] صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم باب شراط الساعۃ
[۳] صحیح بخاری بدء الخلق

دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے، دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لئے اُس کے پاس کھڑا ہے، وہ زور سے پتھر اُس کے سر پر مارتا ہے، جس سے اُس کا سر چور چور ہو جاتا ہے، اور پتھر لڑھکنے لگتا ہے، وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے، تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر آکر اسی طرح مارتا ہے، اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں، میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے، میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو آگے چلو، میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے، دوسرے شخص کے ہاتھ میں ایک لوہے کا آنکڑا ہے، وہ ایک طرف اُس کے منہ میں آنکڑا ڈال کر کھینچتا ہے، تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں، پھر آنکھ میں، پھر نتھنے میں آنکڑا ڈالکر کھینچتا ہے، اور چیر ڈالتا ہے، ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے، اور اُدھر کے بھی جبڑے اور آنکھ اور نتھنے کو اسی آنکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے، اسی اثنا میں پہلی طرف کے سب زخم بھر آتے ہیں، اور پھر آکر وہ اُن کو چیرتا ہے، تو دوسری طرف کے بھر جاتے ہیں، میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے جواب ملا، آگے چلو آگے چلو، میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک تنور ہے، اُس میں آگ روشن ہے، کچھ مرد اور عورت اس میں ننگے ڈالے گئے ہیں، جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے، اور پھر بلند ہوتی ہے، اور پھر وہ چیختے ہیں اور چلاتے ہیں، میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے، انھوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا، اب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے، اور کنارہ پر ایک شخص پتھر لئے کھڑا ہے، وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے، مگر جب وہ

قریب آتا ہے وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اُس کے منھ میں جا کر لگتا ہے اور
حلق سے نیچے اُتر جاتا ہے، وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا، وہیں پہونچ جاتا ہے، اور پھر وہ
کنارہ پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اُسی طرح پتھر آکر اس پر پڑتا ہے، میں نے دریافت کیا یہ
کیا ہے، انھوں نے کہا آگے چلو آگے چلو، میں اور آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا کریہہ منظر سے
کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو، وہ اُس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا، آگ اُس کے سامنے
دہک رہی تھی، اور اس کو وہ اور دہکا رہا تھا، اور اُس کے چاروں طرف پھر رہا تھا، میں نے
اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے آگے بڑھنے کو کہا، میں آگے بڑھا تو
ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا، جس میں نوبہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے
تھے، باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے
ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس میں بچے بوڑھے، جوان، عورت، مرد، ہر طرف نظر آئے
آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی، نظر آئی، اس میں
بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیئے، ایک باغ میں ایک درخت کے
پاس ایک دراز قد انسان دیکھا، جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہونچ گیا تھا، اور
مجھے نظر نہیں آتا تھا، اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے
نہیں دیکھے تھے، میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا، مگر انھوں نے اور آگے بڑھایا
تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے
کبھی نہیں دیکھا تھا، پہنچا، اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک ایک سونے

اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی، دروازہ کے پاس پہنچکر دروازہ کھلوایا،
دروازہ کھلا، اور ہم اُس کے اندر داخل ہوئے تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے، جن کا
آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا، اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت میرے
ہمراہیوں نے اُن سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ، ناگاہ ایک نہایت صاف شفاف نہر
نظر پڑی، وہ گئے، اور جاکر اس میں غوطے لگائے، غوطے لگا کر باہر آئے، تو اُن کی بدصورتی
جاتی رہی، اور وہ نہایت خوبصورت ہوگئے، ساتھیوں نے کہا یہ شہر جنت عدن ہے،
اور آپ کی منزل وہ ہے، میری نگاہ اوپر اٹھی تو ایک محل سپید بادل کی طرح دکھائی
دیا میں نے کہا خدا تمھارا بھلا کرے، مجھے وہاں جانے دو، انھوں نے جواب دیا
کہ ابھی نہیں، مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے پھر میں نے کہا آج رات کو میں نے عجیب عجیب
چیزیں دیکھیں بتاؤ یہ کیا تھیں، انھوں نے کہا، اب ہم آپ کو سب بتادیں گے، پہلا
آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جارہا تھا، وہ تھا، جو قرآن پڑھ کر پھر اُس کو چھوڑ دیتا ہے، اور
فرضِ نماز سے غافل ہو کر سو جاتا ہے، وہ شخص جس کی آنکھ ناک اور مُنھ چیرا جارہا تھا، وہ تھا
جو جھوٹ بولتا ہے، تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے، وہ زناکار ہیں، خون کے
دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا، اور پتھر نگل رہا تھا، وہ سود خوار ہے (کہ وہ لوگوں کا خون
چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا دوزخ کا داروغہ مالک تھا،
باغ میں جو دراز قد انسان اور اُس کے چاروں طرف بچے نظر آتے تھے، وہ ابراہیمؑ تھے
اور یہ بچے وہ کم سن تھے، جو دینِ فطرت پر مرے، یہاں پر حاضرین مسجد میں سے ایک

مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوک کر کہا "یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟" فرمایا "اور وہ بھی" (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دینِ فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلۂ گفتگو آگے بڑھایا، اور فرمایا کہ فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے، عام اہلِ ایمان کا مسکن ہے، دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی، اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی ملے، وہ شہیدوں کا مقام ہے، اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت، اور آدھا بدصورت تھا، وہ تھے جنہوں نے نیک اعمال کے ساتھ بُرے اعمال بھی کئے ہیں، خدا نے ان کو درگذر کیا"[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر و کتاب بجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین،

مُشاہداتْ ومسمُوعاتْ

عالمِ بیداری

اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی (نجم)

پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہو کیا اُس پر تم اس سے جھگڑتے ہو

انبیاء علیہم السلام کے حواس یا عام اصنافِ انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں، یا ہمارے حواس کے ماسوا اُن کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں، جس طرح مادرزاد نابینا ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوتِ بینائی اور لطفِ نظر سے ناآشنا ہے،

مشاہداتِ نبوی، عام مادی واقعات نہیں جن کی روایت صحابہ کرامؓ خود اپنے علم یا رویت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا، اس لئے روایاتِ حدیث میں مشاہداتِ نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے، اور نہ عام اُمت کے عمل دین کے لئے ان کیفیاتِ مافوق کا علم ضروری ہے، بہر حال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم اُن کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں،

مشاہداتِ نبوی کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین

یا جبرئیلؑ نام فرشتہ کی رویت ہی جو سب سے پہلے غارِ حرا میں نظر آیا، اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل رہا[1]، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، کو اس کی وجہ سے تکلیف رہی، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں آپؐ کے چند سال ایسے گذرے کہ آپ کو صرف غیب کی آوازیں سنائی، اور روشنی دکھائی دیتی تھی، اور کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آتی تھی[2]، غالبًا یہی فترۃ الوحی کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہوگیا تو آپ نے ایک دن آواز سُنی، نظر اُٹھا کر دیکھا تو آسمان و زمین کے بیچ میں ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا[3]، مگر عمومًا وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا، صحیح روایتوں میں ہے کہ جبرئیلؑ صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپؐ کو نظر آئے، آپ نے اُس وقت دیکھا کہ ان کے جسم میں چھ سو پر ہیں اور اُن کے دونوں بازوؤں نے اُفق کو گھیر لیا ہے[4]، جبرئیلؑ کے علاوہ دوسرے فرشتگانِ الٰہی بھی بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے، جن کی تفصیل نزولِ ملائکہ کے عنوان میں گذر چکی،

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے، یہ وہ قوتِ شر ہے، جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا، سب سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمائش ہوئی، اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ

لم نجد له عزمًا، (طٰہٰ ۶۰) ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا،

سفر ایوبؑ اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی بھی آزمائش ہوئی، اور

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب بدء الوحی [2] صحیح مسلم باب کم اقام النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) بمکۃ [3] صحیح مسلم بدء الوحی [4] صحیح بخاری بدء الخلق و تفسیر والنجم و صحیح مسلم باب الاسراء،

وہ اس امتحان میں پورے اُترے، انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے، اور انھوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا، حدیث صحیح میں ہو کہ آپ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے، پوچھنے والے نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے"؟ فرمایا ہاں لکنہ اسلم؟ لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے، یا مطیع ہو گیا ہے، ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا، کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا، اور میری نماز توڑنے لگا، تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا،؎

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اُٹھ جائے تو سامنے آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا، آپ صحابہؓ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے، اور بہت دیر دیر تک قرأت، رکوع اور سجدہ میں مصروف رہے، اسی اثنار میں صحابہ نے دیکھا کہ آپ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا، پھر دیکھا کہ آپ کسی قدر پیچھے ہٹے، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا، تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں، جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی، میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں، چاہا کہ کہ توڑ لوں، اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اُس کو کھا سکتے، پھر میں نے دوزخ کو دیکھا، جس سے زیادہ کوئی بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی، لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا، لوگوں نے سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ کیوں" فرمایا کہ "اپنے خاوندوں

؎ صحیح بخاری بدء الخلق باب صفۃ ابلیس،

کی ناشکری کے سبب، اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمھارے فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمھارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا۔" میں نے اُس دوزخ میں اس چور کو دیکھا جو حاجیوں کے اسباب چرایا کرتا تھا، میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لئے عذاب ہو رہا تھا، کہ اُس نے ایک بلّی کو باندھ دیا تھا، اُس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی، اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے، آخر اسی بھوک سے اُس نے جان دیدی[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں جنت میں جا نکلا، تو دیکھا، یہاں کے باشندوں میں بڑی تعداد اُن کی ہے جو دنیا میں غریب تھے، اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو اُن میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی[2]"

عمر کے اخیر سال میں آپ شہدائے اُحد کے مقبرے میں تشریف لے گئے اور وہاں سے واپس آکر آپ نے ایک خطبہ دیا، اسی درمیان میں آپ نے فرمایا میں اپنے حوضِ کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں، اور مجھکو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں، اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے، کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو[3]

منبرِ مبارک مسجد نبوی میں تھا، اور اسی سے متصل ازواجِ مطہرات کے حجرے بھی تھے

---

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف وصحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر وباب التعوذ من الفتن
[2] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز وباب یحذر من زہرۃ الدنیا،

جن میں سے ایک میں جسدِ اقدس سپردِ خاک ہو آپ نے فرمایا "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے[۱]"

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا مشاہدہ کرایا گیا،

معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لیے جب آپ بیدار ہوتے تو اُمہات المومنین کو بھی جگاتے، اُم المومنین، حضرت اُم سلمہؓ کہتی ہیں کہ آپ ایک شب خواب سے بیدار ہوے تو فرمایا سُبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں، ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواجِ مطہراتؓ) کو کون جگائے، اے افسوس دنیا میں کتنی عورتیں سامانِ آرائش سے آراستہ ہیں، مگر آخرت میں وہ ننگی ہونگی[۲] کہ دنیا میں وہ جامۂ عمل سے برہنہ تھیں،

اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہو کہ ایک دن آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے، ایک ٹیلے پر چڑھے، پھر فرمایا "اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو"؟ لوگوں نے عرض کی نہیں یارسول اللہ! فرمایا میں تمھارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں[۳]" (یہ غالباً حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حال میں اپنی اُمت کی فکر دامنگیر رہتی تھی، ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، میں نے اُن کے مغرب و مشرق کو دیکھا، میری اُمت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہونچ جائے گی جو مجھے

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الحوض و باب فضل ما بین القبر والمنبر [۲] صحیح بخاری کتاب التہجد [۳] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الفتن

دکھائے گئے ہیں، مجھے سُرخ وسپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں، میں نے خدا کے حضور میں دعا کی، کہ بارالہا! میری اُمت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا، اور نہ اُن پر اُن کے سوا کسی غیر دشمن کو مُسلط کرنا، حکم ہوا کہ "میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی، میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی" تو اب میری اُمت کو کوئی دوسرا تباہ نہ کرے گا، بلکہ وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کریں گے[۱]" مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدۂ اقدس کی تفسیر ہے۔

گذشتہ انبیاے کرامؑ کی تمثیلیں اکثر آپ کو دکھائی گئی ہیں، اور معراج اور عالمِ رویا کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی یہ مشاہدے ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ازرق سے گذرے آپ نے دریافت فرمایا، یہ کون وادی ہے، لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے، فرمایا "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسٰی گھاٹی سے اُتر رہے ہیں، اور اُن کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے" اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی، فرمایا "یہ کون سی گھاٹی ہے، لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے، فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ متی کے بیٹے یونسؑ سُرخ اونٹنی پر سوار ہیں کمبل کا جُبہ پہنے ہیں اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے اور وہ لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہتے جا رہے ہیں[۲]"

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعۃً اللہ تعالیٰ نے اُس کو میری نگاہوں کے

---

[۱] صحیح مسلم باب الفتن [۲] صحیح مسلم باب الاسراء،

سامنے کردیا، وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے، اور میں جواب دیتا جاتا تھا[1]

ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ قبرستان سے گذر رہے تھے، فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، یہ عذاب کسی گناہِ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے، ایک کو اس بات پر سزا دی جارہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا، دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا، اس کے بعد آپؐ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کرکے دونوں پر کھڑا کردیا، اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے اُن کی سزاؤں میں تخفیف ہو[2]

حضرت ابو ایوب انصاریؓ راوی ہیں، کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کو گھر سے نکلے، تو آپؐ کے کانوں میں ایک آواز آئی، فرمایا کہ یہ یہودیوں کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے[3] یہ بخاری کی روایت ہے[4] طبرانی میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا یہود کو اُن کی قبروں میں جو عذاب دیئے جارہے ہیں، اُن کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں[4] ایک جہاد میں مسلمانوں کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا، لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ اُس نے مالِ غنیمت میں سے ایک عبا چرائی تھی، اس کے بعد آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کردیں کہ جنت میں وہ صرف اہلِ ایمان جائیں گے[5]

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے، جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاسرار [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز [3] کتاب الجنائز [4] قسطلانی شرح حدیث مذکور [5] جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول،

نذر کرنے کی بدعت پیدا کی، بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں، اور اُس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے[۱]۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے، آپ ایک خچر پر سوار تھے، اور جان نثار ساتھ ساتھ تھے کہ دفعۃً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں، پاس پانچ چھ قبریں تھیں، دریافت فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی جانتا ہے ایک نے کہا، ہاں یا رسول اللہ میں جانتا ہوں، فرمایا "یہ لوگ کب مرے ہیں" عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں، فرمایا "ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائشیں ہو رہی ہیں، اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں . . . ڈرنے لگو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تم کو بھی عذاب قبر کی وہ آواز سُنائے جو میں سُن رہا ہوں[۲]۔"

ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لیجا رہے تھے، اتنے میں ایک سخت بدبو پھیلی، فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے، ؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے، جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں[۳]، حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرف کو جا رہے تھے، آپؐ نے فرمایا اے بلال! جو میں سُن رہا ہوں تم بھی سن رہے ہو"؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ تم نہیں سنتے کہ مردوں پر عذاب کیا جا رہا ہے، مستدرک[۴] حاکم کتاب الزہد، امام احمد، بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ

[۱] مسند ابن حنبل بسند جابر بن عبد اللہ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] مستدرک جلد ۴ ص ۳۰۹ ذہبی نے لکھا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی (عبد الصمد) کو متروک کہا ہے،

بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پینے کی کوئی چیز مانگی، تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر رونے لگے، لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ "ایک دن میں خدمت نبویؐ میں حاضر تھا تو دیکھا کہ آپ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں، اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آتی تھی، تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ! آپ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا یہ دنیا ہے، جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے، میں نے اس سے کہا کہ "میرے پاس سے چلی جا، تو اس نے کہا" اگر آپ مجھ سے بچ گئے، تو آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے۔"

اسرا یا معراج

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

اِسرا، کے معنی "رات کو چلانے یا لیجانے کے" ہیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا، اس لئے اس کو اسرا، کہتے ہیں، اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اسکو تعبیر کیا ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو لے گیا)

معراج "عروج" سے نکلا ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ احادیث میں آپ سے لفظ عُرِجَ بِیْ مجکو اوپر چڑھایا گیا "مروی ہے، اس لئے اس کا نام معراج پڑا،

انبیاء اور سیرِ ملکوت | انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغازِ نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں منصب رفیع حاصل ہوتا ہے، اور اُس وقت شرائطِ رویت کے تمام مادی پردے اُن کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں، اسبابِ سماعت کے دنیاوی قوانین اُن کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں، قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں اُن کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ اُن کے سامنے آتے ہیں، اور وہ اس کے بعد نور کا حُلّۂ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں، اور اپنے اپنے رُتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیضِ ربانی سے معمور اور غرقِ دریائے نور

ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض مقربانِ خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوتگاہِ قدس میں بار پاکر قابَ قوسین (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہوجاتے ہیں، اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمانِ خاص لیکر اسی کاشانۂ آب خاک میں واپس آجاتے ہیں،

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوتی ہے، تو ارشاد ہوتا ہے وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں"۔ یہ سیرِ ملکوت یعنی آسمان وزمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے، یہی اسرا اور معراج ہے،

حضرت یعقوبؑ کے متعلق تورات میں مذکور ہے،:-

"یعقوب بیر سبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں ایک مقام پر جاکر لیٹا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا، اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے، اور وہیں سو رہا، وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے، جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھتے اور اترتے ہیں، اور خدا اس پر کھڑا ہے، اور اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا جس زمین پر تو سویا ہے، وہ تجھکو اور تیری نسل کو دوں گا...." (تکوین ۲۸)

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوۂ حق کا پرتو نظر آیا، وہی اُن کی معراج ہے، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحتِ روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفحات معمور ہیں، عیسائیوں کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بتفصیل مذکور ہے جس میں ان کو خواب کے اندر بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں، اور قیامت کے واقعات تمثیلی

رنگ میں اُن کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفرنامۂ ملکوت کہہ سکتے ہیں، ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے، اور اُن میں آثارِ قیامت، جزار وسزا، اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں، اور اُن کو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں، مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں، جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروانِ بودھ بھی نخلِ حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں،

بہرحال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ سیرِ ملکوت انبیار، مقربانِ الٰہی، اور مدعیانِ قربِ الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے، اسلام نے اس خزانہ کو یہاں تک عام کیا ہے، کہ اہلِ ایمان کے لئے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کر دی ہے کہ الصلوٰۃ معراج المومنین،

معراجِ نبوی

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سرورِ انبیاء اور سیدِ اولادِ آدم تھے، اس لئے اس حظیرۂ قدس اور بارگاہِ لامکان میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہانتک کسی فرزندِ آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا، اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو اب تک دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حدِ نظر سے باہر رہا تھا،

معراجِ نبوی کا وقت، تاریخ اور تعدادِ وقوع

اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس تاریخ

کو واقع ہوئی، اور ایک دفعہ ہوئی، یا مختلف اوقات میں، صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی، جو لوگ تعدد کے قائل ہیں، اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیاتِ معراج کے بیان میں اختلاف ہے اس لئے انھوں نے رفعِ اختلاف کے لئے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے[1] تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے، لیکن درحقیقت یہ ایک فرض محض ہے، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں، مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں، اور اُن میں تعدد معراج کا اشارۃً تک نہیں ہے، ایک ایسے اہم مافوق مشاہدۂ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اور جس قدر تھی، وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی، اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں جو اُس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے، یا بہت چھوٹے تھے، یا مدنی لوگ ہیں جن کو قبلِ ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلا واسطہ واقفیت نہ تھی اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے۔ تو اُن کی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں، خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اُن کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں، یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں، تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے، بااین ہمہ اصل معاملہ اور اُس کے اہم اجزاء کے وقوع میں شک و شبہہ نہ ہوگا،

---

[1] امام سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام میں اسی استدلال کی بنا پر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے جلد اول ص ۲۴۴ مصر

بعض ارباب سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے، جن میں وہ ایک کو اسرا، اور دوسری کو معراج کہتے ہیں، کہ قرآن میں اسرا، اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے، انھوں نے اس کی ضرورت اس لئے سمجھی ہے کہ قرآن مجید کے پندرھویں پارہ میں اسرا کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے، اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالتِ بیداری میں ہوا، حالانکہ معراج میں تو آسمان کا سفر ہوا ہے، اور عجیب و غریب واقعات پیش آئے ہیں، اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا، بہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا، قرآن مجید کے الفاظ خواب و بیداری دونوں کے متحمل ہیں، اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی ہے، علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین متکلمین اور فقہاء کی رائے ہے، اور روایاتِ صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہیئے[1]، حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلافِ سیاقِ احادیث ٹھہرایا ہے،

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، جب کہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا، تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا، خود قرآن مجید میں ہے، اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (یعنی لے گیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں،

[1] شرح مواہب جلد اول ص ۲۵۵،

لیکن صحیح دن اور تاریخ کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے، محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایتِ صحیح اس کی تصریح موجود نہیں ہے، اربابِ سیر نے بعض صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں، لیکن اُن کی تصریحات مختلف ہیں، تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغازِ وحی[1] کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکۂ معظمہ میں پیش آیا،

مہینہ کی تعیین کے متعلق اربابِ سیر کے پانچ اقوال ہیں، کوئی ربیع الاول کہتا ہے، کسی[2] نے ربیع الآخر کی روایت کی ہے، بعض[3] رجب کی تعیین کرتے ہیں بعض[4] رمضان، یا شوال[5] کہتے ہیں، یہ آخری روایت سدّی کی ہے، جس کو ابنِ جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے، اس کی روایت ہے کہ "معراج ہجرت سے ۶ مہینے پیشتر واقع ہوئی" ہجرت اوّل ربیع الاوّل میں ہوئی ہے، اس بنا پر، ۶ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا، یا آغازِ شوال، لیکن کون نہیں جانتا کہ سُدّی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، واقدی سے ابنِ سعد نے دو روایتیں کی ہیں[6]، ایک یہ کہ سنیچر کی شب تھی، ۱۷ تاریخ تھی، رمضان کا مہینہ تھا، ہجرت (ربیع الاول سنہ ۱ھ) سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے، دوسری یہ ہے کہ "یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاوّل کا واقعہ ہے" واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن، تاریخ اور وقت بتا دیا ہے، لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں اُن کی شہادت کوئی

---

[1] صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریکؓ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے، کہ "یہ قبل آغازِ وحی کے ہوا، اس[3] مطلب محض فرشتوں کا آنا ہے نفس معراج نہیں تفصیل آگے آئے گی[6] ابنِ سعد جلد اول ص ۱۴۳"

بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت، روز یا تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے، اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے، کیونکہ اُس کی سند ناتمام ہے، دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن قتیبہ دینوری (المتوفی سنہ ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی سنہ ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے، اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے (روضہ) میں اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے، اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے، بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے، اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے "کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے، اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو، اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا، جس پر عمل درآمد ہو، اور جو لوگوں میں مقبول ہو[۱]"

اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسات، استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں، قطع نظر کر لیا جائے، اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں، اور کثرت روایت اور گمان صحت کا راجح پہلو کس کی جانب ہے، چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں،

نام راوی	روایت	کیفیت سند
ابن سعد بواسطۂ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	، اربیع الاول، ہجرت سے ایک سال قبل،	ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہؓ

[۱] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد ۱ ص ۳۵۵، ۳۵۸ میں مذکور ہے،

نام راوی	روایت	کیفیتِ سند
واُمِّ سلمہؓ عائشہ وابنِ عباس واُمِّ ہانی رضی اللہ عنہم	″	سے نقل کی ہے،
		•
۲۔ موسیٰ بن عقبہ، بواسطۂ زہری	ہجرت سے ایک سال قبل	موسیٰ بن عقبہ کی سِیَر معتبر ترین کتبِ سیرت ہے،
	″	
۳۔ زہری، بواسطۂ سعید ابنِ مُسیب	″	•
	″	•
۴۔ عروہ بن زبیر، اور حضرت عائشہؓ	″	•
	″	•
۵۔ قتادہ	″	یہ تابعی ہیں،
۶۔ مقاتل	″	•
۷۔ ابن جریج	″	•
۸۔ ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے،	•
		•
۹۔ مسلم بن قتیبہ	ہجرت سے ۱۰ ماہ بیشتر	یہ مؤرخ ہیں،
۱۰۔ عمرو بن شعیب از حضرت عمرو بن العاصؓ	۱۷ ربیع الاول، ہجرت سے ایک سال پہلے	•
		•

نام راوی	روایت	کیفیتِ سند
۱۱- سُدّی،	ہجرت سے ۱۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر	سُدّی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے

متاخرین کے امام زہری کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کئے ہیں، ایک ہجرت سے پانچ سال قبل، اور دوسرا بعثت سے پانچ سال بعد، پہلے قول کے ناقل علامہ ابنِ حجر (فتح الباری جلد ۷ ص ۱۵۵، مصر) ہیں، اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض امام قرطبی، اور امام نووی، شارحینِ صحیح مسلم اسی کے مؤید ہیں، لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعۂ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرۃ مواہب لدنیہ (مطبوعۂ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے، زرقانی نے جلد اول فصل معراج میں) اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں، ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعۂ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے چھ مہینے (ستۃ اشہر) پہلے ہوئی" یہ ۶ درحقیقت ۱۶ ہے "ستۃ اشہر" کے بجائے ستۃ عشر شہراً چاہیے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسراء) نقل کیا ہے، اور جو اس کی ۱۷ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے، جو طبری و بیہقی میں ہے، چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے، مگر جہانتک ہم کو معلوم ہے

ل؎ یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کی گئی ہیں، اول ابن سعد میں ہے، دوم چہارم، یازدہم، تفسیر ابن کثیر (سورۂ اسراء ص ۴۰) میں ہے، ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵، ۲، ۷) میں ہے، پنجم و ششم تفسیر ابن احبان (اسراء ص ۹) میں ہے، بقیہ اقوال و روایات کے لئے فتح الباری زرقانی، شرح شفائے عیاض، استیعاب ابن عبدالبر، اسد الغابہ ابن اثیر اور روض الانف (ذکر معراج) دیکھئے،

کسی اور نے اُن کا ساتھ نہیں دیا ہے، اور نہ کہیں سیرت کی اُمہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے، بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعۂ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے، اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے، اس سے اشارۃً یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا، کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھدی ہے، جس سے معلوم ہوا ہوگا، کہ قدیم راویوں کا بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک دو بزرگ یا ۸ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں، متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے، اس کا مبنی یہ ہے، کہ بخاری میں ہے، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں، نماز پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی، پھر بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی، اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے، کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا، ان مقدمات کو یکجا کرکے انھوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے، کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اُس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا، حضرت عائشہؓ کی روایت

سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیتِ نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی، اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے، اس لئے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی،

بہرحال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں، اسی جانب ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت سے ایک سال سے ڈیڑھ سال تک پہلے کا واقعہ ہے، امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے، لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں اور بیعتِ عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے، اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعۂ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے، اس سے حدیث اور سیرت کے اُن دو اماموں کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو، یا اور کچھ کم و بیش معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا، بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا،

مہینہ کی تعیین مشکل ہے جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت سے ایک سال پہلے کہتے ہیں اُن کے حساب اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے، تو اُدھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑیگا، اور اگر شامل نہ کیا جائے، تو ربیع الاول رہے گا، اور اگر عام و مشہور معمول رجب کی تاریخ اختیار کی جائے تو ہجرت سے ایک سال، مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا،

معراج کی صحیح روایتیں

واقعۂ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادی کائنات سے ماوراء اور قیاس، استنباط، اور عقلِ انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح وخالص روایتوں کی پیروی کی جائے، احادیث وسیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے، علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے، اور حدیث وسیر وتفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں، اُن کی تصریح کی ہے علامہ ابنِ کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے، اُن میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مرسل، منکر، سبھی قسم کی روایتین ہیں،

صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری، اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آگئے ہیں، امام بخاری، اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذرؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ، حضرت انسؓ ابن مالک، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کئے ہیں،

صحیحین میں واقعۂ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذرؓ، حضرت مالکؓ بن صعصعہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے، حضرت انسؓ نے تین طرق سے روایت کی ہے، ایک طریقہ میں (صحیح مسلم باب الاسراء، اور صحیح بخاری کتاب التوحید) اخیر راوی وہی ہیں لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا،

یا کسی صحابی نے اُن سے بیان کیا، دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسرار) یہ تصریح ہے کہ انھوں نے حضرت مالک رض بن صعصعہ سے سُنا، اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوذر رض سے بھی سُنا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انس رض نے متعدد اکابر صحابہ رض سے معراج کا واقعہ سُنا تھا، اور اسی لئے اُن کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے،

تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انس رض سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے مثلاً ثابت بنانی، ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، ان میں محفوظ تر بیان ثابت کا ہے، شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کے مخالف ہے، اور اسی لئے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسرار میں اس کی طرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ اُن کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے۔

حضرت مالک رض بن صعصعہ اور حضرت ابوذر رض نے یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے معراج کے واقعہ کو لفظاً بلفظاً اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے، گو یہ دونوں بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں لیکن حضرت ابوذر رض میں ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ وہ سابقینِ اسلام میں ہیں، اور وقوعِ معراج سے پہلے ہی مکہ میں آکر اسلام لا چکے تھے، حضرت مالک رض ابن صعصعہ انصاری ہیں، اس بنا پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذر رض کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں،

معراج کا واقعہ الغرض جب اسلام کی سخت اور پُر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا،

اور ہجرت کے بعد سے اطمینان وسکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا، تو وہ شب مبارک آئی، اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی، جو دیوان قضا میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی، اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے سازوبرگ سے آراستہ کیا جائے، کہ شاہد عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے، حرم ابراہیمؑ (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب وخاک کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں، اور زمان ومکان، سفر واقامت، رویت وسماعت، تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں،

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی، اور جبریل علیہ السلام نازل ہوئے، انھوں نے پہلے آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا، پھر اس کو آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھر لائے، اور اس کو سینۂ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا، پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے، جب آپ آسمان پر پہونچے، تو جبریل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ کھولو، اس نے کہا کہ کون؟ انھوں نے جواب دیا، جبریل، اس نے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں! میرے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اس نے

سوال کیا گیا وہ بلائے گئے ہیں، ؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا، بہرحال آپ سب پہلے آسمان پر پڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا، جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا، اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی، تو روتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اس نے کہا "مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون ہیں، ؟ انھوں نے کہا یہ آدم ہیں، اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں ان کی اولاد کی روحیں ہیں دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لئے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں، اور جب بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں اس کے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہونچے، تو اسی قسم کا سوال و جواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ اور چھٹے پر حضرت ابراہیمؑ سے (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعیین نہیں بیان کی،) بہرحال حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لے کر گذرے، انھوں نے آپ کو دیکھ کر کہا مرحبا اے نبی صالح، اور برادر صالح، آپ نے نام پوچھا، حضرت جبریل علیہ السلام نے نام بتایا، پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے نبی صالح اور برادر صالح کہکر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صالح اور فرزند صالح کہکر آپ کا خیر مقدم کیا، اس کے بعد حضرت جبریلؑ آپ کو اور اوپر لے گئے، اور آپ اس مقام پر پہونچے

جہاں قلمِ (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی، اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ کی اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عطیۂ ربانی کو لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، تو انھوں نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا، آپ نے فرمایا، پچاس وقت کی نماز، اُنھوں نے کہا خدا کے پاس دوبارہ جائیے، کہ آپ کی اُمت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گئے، اور خدا نے ایک حصہ کم کر دیا، آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ "دوبارہ خدا کے پاس جائیے، آپ کی اُمت اُس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، آپ گئے، تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی، حضرت موسیٰ نے پھر کہا کہ آپ کی اُمت میں اُس کی بھی قوت نہیں" آپ پھر گئے، تو خدا نے اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا، اور ارشاد ہوا کہ گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی، لیکن ثواب اُن ہی پچاس وقتوں کا ملے گا، کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا" حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو پھر خدا کے پاس مراجعت کا مشورہ دیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ "اب تو مجھے شرم آتی ہے" اُس کے بعد آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی، جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ جان نہ سکے، پھر آپ کو حضرت جبریل علیہ السلام جنت میں لے گئے، وہاں آپ کو موتی کی عمارتیں نظر آئیں، اور آپ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے[1]،

کتبِ حدیث میں واقعۂ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے،

---

[1] بخاری جلد اول باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء،

اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہ رضی کی روایت کا درجہ ہے، اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں، حضرت ابوذر غفاری رضی کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ اُس وقت بیدار تھے، یا خواب میں تھے، اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے، پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھُلی اور حضرت جبریل ع نازل ہوئے، اور اس میں ہے کہ "آپ حطیم یا حجر[1] میں لیٹے ہوئے تھے، کہ حضرت جبریل آئے"، حضرت ابوذر غفاری رضی کی روایت میں براق کا ذکر نہیں، اور اس روایت میں ہے کہ "آپ براق پر سوار ہو کر گئے"، حضرت ابوذر غفاری رضی کی روایت میں منازل انبیاء نہیں بیان کئے گئے ہیں لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے، حضرت ابوذر غفاری رضی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاتِ نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھٹائی گئی ہے لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے، ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے، حضرت ابوذر رضی کی روایت مجمل ہے، اور حضرت مالک بن صعصعہ رضی کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو محیط نہیں ہے، اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و مشاہدات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں،

[1] حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں، یہ وہ مختصر سی جگہ ہے جو حضرت ابراہیم ع کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بنا ہوئے کعبہ کی چاردیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہ ہو سکی ہے، ۵۲ بخاری باب الانبیاء و باب المعراج،

حضرت ابراہیمؑ نے اصل کعبہ کی جو عمارت بنوائی تھی، وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی، اور پھر بنی تھی، اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے سیلاب سے گر گئی، قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اس طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی، اور اب تک اسی طرح ہے، اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے، قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے، نبوت سے پہلے بھی آپ کو حالتِ رویا میں فرشتے نظر آتے تھے[1]، جس شب کو معراج ہوئی، آپ اسی مقام[2] پر استراحت فرما رہے تھے، بیداری اور خواب کی ایک درمیانی حالت تھی کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی، اور

---

[1] بخاری کتاب التوحید و باب صفۃ صلی اللہ علیہ وسلم [2] اس شب کو جس مقام پر آپ استراحت فرما تھے، اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا، اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے، صحیحین میں حضرت مالکؓ اور حضرت انسؓ کی جو روایتیں ہیں اُن میں بہ تصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے، اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے آپ سو رہے تھے، یہ تو صحیحین کا بیان ہے، بعض نیچے درجہ کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی، ام ہانیؓ کا گھر شعب ابی طالب میں تھا، یہ روایت مشہور دروغگو کلبی کی ہے اس میں عد درجہ لغو (غریب و منکر) باتیں مذکور ہیں، مسند ابو یعلی میں اُم ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھ کر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے، شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا، رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں، نیند نہ آئی، صبح اٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا، اور فرمایا کہ میں یہ رؤسائے قریش سے کہنے جاتا ہوں، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لئے اُن سے یہ نہ کہئے وہ تکذیب کریں گے، اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے،

حضرت جبریلؑ نازل ہوئے، اُن کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے، پہلے وہ آپؐ کو چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، اور وہاں آپؐ کے سینۂ مبارک کو چاک کیا، اور قلبِ مطہر کو نکال کر آبِ زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا، جبریلؑ نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانے کو لے کر آپؐ کے سینہ میں رکھکر اس کو برابر کر دیا۔

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لنبا جانور براق نامی لایا گیا، جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی[1]، آپؐ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے، اور براق کو اس قلاّبہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۰) لیکن آپ نے نہ مانا، اور دامن جھٹک کر چلے گئے، ان روایتوں میں علاوہ اور لغویات کے عشاء اور صبح کی نماز جماعت کی تصریح کس قدر غلط ہے، کہ یہ نماز پنجگانہ تو اس شب معراج میں فرض ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا رتبہ و اعتبار ہو سکتا ہے، اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ خانۂ کعبہ میں تھے، البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ "میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریل آئے"، ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپ آرام تو خانۂ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے، لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کرایا گیا کہ آپ اپنے گھر میں ہیں، اور اس کی چھت کھلی، اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے

[1] مسند احمد میں بروایت انسؓ اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ جب آپ نے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا تو اس نے شوخی کی، جبریل نے کہ کیوں شوخی کرتا ہے تیری پشت پر آج تک محمد سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا، یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غرابت ہے، ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے، غریبٌ لا نعرفہ الا من حدیثہ،

میں باندھ کر جس میں انبیاءؑ اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، آپؐ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا، اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی، یہاں سے نکلے تو جبرئیل نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کئے، آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھالیا، جبرئیل نے کہا، آپ نے فطرت کو پسند فرمایا، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے، تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی"۔

بعد ازیں جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر آسمان پر چڑھے، پہلا آسمان آیا تو جبرئیلؑ نے دربان کو آواز دی، اُس نے کہا کون ہے"؟ جبرئیل نے اپنا نام بتایا، پوچھا تمہارے ساتھ اور کون ہے"؟ جواب دیا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں" پھر دریافت کیا" کیا وہ بلائے گئے ہیں"؟ کہا ہاں" یہ سُن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا، اور مرحبا خوش آمدید کہا اور کہا کہ" اس خبر کو سُن کر آسمان والے خوش ہوں گے، خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے جب تک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے"۔ اب آپؐ پہلے آسمان میں داخل ہوئے، تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا، اور جب بائیں طرف دیکھتا، تو رو دیتا تھا، وہ آپ کو دیکھ کر بولا، مرحبا اے نبی صالح واے فرزند صالح"۔ آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا، کہ یہ کون ہیں"؟ جبرئیل نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدم ہیں، ان کی داہنی اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں، یہ اُن کی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف اہل جنت ہیں، اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں، اس لئے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں، اور اُدھر دیکھکر آزردہ ہوتے ہیں، اسی آسمان میں آپؐ کو سامنے دو نہریں

نظر آئیں، پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں، چلتے پھرتے آپ کو ایک نہر نظر آئی جس پر لُولُو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا، اور اُس کی زمین مشک اذفر کی تھی، جبرئیل نے کہا "یہ نہر کوثر ہے جس کو پروردگار نے مخصوص آپکے لئے رکھا ہے"

اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبرئیلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی، اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی، دوسرے میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ملاقات ہوئی تیسرے میں حضرت یوسفؑ ملے، جن کو حُسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا، چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا، اور ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے، اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے، اور ہر ایک نے "اے پیغمبر صالح" اور "اے برادرِ صالح" کہکر خیر مقدم کیا، چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا مرحبا، اے پیغمبر صالح اور اے برادرِ صالح! جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے، آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! اس گریہ کا کیا سبب ہے" موسیٰ نے عرض کیا خداوندا! میرے بعد تو نے اس نوجوان کو مبعوث کیا ہے، اُس کی اُمت کے لوگ میری اُمت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے"

ساتویں آسمان میں داخل ہوئے، تو حضرت ابراہیمؑ نے "مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح" کہکر خیر مقدم کیا، جبرئیل نے بتایا کہ "یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ ہیں" حضرت ابراہیمؑ بیتِ معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی، جس کے گنبد موتی کے تھے، اور زمین مشک

کی تھی[ل] اس مقام تک پہونچے، جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی، آگے بڑھ کر آپ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہونچے، اس درخت پر شان ربانی (امراللہ) کا پرتو تھا جس نے آکر جب اس کو چھالیا، تو اس کی ہیئت بدل گئی، اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی، جس کو کوئی زبان بیان نہیں کرسکتی، اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی، جن کو الفاظ ادا نہیں کرسکتے، یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں، اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں، یہاں پہونچ کر حضرت جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپکے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا، اور خلوت گاہ راز میں نازو نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے، جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہوسکتی"، فَاَوْحیٰ اِلیٰ عَبْدِہٖ مَا اَوْحیٰ،

اس وقت آپ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے، سورۂ بقر کی آخری

ل کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر) ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوۃ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفت گوؤں کی تفصیل ہے، ان روایتوں کے ناقل ابوہارون العبدی، ابوجعفر رازی، اور خالد ابن یزید ہیں، ابوہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغگو ہیں، ابوجعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے، لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور راوی منکرات ہیں، اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کی جاتی، نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ہیں، جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے، علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرؤیا) میں ہے، کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے تھے، پھر سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں،

آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اُس کے دورِ مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے،
رحمتِ خاص نے مژدہ سُنایا کہ اُمتِ محمدیؐ میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہوا ہو،
کرمِ مغفرت سے سرفراز ہو گا، اور ندا آئی، اُمت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی، آپ
ان عطیوں کو لے کر واپس پھرے، اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہونچے تو انھوں نے دریافت
کیا کہ بارگاہِ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے، ؟ فرمایا اُمت پر پچاس وقت کی نماز، موسیٰؑ
نے کہا میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے، آپ کی اُمت سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا
آپ واپس جائیے، اور عرض کیجئے، آپ نے رجعت کی، اور عرض پرداز ہوئے، کہ بارالٰہا
میری اُمت نہایت کمزور اور اُس کے قویٰ نہایت ضعیف ہیں، حکم ہوا کہ دس وقت
کی نمازیں معاف ہوئیں، لوٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر ٹوکا، اور دوبارہ عرض کرنے کا
مشورہ دیا، اس پر دس اور معاف ہوئیں، اسی طرح آپ چند بار حضرت موسیٰؑ کے
مشورہ سے بارگاہِ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے، یہاں تک کہ شب و روز میں صرف پانچ
وقت کی نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰؑ نے پھر یہی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست
کیجئے، فرمایا، اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے، ندا آئی کہ اے محمد میرے حکم میں تبدیلی
نہیں، نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دوگونہ بخشونگا، یہ پانچ بھی پچاس ہونگی،
میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی، اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا،

آپ آسمان سے اُتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے، اور بیت المقدس
میں داخل ہوئے، دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ

نماز میں مصروف ہیں، آپنے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل وصورت بھی بیان کی، حضرت موسیٰؑ کی نسبت فرمایا کہ ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا، اور الجھے ہوئے، گھونگر والے بال تھے، ازدشنوءہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عیسیٰؑ کا میانہ قد اور سرخ وسپید تھا، سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں، عروہؓ ابن مسعود ثقفی (صحابی) سے اُن کی صورت ملتی تھی، حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمھارے (خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی تھی،) بہر حال اسی اثنار میں نماز (غالباً صبح کی نماز) کا وقت آگیا، سرورِ انبیا، علیہ السلام منصبِ امامت سے سرفراز ہوئے[1]، نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی، کہ اے محمد! دوزخ کا داروغہ حاضر ہے، سلام کرو" آپ نے مڑکر دیکھا تو داروغہ دوزخ نے سلام کیا،

بخاری میں ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ شبِ معراج میں دجال بھی آپ کو دکھایا گیا، (باب بدء الخلق)

[1] مسند احمد اور سیرت ابنِ اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاء نے آپ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی تھی، صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں، صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں، مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے، کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے،

حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے (تفسیر سورۂ اسرار) اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے، ترمذی (تفسیر سورۂ اسرا) اور مسند ابن حنبل میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، کہ وہ اس بات کے قائل تھے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں آتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی، مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں اس کو کون تسلیم کرے گا،

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے،

کفار کی تکذیب

خانۂ کعبہ کے آس پاس رؤسائے قریش کی نشست رہتی تھی، آپ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے، صبح کو آپ نے اُن سے اس واقعہ کو بیان کیا، تو اُن کو سخت اچنبھا ہوا، جو زیادہ کور باطن تھے، انھوں نے آپ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا، بعضوں نے مختلف سوالات کئے، ان میں اکثر شام کے تاجر تھے، اور انھوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا، اور انھیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اس لئے آخر میں خاتمۂ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ "اے محمد تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانۂ کعبہ سے بیت المقدس گئے، اور واپس آئے، اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا، بہت بیقراری ہوئی، کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کردی گئی، وہ سوال کرتے جاتے تھے، اور میں اس کو دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا"

اتنا واقعہ تو صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقدی، ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے، اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں، حضرت اُمّ ہانیؓ سے روایت ہے کہ صبح اٹھ کر

لہ معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید، کتاب الانبیاء، باب المعراج، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باب بدا الخلق میں، اور صحیح مسلم باب المعراج اور اس کے بعد کے متفرق ابواب متعلقۂ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں، ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب و ترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کرکے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجئے، کفار صریح جھٹلائیں گے"

ایک روایت میں ہے کہ "رات کو جب آپ کے اعزہ نے آپ کو بستر پر نہ پایا تو ان کو قریش کا خوف ہوا، کہ انھوں نے آپ کو گزند تو نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ کو ڈھونڈنے لگے" ایک اور روایت میں ہے کہ "معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی، اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے، جب لوگوں نے جھٹلایا، تو آپ نے فرمایا، کہ اچھا تمھارا قافلہ کل پرسوں تک آجائے گا، اُس سے پوچھ لینا" چنانچہ وہ آیا، اور اُس نے تصدیق کی" انہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ کچھ کفار دوڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے، کہ آج محمدؐ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے، اور آئے" حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "کیا واقعی آپ یہ فرمارہے ہیں"؟ لوگوں نے کہا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے کہا تو میں آپ کو سچا جانتا ہوں، اس پر ایمان لاتا ہوں" کفار نے کہا کہ تم کھلم کھلا ایسی خلافِ عقل بات کیونکر صحیح سمجھتے ہو" جواب دیا، میں تو اس سے بھی زیادہ خلافِ عقل بات پر یقین رکھتا ہوں، میں تو تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں" اُسی دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہوگیا،

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں، ابن اسحاق اور ابن سعد نے تو سرے سے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں، ابن جریر طبری بیہقی، ابن ابی حاتم، ابو یعلی، ابن عساکر

اور حاکم نے اُن کی سندیں ذکر کی ہیں، اُن کے رواۃ ابوجعفر رازی، ابوہارون عبدی اور خالد ابن یزید بن ابی مالک ہیں جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں، مگر بے سروپا حدیثوں کے بیان کرنے میں بے باک ہیں، بقیہ دو مشہور دروغ گو، کاذب اور قصہ خواں ہیں، ان ہی لغو قصوں کا اختتامی جزو یہ ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا، تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہوگئے، اور مرتد ہوگئے، فارتد کثیر ممن اسلم، یہ قصہ غالبًا قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے،

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ	ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے اس کو
إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ (اسراء-۶)	لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے،

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے، طبری، ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلثہ ہیں، جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر گذر چکے ہیں، ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں، ان میں سے حسن، قتادہ، اور ابن زید سے یہ واقعۂ ارتداد مذکور ہے، لیکن ان کا سلسلہ اُن سے آگے نہیں بڑھتا، اس واقعہ کے انکار کی سب سے پُرزور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے، وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بنام معلوم ہیں، ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں، واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے، کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے

سخت مخالف نہ ہوں، اور گو آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں لیکن اس واقعہ معراج کے بعد سے انھوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا ہو، قرآن مجید نے اُس کو فتنۃ للناس لوگوں کے لئے آزمایش کہا ہے، فتنۃ للمومنین یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے لئے آزمایش نہیں کہا ہے، اور اگر ان کے لئے بھی آزمایش ہو، تو اس آیت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ اس آزمایش میں پورے نہیں اُترے،

کیا آپ نے معراج میں خدا کو دیکھا؟ معراج کے مشاہدات میں شئون وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ نے دیکھی لیکن کیا ذاتِ الٰہی بھی حجلۂ حجاب سے باہر آکر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی، یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپ مشرف ہوئے بعض روایتوں میں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبد اللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے، اُس کے آخر میں ہے،

حتی جاء سدرۃ المنتھی و	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہی تک پہنچے
دنا الجبار رب العزۃ فتدلی	تو عزت والا جبار (خدا) یہانتک قریب ہوا
حتی کان منہ قاب قوسین او	اور جھک آیا کہ اس کے اور آپ کے درمیان دو
ادنی، (بخاری کتاب التوحید)	کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا،

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کئے ہیں، اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے، صحیح مسلم باب المعراج

میں شریک کی، اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر تمام چھوڑ دیا ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے؛

فقد م فیہ واخر وزاد ونقص شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے، امام خطابی نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابلِ اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث" اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے؛-

فانہ کثیر التفرد بمنا کیر	شریک ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت
الالفاظ التی لایتابعہ	روایت کرتے ہیں جن کی تائید اُن کے
علیھا سائر الرواۃ،	دیگر ہم درس راوی نہیں کرتے،

اور حضرت انسؓ سے واقعۂ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے، مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے" امام بیہقی نے بھی یہی کہا ہے اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے،[۱] علامہ ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب یہی رائے ظاہر کی ہے،[۲] بعض علمائے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی رائیں نہیں ظاہر کی ہیں نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ "وہ قوی نہیں" یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ اُس سے حدیث نہ بیان کی جائے" البتہ ابن سعد اور ابو داؤد نے اُن کے وثوق کی شہادت دی ہے اسی لئے محدثین کا فیصلہ اُن کے حق میں یہ ہے کہ جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو

---

[۱] بیہقی اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۂ اسراء میں ہے[۲] امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۳ و ۴۰۴ (مصر) میں نقل کئے ہیں؛

اُن کی وہ بات شاذ اور منکر قرار دی جائے گی، چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے،

اصل یہ ہے کہ شریک کی یہ روایت سورۂ والنجم کی ان آیتوں کی تعبیر پر مبنی ہے،

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ	محمد کو پُرزور اور طاقتور نے تعلیم دی اُس
فَاسْتَوٰی وَھُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی	آسمان کے بلند تر افق پر تھا، پھر قریب
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ	ہوا اور جھک آیا، یہاں تک کہ دو تیر یا
قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی	کمان کے برابر یا اُس سے بھی قریب تر ہو گیا پھر
عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی، مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ	اس کے بندہ کی طرف جو کچھ وحی کرنا تھی
مَا رَاٰی اَفَتُمٰرُوْنَہٗ عَلٰی مَا یَرٰی	کی، دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا،
وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ	وہ جو کچھ دیکھتا ہے کیا تم لوگ اس سے
سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی عِنْدَھَا جَنَّۃُ	اس کے متعلق آپس میں شک ظاہر کرتے
الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ	ہو، حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک جس
مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا	کے پاس جنت الماویٰ ہے اُس نے
طَغٰی لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ	دوسری مرتبہ بھی یقیناً اور بے شک اس کو
الْکُبْرٰی،	ہوتے دیکھا جب کہ سدرہ کو چھپا لیا تھا جس نے
(والنجم-۱)	چھپا لیا تھا نگاہ نہ جھپکی نہ بہکی اور

اُس نے اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں،

یہی آیتیں ہیں جن کی بنا پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا، ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبد اللہ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا، ترمذی ہی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نومسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات ہوئی، کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کو موسیٰ اور محمد علیہما السلام میں تقسیم کردی، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو دو دفعہ شرف کلام حاصل ہوا اور آپ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے، مسروق حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو اُن سے جاکر نقل کی، وہ نہایت برہم ہوئیں، اور قرآن مجید کی آیتوں سے انھوں نے اس خیال کی تردید کی، کہ خدا خود فرماتا ہے "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں" حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے اس آیت کو پیش کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ "ہاں یہ صحیح ہے مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں نمایاں ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا"[1]

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے، فرمایا کہ وہ تو نور ہے میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں" دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے صرف ایک نور دیکھا"[2]

---

[1] یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۂ والنجم میں ہیں، اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے، [2] مسلم جلد ۱ ص ۱۰۳ باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۂ نجم،

اکابر صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں بلکہ جبریلؑ کو دیکھا تھا، اور ان ہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے، صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے، تمام صحابہ میں حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا، صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک بار پوچھا کہ "مادر من! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا،؟ بولیں" یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، تین باتیں ایسی ہیں، جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے، جس شخص نے یہ روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے جھوٹ کہا، خدا خود کہتا ہے،

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (انعام ۱۳)	خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں، اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، اور وہ لطیف و خبیر ہے،

پھر فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (شوریٰ ۵)	اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ خدا اس سے کلام کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی اوٹ سے

ان آیتوں کو پڑھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں دیکھا،
البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھا، امام نووی شارح مسلم[1] نے لکھا ہے
کہ حضرت عائشہؓ کا یہ قول حجت نہیں ہو سکتا، کیونکہ انھوں نے قرآن مجید کی آیات سے
صرف عقلی استدلال کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی کہ
آپ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا، لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا
یہ خیال ظاہر کیا ہے، اُسی مقام پر حضرت مسروقؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ
کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا، انھوں نے کہا "اے ابو عائشہ! تین باتیں ایسی ہیں،
جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اُس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا، میں نے پوچھا وہ
کیا باتیں ہیں، فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی،
میں تکیہ لگائے بیٹھا تھا، یہ سُن کر سیدھا اٹھ بیٹھا، اور کہا اے ام المومنین جلدی نہ کیجئے، کیا خدا
خود نہیں فرماتا،

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (تکویر-۱)	اور اُس نے اس کو افق المبین پر دیکھا،
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم-۱)	اور اس نے اُس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا،

بولیں سب سے پہلے خود میں نے اُس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا!
"یہ جبریل تھے، میں نے ان دو مرتبوں کے سوا اُن کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا[2]" اس سے
زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے، برخلاف اس کے حضرت ابن عباسؓ نے (جن
سے روایتیں ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ

[1] شرح صحیح مسلم نووی نولکشور ص ۹۷
[2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۸۲-۸۳ مصطفائی ذکر سدرة المنتہیٰ ۱۲

انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہو کہ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہو کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کا مخالف نہیں ہو (تفسیر سورۂ اسراء) بلکہ اصل یہ ہو کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباسؓ کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوئی ہے، حضرت ابن عباسؓ کا یہ منشا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا، بلکہ اُن کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا، صحیح مسلم (متعلقات اسراء) اور جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں اُن کے یہ الفاظ ہیں، رآئی بقلبہ رائی بفوادہ دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا، مردویہ نے اس سے بھی زیادہ اُن کے تصریحی الفاظ نقل کئے ہیں،

لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے
بعینہ انما راٰہ بقلبہ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۷۶)	نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا،

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی، رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے،؟ تو اس رمز کو وہی سمجھے جس کے دل میں نور بصیرت اور جس کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو،

معراج جسمانی تھی یا روحانی خواب تھا یا بیداری

ہمارے متکلمین اور شراح حدیث نے اس باب میں بے سود مباحث کا ایک انبار لگا دیا ہے، فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات، فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظاہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بیجا حمایت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے،

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ اسرار (معراج) کی اس آیت کی نسبت،

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَیْنٰكَ اِلَّا	ترجمہ	ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھ کو دکھایا، اس کو
فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (بنی اسرائیل)		ہم نے لوگوں کے لئے صرف آزمائش

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے، رویائے عربی زبان میں "دکھاوا" کو کہتے ہیں، یعنی "جو دیکھنے میں آئے"، اور عام طور سے اس کے معنی "خواب" کے ہیں، اس لئے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے، وہ اس آیت کو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کرتا ہے لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں یہ اُن کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدۂ چشم کے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ واقعۂ معراج خواب نہ تھا، بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا، روایت کے الفاظ یہ ہیں :-

عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ	ابن عباسؓ اس، آیت کی تفسیر میں
وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَیْنٰكَ	کہ "ہم نے جو رویا تجھ کو دکھایا، اس کو نہیں
اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ قال هِیَ رُؤْيَا	بنایا لیکن لوگوں کیلئے آزمائش" کہتے ہیں کہ
عَيْنٍ اُرِيَهَا رسول الله صلی الله	یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ
علیه وسلم لما اسری به الی بیت	علیہ وسلم کو دکھایا گیا، جب آپ کو رات
المقدس (بخاری باب الاسری)	کے وقت بیت المقدس لے جایا گیا،

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں "آنکھ کے دیکھنے" کو نہیں کہتے، مگر

ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغت عرب کا واقف کار اور کون ہو سکتا ہی؟ جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہی، علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعرا نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

راعی کہتا ہے:- فکبّر للرویا وھشّ فوادہٗ،

متنبی کا مصرع ہے:- ورہ دیاک احلی فی العیون من الغمض،

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں، ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ جاتی ہے، کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق کا مطلق ذکر نہیں ہی، چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند احمد ابن حنبل میں یہ حضرت ابو ذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے، اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعہ سے ہی، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے، اس لئے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہی، لیکن حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطہ سے ہی یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مقامات میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

سمعت انس بن مالک یقول	انس بنؓ مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ
لیلۃ اُسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لیجایا گیا (معراج)

من مسجد الکعبة انه جاءه
ثلثة نفر قبل ان یوحی الیه
وھو نائم فی المسجد الحرام
فقال اولھم ایھم ھو فقال
اوسطھم ھو خیرھم فقال
آخرھم خذوا خیرھم فکانت
تلک اللیلة فلم یرھم حتی
اتوہ لیلة اخری فیما یری
قلبه وتنام عینه ولا ینام
قلبه وکذالک الانبیاء
تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم
(کتاب التوحید)

سمعت انس بن مالک یحدثنا
عن لیلة اسری بالنبی صلی اللہ
علیہ وسلم من مسجد الکعبة جاءه

بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ
کی طرف وحی بھیجی جائے آپکے پاس تین
شخص آئے اور آپ اس وقت مسجد حرام
میں سوئے ہوئے تھے، پہلے نے کہا وہ
کون ہے؟ بیچ والے نے کہا ان سونے
والوں میں جو سب سے بہتر ہے پچھلے نے
کہا ان میں جو سب سے بہتر ہے اس کو لیلو
یہ بات ہوگئی، پھر آپنے ان کو نہیں
دیکھا یہاں تک کہ ایک اور رات کو
وہ آئے، اس حالت میں کہ آپ کا دل
دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں
لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا،

انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہم لوگوں سے آپ کی شب معراج
کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ
پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے

اسی طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں، مگر ان کے دل نہیں سوتے، ۱۲

ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا، کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے تھی
اور دوسری رات شب معراج تھی (نبوت کے بارھویں سال تھی)

ثلٰثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وھو نائم فی المسجد الحرام فقال اولھم ایھم ھو فقال وسطھم ھو خیرھم وقال اٰخرھم خذوا خیرھم، فکانت تلک فلم یرھم حتی جاؤ الیلۃ اخری فیما یری قلبہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم نائمۃ عیناہ و لا ینام قلبہ وکذلک الانبیاء تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم فتولاہ جبریل ثم عرج بہ الی السماء (باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

آپکے پاس تین آدمی آئے، پہلے نے کہا وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ اُن میں سب سے بہتر ہے، پچھلے نے کہا جو اُن میں سب سے بہتر ہو اس کو لیلو یہ ہو گیا، پھر آپنے اُن کو نہیں دیکھا، یہانتک کہ وہ ایک دو رات کو آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا، اور آپ کی آنکھیں سوتی تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا، انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، کہ اُن کی آنکھیں سوتی ہیں اور اُنکے دل نہیں سوتے، پھر جبرئیلؑ نے آپ کو اپنے اہتمام میں لیا پھر وہ آپ کو لیکر آسمان

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انسؓ کا یہ فقرہ روایت کیا ہے،

فاستیقظ وھو فی المسجد الحرام

پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے،

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے، سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ

آپ مسجدِ حرام میں سوتے تھے" اس کو ختم کر دیا ہے، اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا کر و آگے پیچھے کر دیا ہے، اس لئے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے، کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں، اور اسی لئے اس کو انھوں نے رد کر دیا ہے" دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصہ انصاری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں، کہ آپ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا،

بینا انا عند البیت بین النائم والیقظان [۱]،	میں کعبہ کے پاس خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھا،

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

بینما انا فی الحطیم مضطجعا،	اس اثنا میں کہ خانۂ کعبہ کے مقام) حطیم میں لیٹا ہوا تھا،

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے، دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے کہ جس میں حضرت ابو سعید خدری کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں عشاء کے وقت خانۂ کعبہ میں سو رہا تھا، ایک آنے والا (جبریلؑ) آیا، اور اس نے آکر مجھے جگایا، اور

---

[۱] صحیح بخاری ذکر الملائکہ و صحیح مسلم باب الاسراء،

میں جگا" اُس کے بعد واقعۂ معراج کی تفصیل ہے، اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے لیکن اس کا دوسرا بھی راوی جھوٹا اور دروغگو اور ناقابلِ اعتبار ہے[1]، اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کئے گئے ہیں، وہ سرتا پا لغو ہیں، ابنِ اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر میں (سورۂ اسراء) حضرت حسن بصریؒ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ "میں سو رہا تھا کہ جبرئیلؑ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا" لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصریؒ سے آگے نہیں بڑھتا، سیرت ابنِ ہشام اور تفسیر ابنِ جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں، جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور رویائے صادقہ کہتے تھے، یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں،

عَنْ محمد بن اسحاق قال حدثنی یعقوب بن عتبة بن المغیرة ان معاویة بن ابی سُفیان کانَ اذا سئل عَنْ مسری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال کانت رُؤْیَا مِّنَ اللّٰہ صادقة	(ابن جریر، تفسیر اسراء، سیرت ابن ہشام ذکر معراج)	محمد بن اسحاق سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا،

[1] حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ اسراء ص ۱۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے اس کے سلسلۂ سند میں دوسرا راوی وہی ابو ہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ ھُو اکذب من فرعون وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے،

لیکن یہ روایت منقطع ہے، یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا ہے، کیونکہ انھوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے، دوسری روایت ہے،

حدثنا ابن حمید، قال حدثنا سلمۃ عن محمد قال حدثنی بعض آل ابی بکر ان عائشۃ کانت تقول مافقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن اسری بروحہ (حوالۂ مذکور)	ابن حمید نے ہم سے بیان کیا، ان سے سلمہ نے، سلمہ سے محمد بن اسحاق نے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم نہیں کھویا گیا، بلکہ آپ کی روح شب کو لیجائی گئی"

اس روایت کے سلسلہ میں بھی محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندانِ ابوبکرؓ کے ایک شخص کا نام و نشان مذکور نہیں ہے، اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے فروتر ہے، تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج کو رویا یا روحانی کہنا قرنِ اول میں بعض لوگوں کا قول تھا، ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے"

لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے، کہ معراج جسمانی تھی اور بیداری کی حالت میں تھی، قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے،

اختلف الناس فی الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیل	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج میں لوگوں کا اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب

انما كان جميع ذلك في المنام والحق الذي عليه اكثر الناس ومعظم السلف وعامة المتأخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين انه اسري بجسده صلى الله عليه وسلم والآثار تدل عليه لمن طالعها وبحث عنها ولا يعدل عن ظاهرها الا بدليل ولا استحالة في حملها عليه فيحتاج الى تاويل (شرح مسلم باب الاسراء)

پیش آیا، اور حق یہ ہے جس پر اکثر لوگ اور سلف صالحین کا بڑا حصہ اور عامۂ متاخرین میں سے فقہاء و محدثین اور متکلمین سب متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کے ساتھ معراج ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا غائر مطالعہ اور تحقیق کریگا اس پر یہ حق واضح ہو جائیگا، اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائیگا، اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو،

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لیکر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک کے چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں، جو حسب ذیل ہیں،

(۱) قرآن مجید میں ہے کہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ "پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا "بندہ" یا "عبد" کا اطلاق جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے تنہا روح کو "عبد" یا "بندہ" نہیں کہتے،

(۲) واقعات معراج میں بیان گیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے، آپ نے

دودھ کا پیالہ نوش فرمایا، سوار ہونا، پینا یہ سب جسم کے خواص ہیں، اسلئے یہ معراج جسمانی تھی

(۳) اگر واقعۂ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے انسان

تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے، محال سے محال چیز بھی اس کو عالمِ خواب میں واقعہ

بن کر نظر آتی ہے،

(۴) خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیارِ آزمایش بنایا ہے، اگر یہ عام خواب

ہوتا تو یہ آزمایش کی کیا چیز تھی، اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا،

معراج کے بحالتِ بیداری ہونے پر صحیح استدلال

میرے نزدیک معراج بحالتِ بیداری کے ثبوت کا صاف و صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم

اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائیگا کہ وہ واقعہ بحالتِ

بیداری پیش آیا، قرآنِ پاک کے ان الفاظ میں سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا (پاک ہے

وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اسی طرح حضرت ابوذرؓ

کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اسلئے بے شبہہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا

جائے گا، اور یہی جمہور امت کا عقیدہ ہے، اور وہ بھی بجسم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی

خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اسکو بیداری کا واقعہ سمجھا جائیگا

مدعیانِ رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں

جو لوگ اس کو رویا کہتے بھی ہیں، اس سے ان کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے، ان کا کہنا ہی کہ

لوگوں نے انبیاء علیہم السّلام کے رویا کی حقیقت پر غور نہیں کیا ہے، وہ غلطی سے انبیاءؑ کے رویا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ در اصل صرف لفظ کا اشتراک ہی، ورنہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، یہ وہ "رویا" ہے جس میں گو آنکھیں بند ہوتی ہیں، مگر دل بیدار ہوتا ہے، کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر در اصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے، عام خواب اور اس رویا میں مشابہت صرف اس قدر ہی کہ ان میں عالم مادی اور کاروبار حواسِ ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تعطل ہی، لیکن پہلے میں عالم روح اور کائناتِ ملکوت کو دخل نہیں اور دوسرے میں سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، ہم سفریِ ناموس، سیر سماوات، لقاے ارواح، رویتِ حق سب کچھ ہے، اسی لئے جن لوگوں نے اس کو "منام" یا "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انھوں نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے، ورنہ اصل مقصود یہی کیفیتِ روحانی اور یہی حالتِ ملکوتی ہی اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانینِ طبعی کے رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں،

رویاے صادقہ کی تاویل | بہر حال جو لوگ اس کو رویاے صادقہ کہتے ہیں، اُن کو گویہ مغالطہ بعض روایاتِ حدیث سے پیش آیا ہے، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے جس کے الفاظ میں کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہی اور اسی لئے اس کو انھوں نے رد کر دیا ہے، تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحبِ معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واما من اعتبر اول الحديث بآخره فانه يزول عنه الاشكال فانه مصرح فيهما بانه كان رؤيا لقوله في اوله وهو نائم وفي آخره استيقظ وبعض الرؤيا مثل يضرب ليتاول على الوجه الذي يجب ان يصرف اليه معنى التعبير في مثله وبعض الرؤيا لا يحتاج الى ذلك بل ياتي كالمشاهدة،

(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۰۲)

لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال اس لیے دور ہو جائیگا کہ ان میں یہ تصریح ہے کہ یہ رویا تھا، کیونکہ اس روایت کے شروع میں ہے کہ "آپ سو رہے تھے" اور آخر میں ہے، کہ آپ جاگ پڑے، بعض رویا تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں جن کی تاویل ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے، جس طرح اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے، اور بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے، بلکہ وہ مشاہدۂ عینی کی طرح پیش آتے ہیں،

رویا سے مقصود روحانی ہے

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں، وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقۂ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں، انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے، اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے، اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے، جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا، انسان جب بیداری میں

ہوتا ہے تو حواسِ ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدۂ باطن سے باز رکھتی ہے، نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے، تو اس کو رنگارنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حالت انسان کی باطنی وروحانی قویٰ کی ترقی وتنزل پر موقوف ہے، ایک دن تو ہر انسان مرجاتا ہے یعنی اُس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن انسانوں کی ایک صنف ایسی بھی ہے جس کا طائرِ روح خدا کے فضل وموہبت کے بازوؤں سے پرزور ہو کر اپنے قفسِ عنصری سے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالمِ ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے، اور پھر اسی قفسِ عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے، یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں، اور اسی عالم کو عالمِ رویا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ میں رویا کہا گیا ہے یہی وہ دنیا ہے جب ہیں آنکھیں سوتی ہیں، اور دل بیدار ہوتا ہے، اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے، اور ابن ہشام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ

ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج روح
ولکن اسری بروحہ،	کے ذریعہ ہوئی)

کا بھی یہی مطلب ہے،

حافظ ابن قیم نے زاد[1] المعاد میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے،

---

[1] جلد اول ص ۳۰۴ - مصر،

فصل وقد نقل ابن اسحاق
عن عائشة و معاوية انهما
قالا انما كان الاسراء بروحه
و لم يفقد جسده ونقل عن
الحسن البصري نحو ذلك
ولكن ينبغي ان يعلم الفرق
بين ان يقال كان الاسراء
مناماً وبين ان يقال كان
بروحه دون جسده وبينهما
فرق عظيم وعائشة ومعاوية
لم يقولا كان مناماً وانما
قالا اسرى بروحه ولم يفقد
جسده وفرق بين الامرين
فان ما يراه النائم قد يكون
امثالاً مضروبة للمعلوم في
الصور المحسوسة فيرى كانه
قد عرج به الى السماء او ذهب

فصل ابن اسحاق نے حضرت عائشہ رضؓ
اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں
نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح لیجائی گئی
اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا، (یعنی وہ
اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا، اور
حسن بصری رضؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے
لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ یہ کہنا کہ معراج
منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح
کے تھی جسم کے ساتھ نہ تھی، ان دونوں
میں بڑا فرق ہے حضرت عائشہ رضؓ اور معاویہ رضؓ
نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب) تھا،
انھوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں آپ
کی روح کو لیجایا گیا، اور آپ کا جسم کھویا
نہیں گیا، ان دونوں میں بڑا فرق ہے،
کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی محسوس
صورتوں میں جو کچھ معلوم ہے اسکی تمثیلیں
اسکے سامنے کی جاتی ہیں، پس وہ دیکھتا ہے

به الی مكة واقطار الارض و روحه لم تصعد ولم تذهب وانما ملك الرؤيا ضرب لهم المثال والذين قالوا عرج برسول الله صلى الله عليه وسلم طائفتان، طائفة قالت عرج بروحه وبدنه وطائفة قالت عرج بروحه ولم يفقد بدنه وهولاء لم يريدوا ان المعراج كان مناما وانما ارادوا ان الروح ذاتها اسرى بها وعرج بها حقيقة وباشرت من جنس ما تباشر بعد المفارقة وكان حالها في ذلك كحالها بعد المفارقة في صعودها الى السموات سماء سماء حتى ينتهي بها الى السماء السابعة فتقف بين يدي الله عزوجل فيامر فيها بما يشاء

کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا، یا مکہ اس کو لے جایا گیا، اور زمین کے گوشوں میں اسکو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح نہ چڑھی، نہ گئی، نہ پھری، صرف یہ ہوا کہ خواب کے فرشتے نے اس کے لئے ایک تمثیل اس کے سامنے کردی، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر چڑھایا گیا ان میں دو فرقے ہیں، ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح وبدن دونوں کے ساتھ ہوئی، اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا، (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ خواب تھا، بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی اور وہی درحقیقت اوپر چڑھائی گئی اور اس نے اس طرح کیا جس طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے اور

ثم تنزل الأرض فالذی کان
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ
الاسراء اکمل مما یحصل للروح
عند المفارقۃ ومعلوم ان ھذا
امر فوق مایراہ النائم لکن
لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فی مقام خرق العوائد حتی
شق بطنہ وھو حی لا یتألم
بذلک عرج بذات روحہ
المقدسۃ فی غیر اماتۃ ومن
سواہ لا ینال بذات روحہ
الصعود الی السماء الا بعد الموت
والمفارقۃ فالانبیاء انما استقرت
ارواحھم ھنالک بعد مفارقۃ
الابدان وروح رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم صعدت الی ھناک
فی حال الحیاۃ ثم عادت وبعد

اس میں اس کی حالت رہی تھی، جو مفارقت
جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان
پر کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے، یہاں تک کہ
ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے، اور
اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی ہے،
پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت حکم دیتا
ہے، پھر زمین پر واپس آجاتی ہے، پس آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں جو حاصل ہوا،
وہ اس سے بھی زیادہ کامل تھا، جو روح
کو مفارقتِ جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے
اور یہ ظاہر ہے کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے،
جو سونے والے کو خواب میں نظر آتا ہے لیکن
چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرقِ عادات
کے مقام میں تھے، یہانتک کہ آپ کا
سینہ چاک کیا گیا، اور آپ زندہ تھے، لیکن
آپ کو تکلیف نہیں ہوئی، اسی طرح
خود روحِ مبارک بذاتہ اوپر چڑھائی

وَفَاتِہٖ استقرت فی الرفیق الاعلیٰ
مع ارواح الانبیاء و مع ھٰذا
فلھا اشراف علی البدن و
اشراق و تعلق بہ بحیث یرد
السلام علی من سلم علیہ و
بھذا التعلق رأی موسیٰ قائمًا
یصلی فی قبرہ ورآہ فی السماء
السادسۃ و معلوم انہ لم یعرج
بموسیٰ من قبرہ ثم رد الیہ
و انما ذالک مقام روحہ و
استقرارھا و قبرہ مقام بدنہ
و استقرارہ الی یوم معاد
الارواح الی اجسادھا فرآہ
یصلی فی قبرہ ورآہ فی السماء
السادسۃ کما انہ صلی اللہ
علیہ وسلم فی ارفع مکان فی الرفیق
الاعلیٰ مستقرًا ھناک و بدنہ

گئی بغیر اس کے کہ آپؐ پر موت طاری
کی جائے، آپؐ کے علاوہ اور کسی کی روح
کو موت اور مفارقت تن کے بغیر یہ عروج
نصیب نہ ہوا، انبیاءؑ کی روحیں جو یہاں
ٹھہری تھیں، وہ مفارقت جسم کے بعد
تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح
پاک زندگی کی حالت میں وہاں گئی، اور
واپس آئی، اور مفارقت کے بعد انبیاءؑ
کی روحوں کے ساتھ "رفیق اعلیٰ" میں جاکر
ٹھہر گئی، لیکن باوجود اس کے روح پاک
کو اپنے جسم کے ساتھ ایک نوع کا تعلق
اور رشتہ ہے کہ اگر آپ پر کوئی سلام
بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں اسی
تعلق سے آپ نے شب معراج میں دیکھا کہ
موسیٰؑ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، پھر آپ نے
ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا حالانکہ معلوم ہو کہ
موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں لیجایا گیا تھا،

فی ضریحہ غیر مفقود و اذا سلم
علیہ المسلم رد اللہ علیہ
روحہ حتی یرد علیہ السّلام
و لم یفارق الملأ الاعلیٰ، و
من کثف ادراکہ و غلظت طباعہ
عن ادراک ھٰذا فلینظر الی
الشمس فی علو محلھا و تعلقھا
و تاثیرھا فی الارض و حیات
النبات والحیوان بھا،
ھٰذا، و شان الارواح
فوق ھٰذا، فلھا شان وللابدان
شان وھٰذہ النار تکون فی
محلھا وحرارتھا تؤثر فی الجسم
البعید عنھا مع ان الارتباط
والتعلق الذی بین الروح
والبدن اقوی واکمل
من ذالک واتم فشان الروح

اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا، اسکی گرہ یوں کھلتی
ہے کہ وہاں آسمان پر جو موسیٰؑ کو آپ نے
دیکھا تو وہ ان کی روح کا مقام و مستقر تھا،
اور قبر ان کے جسم کا، جہاں وہ قیامت میں
روحوں کے لوٹانے کے وقت تک رہیگا،
اس طرح آپؐ نے ان کو ان کی قبر میں نماز
پڑھتے بھی دیکھا، اور چھٹے آسمان پر بھی دیکھا
جس طرح کہ (بعد وفات) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ میں بھی قرار گیر
ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں بھی موجود
ہے جب سلام کرنے والا آپ پر سلام کرتا
ہے، تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ
آپ جواب دیتے ہیں، حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ
سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے، جو موٹی سمجھ اور
بھدی طبیعت کا آدمی اس معاملہ کو سمجھ نہ سکے،
اس کو چاہئے کہ آفتاب کی طرف دیکھے کہ اس
دوری اور بلندی کے باوجود اس کا تعلق

اعلیٰ من ذالك والطف،

اور رشتہ زمین سے قائم ہے، اور اس کے اندر وہ اثر ڈالتا ہے، اور نباتات وحیوانات کی زندگی اس کو دخل ہے، پھر روح کا مرتبہ تو اس سے بدرجہا زیادہ ہے، کیونکہ روح کا معاملہ اور ہے اور جسم کا معاملہ اور ہے، دیکھو کہ آگ اپنی جگہ پر رہتی ہے اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے، روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے بھی زیادہ قوی اور کامل ہے، اسلئے کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہے،

نقل للعیون الرمد یاك ان تری   سنا الشمس فاستغنی ظلام للیالیا

گرد آلود آنکھوں سے کہدو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور رنگ میں کی ہے، علمائے اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے، اور محدث اور متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال نام عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں، جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل وصورت میں نمایاں

ہوئی ہے، شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی لیکن یہ عالمِ برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسم پر روحانی خواص طاری کیے گئے، اور معانی و واقعات مختلف اشکال و صور میں مشاہد کرائے گئے، چونکہ ایک بیگانہ کیلئے اس نادیدہ شہرستان کی ہوبہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے، اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں،

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:-

واسری بہ الی المسجد الاقصیٰ	آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لیجایا گیا،
ثم الی سدرۃ المنتھیٰ والی	پھر سدرۃ المنتہیٰ، اور جہاں خدا نے چاہا، اور
ماشاء اللہ، وکل ذالک بجسدہ	یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی حالت
صلی اللہ علیہ وسلم فی الیقظۃ ولکن	میں ہوا، لیکن اُس مقام میں جو عالمِ مثال اور
ذالک فی موطن ھو برزخ	عالمِ ظاہر کے بیچ میں ہے، اور جو دونوں
بین المثال والشھادۃ جامع	عالموں کے احکام کا جامع ہے، اسلئے جسم پر
لاحکامھما فظھر علی الجسد	روح کے احکام ظاہر ہوئے، اور روح پر
احکام الروح وتمثل الروح	معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں
والمعانی الروحیۃ اجساداً	ہوئے، اور اسی لئے ان واقعات میں ہر واقعہ
ولذالک بان لکل واقعۃ	کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی، اور اسیطرح کے
من تلک الوقائع تعبیر وقد	واقعات حضرت حزقیل اور موسیٰ وغیرہ علیہم السلام

ظهر لحناقيل وموسى وغيرهما	کیلئے ظاہر ہوئے تھے اور اولیاء امت کے سامنے
عليهما السلام ونحو من تلك الوقائع	ظاہر ہوتے ہیں، کہ خدا کے نزدیک ان کے درجے
وكذلك لاولياء الامة يكون علو درجاتهم	کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو
درجاتهم عند الله كما لهم في الرؤيا ما يأخذ	رویا میں ان کو معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم،

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے، خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالا اٹھالیا، اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی تمام امت گمراہ ہو جاتی؛ اس عالمِ تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے،

شاہ صاحب معراج کو عالمِ برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں، فرماتے ہیں:-

اما شق الصدر وملؤه ايمانا	لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا
فحقيقته غلبة انوار الملكية	تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ، اور
وانطفاء لهيب الطبيعة و	طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا، اور طبیعت
وخضوعها لما يفيض عليها	کی فرمانبرداری اس فیضان کے قبول کرنے
من حظيرة القدس، اما	کے لئے جو خطیرۃ القدس سے خدا اس پر فائض

ركوبه على البراق فحقيقته استواء
نفسه النطقية على نسمته التي
هي الكمال الحيواني، فاستوى
راكبا على البراق كما غلبت
احكام نفسه النطقية على
البهيمية وتسلطت عليها
وأما اسراءه الى المسجد الا
لاقصى فلانه محل ظهور
شعائر الله ومتعلق همم
الملاء الاعلى ومطمح انظار
الانبياء عليهم السلام
فكانه كوة الى الملكوت
وأما ملاقاته مع الانبياء
صلوات الله عليهم ومفاخرته
معهم فحقيقتها اجتماعهم
من حيث ارتباطهم بحظيرة
القدس وظهور ما اختص به

کرتا ہے لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا، تو
اُس کی حقیقت آپ کے نفسِ ناطقہ (بشری)
کا اپنے اندر روحِ حیوانی پر استیلاء حاصل
کرنا ہے، جو کمالِ حیوانی ہے، تو آپؐ براق
پر اسی طرح سوار ہو گئے جس طرح آپؐ کی
روحِ بشری کے احکام آپؐ کی روحِ حیوانی
پر غالب آگئے اور اس پر مسلط ہو گئے'
لیکن آپ کا رات کو مسجدِ اقصیٰ لے جانا
تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائرِ الٰہی کے ظہور
کا مکان ہے اور ملاءِ اعلیٰ کے ارادوں
کا تعلق گاہ ہے، اور انبیاء علیہم السّلام کی
کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے، گویا وہ ملاءِ اعلیٰ
کی طرف ایک روشندان ہے (جہاں سے)
روشنی چھن چھن کر اس روشندان کے ذریعہ
اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہے، لیکن
آپ کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات
اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی

من بينهم وجوه الكمال، واما
رقيه الى السّمٰوات سماء
سماء فحقيقته الانسلاخ
الى مستوى الرحمان منزلة
بعد منزلة ومعرفة حال
الملائكة الموكلة بها ومن
لحق بهم من افاضل البشر
والتدبير الذى اوحاه الله
فيها والاختصام الذى يحصل
فى ملئها، واما بكاء موسىٰ
فليس بحسد ولكنه مثال
لفقد عموم الدعوة وبقاء
كمال لم يحصله فيما هو
فى وجهه، واما سدرة المنتهى
فشجرة الكون وترتيب بعضها
على بعض واجتماعها فى تدبير
واحد كاجتماع الشجرة

حقیقت تو ان کا اجتماع ہے، بحیثیت اس کے
کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں خطیرۃ القدس
سے مربوط ہیں اور آپ کی ان حیثیات کمال
کا ظہور ہے، جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی
ذات سے مخصوص تھیں، لیکن آپ کا آسمانوں
پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا (اور
فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات)
تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ (تحت کی
منزلوں سے) کھینچ کر عرش الٰہی تک پہنچنا ہے،
اور ہر آسمان پر جو فرشتے متعین ہیں، اور
کامل انسان میں سے جو جہاں جس جس
درجہ تک پہنچ کر ان کے ساتھ مل گیا ہے،
ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو
ہر آسمان میں خدا نے وحی کی، اور اس
مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں
کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے، لیکن
حضرت موسیٰؑ کا رونا تو از راہ حسد نہ تھا،

في الغاذية والنامية ونحوها
ولم تتمثل حيوانا لان التدبير
الجملي الاجمالي الشبيه
بسياسة الكلي لافراده
وانما اشبه الاشياء به
الشجرة دون الحيوان، فان
الحيوان فيها قوى تفصيلية
والارادة فيه اصرح من سنن
الطبيعة، واما الانهار
في اصلها فرحمة فائضة
في الملكوت حذو الشهادة
وحياة انماء فذلك
تعين هنالك لبعض الامور
النافعة في الشهادة كالنيل
والفرات واما الانوار التي
غشيتها فتدليات الهية
وتدبيرات رحمانية

بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو
دعوت عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی
بقا ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت
سے حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہی تو دہ
وجود کا درخت ہے، اس کا ایک دوسرے
پر مترتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر
میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت (اپنی
شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے
باوجود) اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ
کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے سدرۃ المنتہی
حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا، اسلئے کہ
اجمالی اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے جس طرح
کلی اپنے افراد کی سیاست اجمالی کرتی ہے
اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے
نہ کہ حیوان، کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں
ہوتی ہیں، اور خصوصاً اس میں ارادہ قوانین
طبعی سے زیادہ مصرح صورت میں ہوتا ہے

تتلعلع في الشهادة حيثما
استعدت لها وأما بيت
المعمور فحقيقته التجلي الإ
لهي الذي يتوجه إليه
سجدات البشر وتضرعاتها
تمثل بيننا على حذو ما عندهم
من الكعبة وبيت المقدس
ثم أتى بإناء من لبن وإناء
من الخمر فاختار اللبن، فقال
جبرئيل هديت الفطرة
ولو أخذت الخمر لغوت
أمتك فكان هو صلى الله عليه وسلم
جامع أمة ومنشاء
ظهورهم وكان اللبن
اختيارهم الفطرة والخمر
اختيارهم لذات الدنيا
وأمد بخمس صلوات بلسان

لیکن نہروں کی جڑوں اور سوتوں کا وہاں
نظر آنا، تو وہ رحمت، حیات، نشو و نما کا منبع
ہے جو عالمِ ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح
عالمِ ظاہر میں، اسی لئے وہاں بھی بعض دریاے فیض ہو
نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں، جیسے دریائے نیل
اور نہرِ فرات لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکے
تھے تو وہ تنزلاتِ الٰہیہ اور تدبیراتِ رحمانیہ ہیں
جو اس عالمِ ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں جہاں
جہاں انکے قبول کی استعداد ہوتی ہے، لیکن بیت
معمور تو اسکی حقیقت وہ تجلی الٰہی ہے جس کی
طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں
متوجہ ہوتی ہیں، وہ گھر کی صورت میں اسلئے
نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح ہو جو
انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی
صورت میں ہیں، پھر آپ کے سامنے ایک دودھ
کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا آپ نے
دودھ پسند فرمایا تو جبرئیل نے کہا کہ فطرت کی طرف

التجوز لانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مراده تدریجاً لیعلم ان الحرج مدفوع وان النعمة کاملة وتمثل هذا المعنیٰ مستنداً الیٰ موسیٰ علیہ السلام فانه اکثر الانبیاء معالجة للامة ومعرفة بسیاستها،

(باب الاسرا ۶)

آپنے ہدایت پائی، اگر شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی، آپکے پسند وقبول کو امت کا پسند وقبول کہنا اسلئے تھا کہ آپ اپنی امت کے جامع ومرکز اور اس کے ظہور کے منشا ومولد تھے، اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا، اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا، اور آپ کو بزبانِ مجاز پچاس وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو (کہ ۵۰ وقتوں سے ۵ وقت مقصود ہیں) بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو ۵ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہی اور نعمت پوری ہوئی ہے، اور یہ بات حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کی گئی ہے کیونکہ آپ انبیاء میں سب سے زیادہ امت کے علاج اور اس کی سیاست کی معرفت رکھتے تھے،

ہم نے اربابِ حال اور محدثین کے یہ انکشافات وحقائق اور جسم وروح کے یہ گوناگوں احوال ومناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں، ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے،

وكان في مسراه وما ذكر منه
بلاء وتمحيص وامر من امر الله
في قدرته وسلطانه فيه
عبرة لاولي الالباب وهدى
ورحمة وثبات لمن آمن بالله
وصدّق وكان من امر الله
على يقين فاسرى به كيف
شاء وكما شاء ليريه من آياته
ربه ما اراد حتى عاين ما عاين
من امره وسلطانه العظيم
وقدرته التي يصنع بها
ما يريد
(سيرت ابن هشام باب الاسراء)

آپ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق
بیان کیا گیا ہے اس میں آزمایش اور کافر
و مومن کی تمیز ہے اور خدا کی قدرت اور
سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے، اور اس میں
اہل عقل کے لئے عبرت ہے، اور جو اللہ پر ایمان
لایا، اور تصدیق کی، اور خدا کے کاموں پر
یقین رکھا اس کے لئے اس میں ہدایت،
رحمت اور ثابت قدمی ہے، پس اللہ تعالیٰ
اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح
چاہا، اور جیسے چاہا، تاکہ وہ اس کو اس کے
پروردگار کی نشانیوں میں جو چاہے دکھائے
یہانتک کہ آپ نے خدا کی شان اور اس کی
عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے، جو کچھ دیکھے اور
اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ جو کچھ چاہتا
ہے کرتا ہے،

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں، اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسرار (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے یعنی

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات کے
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصی
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا	(بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے گرداگرد
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ	ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ
ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل)	کو اپنی نشانیاں دکھائیں وہی سننے والا

(پ ۱۵ سبحٰن الذی)

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورۂ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے، سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں،

۱۔ یہ اعلان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی الثقلین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں

۲۔ یہود جو اب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اس کے نگہبان وکلید بردار بنائے گئے تھے، ان کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہو اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گذاری سپرد کی جاتی ہے،

(۳) کفارِ قریش کو اعلان کہ تمھارے پند وموعظت کا عہد گذر گیا، فیصلۂ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے، اب وہ آتا ہے، کہ رسول اب ہجرت کرتے ہیں،

(۴) رسولوں کی سنت کے مطابق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا جائیگا جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا،

(۵) معراج کے احکام وشرائع،

(۶) نماز پنجگانہ کی فرضیت،

(۷) نبوت، قرآن، قیامت اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات،

(۸) حضرت موسیٰؑ کے حالات اور واقعات سے استشہاد،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی الثقلین ہونا

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا، اور ان کو ارض مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے، لیکن اسی ساتھ تورات میں بار بار اعلان کرکے یہ بھی ان کو سنا دیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے خدا کے احکام کی اطاعت اور پیغمبروں کی تصدیق نہ کی، تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائے گا، حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ واسحٰقؑ دو بیٹے عطا ہوئے تھے، اور ارضِ مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام

کا ملک حضرت اسحٰقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت سمٰعیلؑ کو ملا تھا، شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہی، (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوب کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی، اور بنو اسمٰعیل کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے اُن میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسمٰعیلؑ کا کعبہ تھا، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جسقدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف وخصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا، اسی طرح حضرت اسحاقؑ واسمٰعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذاتِ محمدیؐ ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے دو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پھر ایک جگہ جمع ہو گئی، اور گویا وہ "حقیقتِ ابراہیمیہ" جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی، ذاتِ محمدیؐ میں پھر یکجا ہو گئی، اور آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی، اور نبی القبلتین کا منصب عطا ہوا، یہی نکتہ تھا جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس تک) لے جایا گیا، اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاءؑ کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا، تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلانِ عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوتی ہے، اور وہ نبیِ قبلتین نامزد ہوتے ہیں، اور قرآن مجید میں سورہ اسرا

کی ابتدا، اور واقعۂ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے،

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	بندہ کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک لے گیا
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا	جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں تاکہ
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ	ہم اپنے بندہ کو اپنی چند نشانیاں دکھائیں،
ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل)	بیشک خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے،

بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا اختتام

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سے شرائط او معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا، اور یہ کہدیا گیا تھا، کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے، اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائیگا، اور محکومی و غلامی کی زنجیروں کی گردنوں میں ڈال دیجائیگی، حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں ان کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی، عدم ایفاے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) کے ہاتھوں ان سے چھین لی گئی، ارضِ مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے، شہر اور شلیم کھنڈر کر دیا گیا، بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی، اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے،

اس پُرغم سانحہ پر انبیاے بنی اسرائیل نے ماتم کیا، خدا کے سامنے دست تضرع دراز کیا، بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی، تو پھر ان کو معاف کیا گیا، اور ایرانیوں کے عہد میں ارضِ مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے عہد پر

قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کئے، توراۃ کے احکام سے روگردانی کی، تو ان پر یونانیوں اور رومیوں
کو مسلط کیا گیا جنھوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہودیوں کا قتل عام کیا قربان گاہ
کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے، اب اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے
اور بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے، اگر انھوں نے حق پسندی کو راہ دیا
تو خدا ان پر رحم فرمائے گا، ورنہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے،
چنانچہ آیاتِ بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کو بنی اسرائیل
هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا	کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا، کہ ہمارے سوا
تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ذُرِّيَّةَ	کسی کو کارساز نہ بنائیں، اے ان لوگوں کی
مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ	اولاد جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی پر سوار
عَبْدًا شَكُورًا وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي	کیا تھا، دیکھو کہ ان کا جنھوں نے اپنا کارساز
إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ	دوسروں کو بنایا تھا، کیا حشر ہوا، تم کو اس
فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ	احسان کا شکر ادا کرنا چاہئے، تھا، کیونکہ تمھارا
عُلُوًّا كَبِيرًا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ	باپ نوحؑ شکر گذار بندہ تھا، اور ہم نے کتاب
أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا	میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا تھا کہ
لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا	تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے، اور بڑی
خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا	زیادتیاں کرو گے، جب ان میں سے پہلے

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ
أَمْدَدْنَٰكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَ
جَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ
أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ
وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا
دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا
مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن
يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا
وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَٰفِرِينَ
حَصِيرًا ،

(بنی اسرائیل ۱۰)

فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں کو
کھڑا کر دیا جو بڑے سخت گیر تھے، وہ تمہارے
شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ پورا
ہوا، پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے، اور تم کو
مال اور اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد
بہت بڑھا دی (اور کہہ دیا کہ) اگر تم نے اچھے
کام کئے تو اپنے ہی لئے اور برے کام کئے تو اپنے لئے
(پھر جب تمہارے دوسرے فساد کا وقت آیا)
(تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا کر دیا)
کہ وہ تمہارے چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی
بیت المقدس میں اسی طرح گھس جائیں،
جس طرح تمہارے پہلے دشمن گھسے تھے اور جس
چیز پر وہ قابو پائیں، اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں
(اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے
بعد) ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور
اگر تم نے پھر ویسا ہی کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے، اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے،

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لئے مکی سورتوں
میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب کیا جا رہا ہے

کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے، اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے، جہاں اُن سے تعلقات کا آغاز ہوگا، اور اُن کو از سر نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا، اور خدا اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا، لیکن اگر انھوں نے قبولِ حق سے انکار کیا تو ان کے لئے پھر وہی سزا ہے، جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے، لیکن افسوس انھوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے ان سے کہا:-

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کرونگا،

اس لئے خدا نے ان پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا، اور ان کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی اور وہ مدینہ، اطرافِ مدینہ، خیبر، اذرعات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے، اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی،

کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان آج کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان ہے، اُن کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا اور ہمارا مذہب باطل ہے تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے، اُن کو یہ سنتِ الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا جب تک اس میں مبلغِ الٰہی مبعوث نہیں ہو لیتا، اور اس کو بالکل اُس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی، اس وقت قوم کا دولت مند اور مغرور طبقہ اُس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے، بہت سے دوسرے لوگ جن کو اُن کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے، ان کا ساتھ دیتے ہیں، مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور اور ضعیف ہوتا ہے، اس حق کو قبول کر لیتا ہے، ایک دنیا کے نفعِ عاجل کا طالب ہے،

اور دوسرا آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں، مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے، دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں، ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا ضامن آپ ہی ہے، اسی انکار و کفر کی بدولت قریشِ مکہ بھی تولیتِ کعبہ کے شرف سے معزول کیے جاتے ہیں، اور مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے،

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ	یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے
هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ	اور اُن مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ بشارت
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا	دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑی مزدوری ہے اور یہ بتاتا
كَبِيْرًا ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	ہے کہ وہ لوگ جن کو آخرت پر ایمان نہیں ہم نے
بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا	ان کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے، انسان
وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ	کبھی برائی (عذاب) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے
بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا	جس طرح بھلائی کو، انسان بڑا ہی عجلت پسند
وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ	واقع ہوا ہے، ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں
فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ	بنایا ہے، نشانِ شب کو ہم مٹا دیتے ہیں اور
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا	نشانِ روز کو روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ	میں اپنے خدا کی مہربانی کو ڈھونڈھو، اور ماہ
وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا	وسال کا شمار اور حساب جانو، ہم نے ہر چیز کھول کر

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ
عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ
كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا
مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى ۝ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى
نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ
نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا
فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ
نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ
خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ
لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ

بیان کر دی اور ہر انسان کے نیک و بد کو اسی
کی گردن میں ڈال دیا ہے، قیامت کے دن
ہم اس کے اعمال نامہ کو نکالیں گے جس کو وہ کھلا
ہوا پائیگا، (اور اس وقت ہم اس سے کہیں گے کہ)
اپنا اعمالنامہ پڑھ لو، آج تم ہی اپنا حساب آپ
لے لو، تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے وہ خود اپنے
لئے کرتا ہے، اور جو گمراہ ہوتا ہے، وہ اپنے لیے، کوئی
ایک دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا، اور ہم اس وقت
تک عذاب نہیں نازل کرتے جب تک ایک پیغمبر
نہ بھیج لیں اور جب کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا
ہے، تو ہم وہاں کے دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں
تو وہ اس میں فسق و فجور کرتے ہیں، تو اس پر
قانونِ الٰہی کے مطابق سزا واجب ہو جاتی ہے
تو ہم اس آبادی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور
یاد کرو نوح کے بعد سے ہم کتنی قوموں کو ہلاک
کر چکے ہیں، تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں
کی خبر رکھتا ہے اور دیکھتا ہے جو (اس دنیا کا نفع)

يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۔

(بنی اسرائیل-۲)

عاجل چاہتے ہیں تو انمیں جسکے لئے ہم چاہتے ہیں، (اسی دنیا کا نفع) عاجل اسکو دیدیتے ہیں، پھر دوزخ کو اس کا ٹھکانا بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح برا ٹھہر کر اور راندۂ درگاہ بنکر داخل ہوگا، اور جو آخرت کو چاہیگا، اور آخرت کیلئے کوشش کریگا اور وہ مومن ہوگا، تو اس کی کوشش خدا کے یہاں مشکور ہوگی، ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار کے عطیہ سے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ محدود نہیں ہے، دیکھ! ہم نے کیونکر دنیا میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، لیکن سب سے بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے،

معراج کے احکام و وصایا یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانۂ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہِ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے، اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا،

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ

خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ ورنہ تو برا ٹھہریگا اور بے یار و مددگار رہجائیگا اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا

إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ
أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ
لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ
لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا
رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا
صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ
غَفُورًا وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ
وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا
تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا
إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ
لِرَبِّهِ كَفُورًا وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ
ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا
فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا وَلَا تَجْعَلْ
يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا
تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، اگر ان میں
ایک یا دونوں تیرے سامنے بوڑھاپے کو پہنچ
جائیں تو ان کی بات میں اونھ تک نہ کرنا، اور
ان کو نہ جھڑکنا، ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا
اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو
جھکا دینا، اور اُن کے حق میں یہ دعا مانگنا، کہ
پروردگار! میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما
جس طرح انھوں نے جب میں چھوٹا تھا، مجھ پر
رحم کیا تھا، تمھارا پروردگار تمھارے دلوں کے
راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ تو
توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے، اور قرابتدار
کو اس کا حق ادا کر، اور غریب و مسافر کا حق بھی
دے، اور فضول خرچی نہ کیا کر، فضول خرچ
شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے آقا کا
بڑا ہی ناشکر گذار ہے، اگر اپنے پروردگار کے
فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو، ان
مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منھ موڑنا پڑے تو

مَلُومًا مَّحْسُورًا إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ط
إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا
وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ط إِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خِطْأً كَبِيرًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى
إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ
إِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا
فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا
يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ط إِنَّهُ كَانَ
مَنْصُورًا وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ
إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا وَأَوْفُوا الْكَيْلَ
إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّأَحْسَنُ تَأْوِيلًا وَلَا تَقْفُ

ان کو نرمی سے سمجھاوے، اور اپنا ہاتھ نہ اتنا
سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہو اور نہ اتنا
پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھکو لوگ ملامت
کریں اور تو تہی دست ہو جائے، تیرا پروردگار
جس کی روزی چاہتا ہے بڑھا دیتا ہو، جس کی
چاہتا ہے کم کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے
حال کا دانا اور بینا ہے، اور تم افلاس کے
ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو ان کو
اور تم کو دونوں کو روزی پہنچاتے ہیں، ان کا
قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے، اور زنا کے
پاس بھی نہ جانا کہ وہ بیحیائی ہے، اور بری راہ ہے
اور جس جان کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے انکو
ناحق قتل نہ کرو اور جو شخص ظلم سے مارا جائے
تو اس کے والی وارث کو قصاص کا حق ہم نے
دیا ہے، تو چاہئے کہ وہ اس خون میں زیادتی
نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کی جیت ہی، اور
یتیم جب تک اپنی عقل و شعور اور جوانی کو نہ پہنچ لے

مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ	جائے اس کے مال و جائداد کے قریب بھی نہ
السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ	جانا، لیکن اس طریقہ سے جا سکتے ہو جو انکے حق
اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا	میں بہتر ہو، عہد کو پورا کیا کرو کہ اسکی بازپرس
وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا	ہو گی، اور جب ناپ کر دو تو پورا ناپ کر دو،
اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ	اور تول کر دو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو،
تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ؕ كُلُّ ذٰلِكَ	یہ طریقہ اچھا ہے، اور اس کا انجام بھی بہتر ہے،
كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا	اور جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے
ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ	کیونکہ کان، آنکھ، دل سب سے مواخذہ ہوگا، اور
مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ	زمین میں اکڑ کر نہ چل، کہ تو اس چال سے، نہ
اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا	زمین کو چیر ڈالیگا، اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا
مَّدْحُوْرًا	ہو جائیگا، ان تمام باتوں کی برائی تیرے
(بنی اسرائیل - ۴)	پروردگار کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، یہ تمام احکام
	دانشمندی کی ان باتوں میں سے ہیں جو خدا نے
	تجھ پر وحی کی ہیں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور

دوسرا خدا نہ بنانا ورنہ تو ملامتی اور راندۂ درگاہ ہو کر دوزخ میں ڈال دیا جائیگا،

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ	یہ تمام باتیں دانشمندی کی ان باتوں میں سے
مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل ۴)	ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں،

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے،

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى، پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ کہ وحی کی،

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدر احکام و شرائع کا حصہ تھا، شاید وہ یہی ہیں جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے،

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے ہیں، وہ تعداد میں بارہ ہیں، اور یہی احکام دوازدہ گانہ درحقیقت دنیا کے تمام خیر و شر کی بنیاد و اساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل پر دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے، تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا، مختصر اور سادہ عبارت میں یہ احکام حسب ذیل ہیں:-

۱- شرک نہ کر،

۲- ماں باپ کی عزت و اطاعت کر،

۳- حق والوں کا حق ادا کر،

۴- اسراف نہ کر، اور افراط و تفریط کے بیچ میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ چل،

۵- اپنی اولاد کو قتل نہ کر،

۶- زنا کے قریب نہ جا،

۷- ناحق کسی کی جان نہ مار،

۸- یتیم سے بہتر سلوک کر،

۹- اپنا عہد پورا کر، کہ اس تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی،

۱۰- ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو کو بھرپور رکھ،

۱۱- نامعلوم بات کی پیروی نہ کر،

۱۲- زمین پر مغرور نہ بن،

یہ انہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور تکملہ ہے، جو حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور کی معراج میں عطا

ہوئے تھے، (توراۃ سفر استثنا، ۵-۶)

۱- میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو،

۲- تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب نہ لے (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا)،

۳- سبت کے دن کی یاد کر،

۴- اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے،

۵- تو خون نہ کر،

۶- تو زنا نہ کر،

۷- تو چوری نہ کر،

۸- تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے،

۹- تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ،

۱۰- تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ نہ کر،

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰؑ کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے، ان کی طرف اشارہ آئیگا،

ہجرت اور عذاب جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی وفطری قوانین مقرر کردئے ہیں، جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا، اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے کچھ اصول ونوامیس بنا دیئے ہیں، جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا، منجملہ ان اصول ونوامیس کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے، تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے، پھر یہ قوم معجزات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کئے جاتے ہیں، اور جب اس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی، تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس بدبخت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے، چنانچہ انبیائے کرام کی سیرتیں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں، آج اسی قاعدہ کی تعمیل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوتا ہے، آپ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی، مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں،

وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا
قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا
عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي
الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۝ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ
نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ
بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ
مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ
بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا
لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ
وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا
فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ
فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ
إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۝

(بنی اسرائیل ۔۷)

(دنیا میں نافرمانوں کی) کوئی آبادی ایسی نہیں ہے
جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر ڈالیں یا
اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں، یہ کتاب میں
لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرمایشی) معجزات کے
بھیجنے سے سوا اس کے کوئی امر مانع نہیں ہے کہ
اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی (فرمایش کی اور)
جب ہم نے ان کو بھیجا، تو انھوں نے جھٹلا دیا
ہم نے ثمود کو ناقہ کی سوجھانے والی نشانی دی
تو انھوں نے اس پر ظلم کیا، اور ہم ان نشانیوں
کو تو ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں، یاد کرو اے پیغمبر کہ
(یہ کفار تیری ایذا بلکہ قتل کے در پے ہیں لیکن)
ہم نے تم سے کہہ دیا کہ تیرا رب لوگوں سے تیری
حفاظت کئے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی جو)
رویا تجھ کو دکھائی، تو وہ لوگوں کے آزمایش کو
اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں
لعنت کی گئی ہے، وہ بھی لوگوں کیلئے آزمایش
ہے اور ہم ان کو آیندہ عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن
اس سے ان کی سرکشی میں اور ترقی ہوتی جاتی ہے،

اس لئے حضرت آدمؑ اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہو کر پھر ارشاد ہوتا ہے،

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْ	ہم نے جو تم پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ	تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمایش میں ڈال دیں
وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ٥ وَلَوْلَآ	کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری
اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ	طرف جھوٹ منسوب کردو اور اس وقت وہ تم کو
اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ٥ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ	اپنا دوست بنا لیتے، اور اگر ہم تم کو ثابت قدم
ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ	نہ رکھتے تو کچھ ان کی طرف تم جھک چلے تھے، اگر
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ٥	تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت کے
وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	دو گونہ عذاب کا مزہ چکھا دیتے، اور پھر تم کو ہمارے
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا	مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا، اور وہ
لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ٥	تم کو اس سرزمین (مکہ) سے قریب ہے، کہ دل برداشتہ
سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ	کردیں، تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں، اگر ایسا
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا	ہوا تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان سے
تَحْوِيْلًا ٥	بہت کم رہ سکیں گے، ہم سے پہلے جتنے رسول ہم نے
(بنی اسرائیل - ۸)	بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے، اور تم ہمارے

اس بیان سے یہ بھی واضح ہوگا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے، اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے نہ تسلیم کرنے

کرنے پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

نمازِ پنجگانہ کی فرضیت اوپر گذر چکا ہے کہ نمازِ پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہو، ارشاد ہوتا ہو،

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ	آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب)
اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ	سے لیکر رات کے اندھیرے (عشا) تک نماز پڑھا کرو،
قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا وَمِنَ	اور صبح کی نماز میں حضورِ قلب خوب
اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ	ہوتا ہو، اور رات کے ایک حصہ میں تہجد پڑھ لیا
عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا	کرو یہ تمھارے لئے نفل ہے، عجب نہیں کہ تمھارا
مَّحْمُوْدًا، (بنی اسرائیل - ۹)	پروردگار تمکو مقامِ محمود میں پہنچا دے،

لفظ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر، مغرب، نماز کے تین اوقات اور ان اوقات کی تعیین کی طرف لطیف اشارہ ہے، یہ معلوم ہے کہ دینِ محمدی ملتِ ابراہیمی کا نقشِ ثانی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی اور جس کی رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے، اور اسی لئے طلوع سے لیکر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے، ملتِ ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات متعین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں، یعنی سورج کے ڈھلنے سے لیکر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاطِ نور اور زوال کے ہیں، آفتاب کے انحطاط اور زوال کی تین منزلیں ہیں، ایک وہ جب سمتِ راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے، یہ ظہر کا وقت ہے، اور دوسری منزل وہ ہے،

جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے، اور تیسری منزل وہ ہے جب وہ سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے، اور یہ مغرب کا وقت ہے، چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے، جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں، وہ بھی مٹ جاتی ہے، اور صبح کی نماز وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے، غرض آیات بالا میں پنجگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطف و خوبی[1] سے ادا کی گئی ہے،

ہجرت کی دعا | اس کے بعد ہجرت کے لئے دعا بتائی جاتی[2] اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے، کہ نماز کے ساتھ قبلہ کا فوراً خیال آتا ہے، جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بت پوجے جا رہے تھے،

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا	اے پیغمبر یہ دعا مانگو کہ خداوندا! مجھے اچھی جگہ پہونچائیو، اور (مکہ) سے اچھی طرح نکالیو، اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و نصرت دیجیو، اور اے پیغمبر اعلان کر دے کہ حق آگیا، اور باطل مٹ گیا، باطل کو مٹ ہی جانا تھا،

(بنی اسرائیل - ۹)

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی نوید ہیں، اس لئے

---

[1] یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر نظام القرآن کا افادہ ہے، [2] صحیح بخاری و مستدرک حاکم کتاب الہجرت (صحیح ترمذی تفسیر سورۂ مذکور) و مسند احمد عن ابن عباسؓ،

فتح مکہ کے دن جب خلیل بت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جا رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہی آیت جاری تھی[1]،

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض

کفار مکہ کو ان مسائل پر جو معاندانہ اعتراضات تھے، اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور ان کے لئے عذاب الٰہی کے نزول کا وقت قریب آ رہا ہے، ان کے جوابات دیئے جا رہے ہیں، کہ اب بھی ان کی تشفی ہو جائے تو یہ بلائے آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی، وہ رک جائے،

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ
وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ
يَئُوسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى
شَاكِلَتِهِ ط فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ
هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ۝ وَيَسْأَلُونَكَ
عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ
رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا
قَلِيلًا ۝ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ
بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا
تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝ إِلَّا

(یہ کفار قریش اپنے مال اور دولت پر بھولے ہوئے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں، تو الٹا ہم سے منہ پھیر لیتا ہے، اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اس کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے، تو آس توڑ بیٹھتا ہے، اے پیغمبر ان سے کہدے کہ اپنے اپنے طور پر عمل کئے جاؤ تمھارا پروردگار ان کو خوب جانتا ہے، جو زیادہ سیدھے راستہ پر ہیں، وہ تم سے روح امین کی (جو قاصد وحی ہے) حقیقت دریافت کرتے ہیں، کہدے کہ وہ میرے پروردگار کی ایک بات ہے اور

[1] صحیح بخاری باب فتح مکہ و تفسیر آیت مذکورہ،

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ
كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ
اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى
اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا
يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا
لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ
مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ
لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ
لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ
فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا
تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ
تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝
اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ

تمکو علم نہیں دیا گیا ہی لیکن بہت تھوڑا (اسی
وحی کے معجزۂ صداقت کے لئے یہ بات کیا کم
ہے کہ باوجود امی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تمکو
یاد ہی)، اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی کی
وہ سب تمہارے سینہ سے لیجائیں پھر تمکو اس کے
لئے ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ ملے لیکن
یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہی (کہ اس کا لفظ
لفظ تم کو محفوظ ہے) بیشک اس کی تم پر بڑی
مہربانی ہے، (ان شک کرنے والوں سے)
کہدو کہ اگر تمام انس و جن بھی اکٹھے ہو کر چاہیں
کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام بنا لائیں
تو یہ ناممکن ہے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی پشتی
پر کیوں نہ ہوں، باوجودیکہ ہم نے اس قرآن میں
لوگوں کے سمجھنے کے لئے سبھی قسم کی مثالیں طرح
طرح سے بدل کر بیان کیں، مگر اکثر لوگ انکار
کئے بدوں نہ رہے، اور یہ کفار مکہ کہتے ہیں، کہ ہم تو
اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک

نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ
كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا وَمَا
مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ
الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ
اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ لَّوْ كَانَ
فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ
مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ
مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا قُلْ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا
وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ
كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا

تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ بہادو یا کھجور کا
اور انگوروں کا ایک باغ تمھارے لئے ہو جائے
اور تم اس میں نہریں بہادو، یا یہ کہ جیسا تم کہتے ہو
کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑیگا
تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں
کو ہمارے سامنے کھڑا کر دو، یا یہ کہ تمھارے
رہنے کے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے یا آسمان
پر چڑھ جاؤ، اور ہاں تمھارے آسمان پر چڑھنے
کو بھی ہم اس وقت تک باور نہیں کریں گے جب تک
وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ لاؤ جس کو
ہم پڑھیں، کہدو اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں تو
خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں، ہدایت آجانے کے
بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی امر
مانع نہیں، کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر کو
اپنا قاصد بنایا ہے، کہدو کہ اگر زمین پر فرشتے
بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو
انکے پاس قاصد بنا کر بھیجتے، کہدو کہ اب دلیلوں اور

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا
وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ
فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ
رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ
خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
قَتُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل - ۱۱)

حجتوں کا وقت گذر گیا) اب میرے اور تمھارے درمیان
فیصلہ کیلئے خدا بس ہی، وہ اپنے بندوں کے حال کا دانا
اور بینا ہی جس کو وہ راست دکھائے وہی راہ راست پر ہے
اور جنکو وہ گمراہ کرے تو اسکے سوا انکا کوئی یار و مددگار
نہیں، پھر ہم انھیں قیامت کے دن اوندھے منہ اندھے
اور بہرے کرکے اٹھائینگے (کہ وہ اس دنیا میں حق کے
دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے) اور انکا ٹھکانا
دوزخ ہوگا، جب وہ بجھنے کو ہوگی تو ہم پھر اسکو بھڑکا
دینگے یہ ہماری نشانیوں کے انکار کا بدلہ ہوگا اور وہ
کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر ہڈیاں ریزہ ریزہ ہوجائینگے
تو کیا ہم پھر از سر نو پیدا کرکے اٹھائے جائینگے کیا یہ ممکن
ہے کیا وہ نہیں سمجھے کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین
کو پیدا کیا وہ بیشک اس پر قادر ہی کہ وہ ان جیسے
آدمی پھر پیدا کرنے اور اس نے ان کیلئے ایک میعاد
مقرر کر رکھی ہی جسمیں کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار
کئے بدون نہ رہے، اے پیغمبر یہ کفار مکہ اس حسد سے تم پر
ایمان نہیں لائے کہ تمکو اور تمھارے خاندان کو نبوت
ہو کیوں عطا ہوا، ان سے کہدو کہ اگر میرے پروردگار کی رحمت کا خزانہ تمھارے قبضہ میں ہوتا تو بیشک تم اس کے خرچ ہوجانے کے ڈر سے اسکو روکے رہتے، سچ یہ ہی کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہی،

ان آیتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر تشریف لیجانے پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں، یعنی واقعۂ معراج کو تسلیم نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں، اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لاکر ہمارے ہاتھ میں نہ دیدیں،

حضرت موسیٰؑ کے واقعات اور حالات سے استشہاد

حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلوٰۃ اللہ علیہما کے واقعاتِ زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے اور خود قرآن مجید نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے،

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل-۱)	(لوگو!) ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا، اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے، جو تم پر گواہ ہے،

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر زندگی بسر کی، یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جس طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے اہل دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے اور بالآخر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح صنادید قریش بھی آپؐ پر ایمان نہ لائے، اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو لیکر مکہ سے ہجرت فرمائی جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خدا کی ہم کلامی نصیب ہوئی اور احکام عشرہ عطا ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی، اور

احکام دوازدہ گانہ عطا ہوئے، جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحر احمر کی
سطح پر عذاب نازل ہوا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر
کے میدان میں عذاب آیا، اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل قابض
ہو گئے، اسی طرح مکہ معظمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ کو عطا کی گئی،

ان امور کو پیش نظر رکھ کر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہئے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت
کا حکم ہوگا، اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہوگا، چنانچہ سورۂ اسراء کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے؛

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ	اور ہم نے (کوہ طور پر) موسیٰؑ کو نو کھلے احکام دئے
بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ	(جس طرح محمدؐ کو معراج میں عطا کئے) تو پوچھ لو بنی
جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي	اسرائیل سے جب موسیٰ بنی اسرائیل کے پاس آیا
لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا قَالَ	تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنْزَلَ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا	ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر کے (تمھاری عقل
رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ	کھو دی ہے) موسیٰ نے کہا اے فرعون تجھ کو اچھی
وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا	طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان اور زمین
فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ	کے مالک کے سوا کسی اور نے ان کو دانائی بنا کر
الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ	نہیں اُتارا ہے، اور اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ تم
جَمِيعًا وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي	اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے، فرعون نے چاہا کہ

[1] سبت کا حکم خاص یہود کے لئے تھا، اسلئے شمار میں اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا،

اسْرَائِیْلَ اسْکُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ جِئْنَا بِکُمْ لَفِیْفًا۝

(بنی اسرائیل - ۱۲)

بنی اسرائیل کو ملک سے اکھیڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو، جب قیامت کا وعدہ پورا ہوگا

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا حکم ہے، بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰؑ کے نو معجزات مراد لئے ہیں، مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، سامنے سے دو یہودی گذرے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ "چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں"، دوسرے نے کہا کہ "پیغمبر نہ کہو سن لے گا، تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی" (یعنی خوش ہوگا)، اس کے بعد وہ آپؐ کی خدمت میں آئے، اور دریافت کیا کہ "موسیٰؑ کو نو آیتیں کون سی دی گئیں"، آپؐ نے فرمایا وہ یہ ہیں، کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی حاکم کے پاس بے جرم کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی پاک دامن پر تہمت نہ لگاؤ، اور میدانِ جہاد سے نہ بھاگو، (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہودیہ دسواں حکم ہے کہ "سبت کے دن زیادتی نہ کرو"، یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپؐ کے دست و پا کو بوسہ دیا،

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے، ایک تفسیر بنی اسرائیل میں اور دوسرے باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل میں، اور دونوں جگہ کہا ہے کہ "یہ حدیث حسن صحیح"۔

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے، اور موجودہ ترجمۂ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں ان میں کسی قدر فرق ہے، خصوصاً حدیث کا نواں حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نویں بات اچھی طرح یاد نہیں، یہ نواں حکم دراصل ماں باپ کی اطاعت اور عزت ہے، باقی احکام وہی ہیں جو توراۃ میں مذکور ہیں، صرف طریقۂ ادا اور تعبیر کا فرق ہے، توراۃ کے موجودہ تراجم لفظی تو ہیں نہیں، علاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اسکی تصریح کی ہے، بہر حال اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامِ دوازدہ گانہ میں ایک وجہ مماثلت ہے، اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا،

معراج کے انعامات ان احکام و بشارت اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے، ایک یہ بشارت کہ امتِ محمدیہ میں سے جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا دامنِ مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی، دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمانِ خاص کے طور پر مرحمت ہوا[1]، اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسان کو سکھائے گئے ہیں، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے،

---

[1] صحیح مسلم باب الاسرا، اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں، یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن خواتم سورۂ بقرہ کی فضیلت آئی ہے وہ یہی ہیں،

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ	پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا اور تمام
مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ	مسلمان بھی اس پر ایمان لائے، یہ سب کے سب
بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَ	خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر اور
رُسُلِهِ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن	اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ
رُّسُلِهِ، وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا	ہم خدا کے پیغمبروں میں یہ تفریق نہیں کرتے کہ
غُفْرَانَكَ، رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ	بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، اور کہتے
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا	ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور انکی اطاعت
مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا	کی تو اے ہمارے پروردگار ہم پر بخشش فرما اور تیری
إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا	ہی طرف آخر لوٹ کر جانا ہے، خدا کسی شخص پر اسکی
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا	طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کیے
حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا	اور اپنے ہی لئے کیے اور برے کام کیے تو اسکا نقصان
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ	بھی وہی اٹھائیگا، اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول
لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا	جائیں یا چوک جائیں تو اسکی بازپرس ہم سے نہ کر، اے
وَارْحَمْنَا، أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا	ہمارے پروردگار! اور ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ،	جس طرح ہم سے پہلوں پر تو نے ڈالا، اے ہمارے
(بقرہ - ۴۰)	پروردگار! اور اتنا بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں
	طاقت نہیں ہم سے نہ اٹھوا، اور ہمارے قصوروں
	سے درگزر، ہمارے قصوروں

کو معاف کر اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مددگار ہے، تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو تیرے منکر ہیں، ہماری مدد فرما،

معراج کا نیا اسرار منظر | سورۂ اسراء کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان

صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا ہے،

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا. (اسراء ۱) — ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لیے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اس کو دکھائیں،

"یہ نشانیاں" کیا تھیں؟ کیا اُن کی تفصیل کے لئے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر ناتمام، ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے تعقلات سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور ہمارے ذخیرہ لغت میں صرف انہی کے لئے کچھ الفاظ ہیں، اس بنا پر وہ معانی جو نہ عام محسوساتِ انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطے کے اندر ہیں، وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ قدرت سے اُن کو حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغ انسانی اُن کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟"

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا، (اسراء ۱۰) اے انسانو تم کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے،

اسی لیے سورۂ والنجم میں جہاں ان اسرار کے چہرہ کے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے، ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے، اور ایسی توضیح ہے جو سرتاپا ابہام ہے، دو دو لفظ کے فقرے ہیں، ضمیریں محذوف ہیں، فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں، مفعول بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں، متعلقاتِ فعل کی تصریح نہیں، ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ اس مقام کا مقتضا یہی ہے،

عبارت از سخنداں ہم نہ گنجد

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ہ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ
وَمَا غَوٰی ہ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ہ
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ہ عَلَّمَهٗ
شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی
وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰی ہ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ
اَوْ اَدْنٰی فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا
اَوْحٰی ہ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی وَلَقَدْ رَاٰهُ
نَزْلَةً اُخْرٰی ہ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی
عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی اِذْ یَغْشَی
السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا
طَغٰی ہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ
الْکُبْرٰی، (سورہ والنجم ۱)

قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمھارا رفیق (محمد)
نہ بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے
دل سے بنا کر کہتا ہے بلکہ وہ تو وحی ہے جو اس کو بتایا جاتا
ہے اس کو تو بڑی طاقتوں والا اور بڑی عقل والا
تعلیم دیتا ہے، وہ آسمان کے اونچے کنارے میں سیدھا
ہو کر نمودار ہوا پھر قریب آیا، اور جھکا تو
دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، اس سے بھی کم پھر
اس کے بندے سے جو باتیں کہنی تھیں، دل نے جو
دیکھا اس نے جھوٹ نہیں بیان کیا، اے لوگو!
کیا جو دیکھتا ہے اس پر تم اس سے نزاع اور رنج
کرتے ہو اس نے یقیناً دوبارہ اس کو اترتے دیکھا
انتہا کے درخت کے پاس جس کے قریب رہنے
کے (دنوں) رہنے کی بہشت ہے جب بیری کے
درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا نظر ۴۲

[illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر، اور ملکوتی آیات و مظاہر
کا قریش سے تذکرہ کیا، تو انھوں نے کہا کہ یہ راہِ حق سے دیدہ و دانستہ (غوایت) یا نادانستہ
(ضلالت) بھٹک گیا ہے، یا اپنے دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، یہ انھوں نے

کیون کہا؟ اس لئے کہا کہ روحانی جلوون کے دیکھنے کی اُن کے پاس آنکھین نہ تھین، صوتِ سرمدی کے سننے کی اُن کے کانون مین طاقت نہ تھی، اسرارِ ملکوتی کے سمجھنے کے لیے اُن کے سینون مین دل نہ تھے، خدا نے کہا جو کچھ تھا، اور جو کچھ معلوم ہوا، یہ ایک بڑی طاقت و قدرت اور علم و عقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیان تھین، وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کنارہ وان میں نظر آیا، اور کبھی اتنا قریب کہ دو کمانون کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا، کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون دو کمانون کے فاصلہ تک آکر رہ گیا؟ کیا خدا؟ نہین، کیا جلوۂ خدا؟ شاید کس نے باتین کین؟ معلوم نہیں، کیا باتیں کیں؟ بتایا نہیں، سدرۃ المنتہٰی کیا ہے؟ انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد پر ایک درخت [1] کیا اس کو شئون و صفاتِ الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا؟ [2] کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف شئون و صفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟ کیا یہان پہنچکر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدۂ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضورؐ نے دل کی آنکھون سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپؐ کو اس سفر میں آیات باقی دکھائی گئیں، مگر یہ مشاہدۂ قلب تھا، یا معاینۂ چشم؟ ع

"راز این پردہ نہان است و نہان خواہد بود"

---

[1] اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے [2] بخاری شریف میں ہے فغشیہا من امر اللہ ما غشی یعنی جلوۂ الٰہی اس پر چھا گیا ۱۲۔

شقِ صدر یا شرحِ صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

"کیا اے پیغمبر! ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا"

منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں شقِ صدر یا شرحِ صدر بھی ہے۔ چنانچہ یہ رتبۂ خاص بیش گاہِ الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوا۔ شقِ صدر سے مراد یہ ہی کہ سینۂ مبارک کو چاک کر کے اُس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ پر گذری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا گذرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جب آپ چار یا پانچ سال کے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔ دوسرے جب عمرِ شریف دس برس کی تھی۔ تیسرے جب آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے۔ چوتھے جب حضرت جبریلؑ سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے۔ پانچویں معراج کے موقع پر۔

یہ مسئلہ کہ شقِ صدر واقع ہوا، تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے، اور اس کے متعلق کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں روایتیں

مختلف ہیں، تیسری دفعہ کی روایت جس میں بیس[1] برس کی عمر میں اس کیفیت کا گذرنا بیان کیا گیا ہے، محدثین[1] بلکہ خود ارباب سیر[2] کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے، باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کرکے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے، امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے ذمائم کے حصہ کو نکال دیا جائے، اور معراج کے وقت تو ظاہری اس لیے تاکہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارت محض ہی تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں، (صفحہ ۱۱ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینۂ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے، اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا، اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں، اور وہ صغر سنی میں جب آپ حضرت حلیمہ کے یہاں پرورش پا رہے تھے، اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں[3]، لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ

---

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۹ مصر [2] زرقانی بر مواہب جلد ۱ صفحہ ۱۸۰، [3] فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ج ۱ صفحہ ۳۸۹ و کتاب التوحید ج ۱۳ ص ۴۰۰ باب جاء فی قولہ عز و جل وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً، روض الانف سہیلی صفحہ ۱۱۰ مصر، زرقانی بر مواہب جلد ۱ صفحہ ۱۷۹، قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں: وقد خلط فیہ غیرہ لاسیما من روایۃ شریک عن انس ثم فقد ذکر فی اولہ مجیٔ الملک لہ و شق صدرہ و غسلہ بماء زمزم وھذا انما کان وھو صبی وقبل الوحی (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۲۷۵)

شقِ صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے، اُن میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شبِ معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لئے اس موقع کو راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصولِ روایت سے صحیح نہیں،

شق صدر کی ضعیف روایتین

اصل یہ ہے کہ شقِ صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کردینے سے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلۂ سند پر بھی بحث، اور راویوں کی قوت وضعف کی بھی تنقید کی جائے، دس برس کے سن میں شقِ صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ پر نبوت کی یہ علامت طاری ہوئی حسب ذیل ہے:-

"حضرت ابوہریرہؓ آپ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے، ایک نے کہا یہ وہی ہیں؟ دوسرے نے کہا ہاں، پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا، اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا، اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا، پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو، تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی، پھر ایک نے کہا کہ دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا، پھر اُس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی، پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو، تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی، پھر اس نے

چند گھنڈیاں جو اُس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ پر لگادیں، پھر میرے انگوٹھے کو گھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ، جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لے کر لوٹا جو لے کر نہیں آیا تھا، یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی"، یہ روایت زوائد مسند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابو نعیم میں ہے، لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلۂ سند ایک ہی ہے، یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ بن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں، محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے،

حدیث مدنی واسنادہ	یہ مدنی حدیث ہے اس کی سند تمام تر مجہول
مجہول کلہ ولا نعرف محمدًا	ہے، ہم لوگ نہ محمد کو جانتے ہیں، اور نہ اس کے
ولا اباہ ولا جدہ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۹۴)	باپ کو اور نہ اس کے دادا کو،

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے صاف لکھدیا ہے،

وھذا الحدیث تفرد بہ معاذ	یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے
ابن محمد وتفرد بذکر السن الذی	اور وہی اُس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں
شق فیہ عن قلبہ	شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت
صفحہ ۱۷ حیدرآباد)	کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے)

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ انہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد، صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارہ ضیاء میں ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۹۶)

لیکن اس سلسلۂ روایت کا حال آپ سُن چکے کہ وہ معتبر نہین،

آغازِ وحی کے موقع پر شقِ صدر کی روایتین دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسندِ حارث مین ہین، یہ روایتین حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہین، حضرت عائشہؓ کی آغازِ وحی والی حدیث بخاری، مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابون مین مذکور ہے، اور اس باب مین یہی روایت سب سے زیادہ مفصل، صحیح اور محفوظ ہے، لیکن ان کتابون مین اس موقع پر شقِ صدر کا مطلق ذکر نہین، اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے، علاوہ برین ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی عن یزید بن بابنوس عن عائشہ ہے، یزید بن بابنوس مجہول ہے، اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے، کسی اور نے اس کو نہین لیا ہے، طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدرآباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابوعمران جونی سے، اور وہ ایک شخص سے، اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے، معلوم نہین یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیون نہین لیا ہے، ابونعیم مین (صفحہ ۶۹ حیدرآباد) اس روایت کا جو سلسلۂ سند ہو اس مین یہ خالی جگہ یزید بن بابنوس کے نام سے پُر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گذر چکا، علاوہ ازین ابونعیم کی روایت مین اس کے نیچے داود بن المحبر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف، بلکہ دروغگو تک کہتے ہین، اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتین بھی ہین جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہین،

ایک اور روایت حضرت ابوذرؓ سے ہو کہ "انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپؐ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا، اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟" فرمایا اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا، ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے، پھر دسؔ سے، پھر سو سے، پھر ہزار سے، مجھ کو تولا لیکن میرا پلّہ بھاری رہا، تو کہا کہ یہ تمام امّت سے بھاری ہیں، بعد ازیں میرا شکم چاک کیا، (اس کے بعد شقِّ صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے، اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانہ پر مہر کی۔" اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں، مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس، بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ کے بہت بعد کا واقعہ ہے، پھر اس میں یہ ہے کہ "جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا" اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغازِ وحی کا واقعہ ہے، یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۷) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ۱۷) میں ہے، ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابوداؤد، جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں، جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدّث عقیلی نے تنقید کی ہے، کہ اس میں "وہم" تھا یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی، اور "اضطراب" تھا یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کس طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "اس کی متابعت نہیں کی جاتی، یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے، پھر بعینہٖ یہی

واقعات شداد بن اوس کی روایت سے ابو نعیم، ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہم تعارض واضح ہے،

اب وہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمامتر خالی ہیں، اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجۂ اعتبار سے گرا دیتی ہیں،

۱۔ اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم، عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے، جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں، اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے، اس نے کہا کہ "عبداللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا" ابو نعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے، بلکہ اس میں تصریح عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے، مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں،

۲۔ دوسرا طریقہ واقدی کا ہے، ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے (جلد اصفحہ ۷) مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں، اس کی تفصیلی سند تک اس میں

مذکور نہیں، اوپر کے راویون کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے،

۳۔ ابو نعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے "عبد الصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہؓ کی بکریان چرایا کرتا تھا، بیان کرتے ہیں" یہ تمام تر مجہول لوگ ہین،

۴۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویون میں ہے،

۵۔ ابن عساکر نے شداد بن اوس صحابی کے واسطہ سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس مین مذکور ہے کہ قبیلۂ بنی عامر کے ایک پیرمرد نے خدمت نبویؐ مین اکر آپ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کیے، آپ نے پورا پورا حال بیان کیا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شقِ صدر کا بیان کیا، لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب، (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں، اس کے سوا اس کے سلسلۂ سند کے بیچ مین ایک بے نام و نشان راوی ہے۔ اس سے اوپر ایک اور قابلِ اعتراض راوی اس مین ابو العجفاء ہے جو شداد بن اوس صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے، امام بخاری نے تاریخ صغیر (ص ۱۲۳، الہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے، فی حدیثہ نظر، اس کی حدیث بحث طلب ہے، ابو حاتم کہتے ہین، لیس حدیثہ بالقائم، یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں، (تہذیب التہذیب و میزان)

حضرت شدادؓ بن اوس سے مکحول شامی کے واسطہ سے، ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے، مگر اس میں یہی ہے کہ مکحول اور شدادؓ صحابی کے بیچ میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے، یا چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی روایت منقطع ہے، کیونکہ مکحول نے حضرت شدادؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول تدلیس میں بدنام تھے، یعنی اُن کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آجاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے، یا بیچ سے اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے، میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شدادؓ کے بیچ میں دراصل وہی ابو العجفار تھا، مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے، اس لیے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

۷۔ عتبہؓ بن عبد السلمی ایک کمسن صحابی ہیں، اُن سے ایک ہی سلسلۂ سند کے ذریعہ سے حاکم، دارمی، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حنبل نے اس واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا، کھانا ساتھ نہ تھا، میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لیے بھیجا، وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرندے آئے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے، دوسرے نے کہا "ہاں"، پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا، اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا، اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا، یہ حاکم کے الفاظ ہیں، دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی

لاؤ، اس کو لاکر میرے سینہ میں چھڑک دیا، پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے، میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا، وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی، اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں، اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی، والدہ نے کہا تم نے امانت پوری طرح ادا کی، دایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا، لیکن والدہ کو یہ واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں ہوا، فرمایا جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے، حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے جس کو گو بذاتِ خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے، تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا، ابن مبارک کہتے ہیں، وہ راست گو ہے، مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا، ابن عیینہ کہتے ہیں "بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو، امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر، ورنہ مت لو" ابو حاتم کہتے ہیں کہ "اس کی حدیث لکھی جائے، مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے" امام نسائی فرماتے ہیں "جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن کر کے بیان کرے تو نہ لو" (یہ یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بطریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں، امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے لیکن دیکھا تو وہ مشہور

لوگوں سے بھی اس قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے، تم نے جانا وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟" محاجب نے جواب دیا "ہاں تدلیس کے ذریعہ سے" (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کر کے، آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ "اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں، اور اس کی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے" خطیب کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، گو وہ بذات خود راست گو تھا۔ ابن القطان کا قول ہے کہ "وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے، اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے، یہ الزام اگر اس پر صحیح ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے"۔

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم | بچپن میں شقِ صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلۂ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت، انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد، ابن سعد، اور دلائل ابو نعیم میں ایک ہی سلسلۂ سند سے مذکور ہے یعنی حضرت انسؓ سے ثابت البنانی، اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے، اور آپ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا اور قلب مبارک کو چاک کیا، اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا، اور کہا کہ یہ اتنا شیطان کا حصہ تم میں تھا، پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا، پھر شگاف کو جوڑ دیا، پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، لڑکے دوڑے ہوئے آپ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے، اور جا کر کہا کہ محمدؐ مار ڈالے گئے، لوگ آپ کے

پاس پہنچے، دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے انسؓ کہتے ہیں کہ سینۂ مبارک پر زخم کے سینے کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے"۔ مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے، اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے، یعنی "مجھ کو نظر آتے تھے" کی جگہ یہ ہے کہ "ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے"۔

اس سلسلۂ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شقِ صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، اُن کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں، سلیمان بن مغیرہ اور حماد بن سلمہ، حماد کے علاوہ اور جو طرق اوپر مذکور ہوئے، اُن سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شقِ صدر کا ذکر ہے، لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شقِ صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شقِ صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں، حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلبہ میں سے بھی کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد کے واسطہ سے نقل نہیں کی ہے، حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا"، اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں، امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو اُن کی روایتیں ہیں انہی کو چن کر اپنی کتاب

میں ملائے ہیں" میرا میلانِ تحقیق یہ ہے کہ حمادؔ کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے، کہ انھون نے تمام معتبر راویون کے خلاف شقِّ صدر، اور معراج کے مشترک واقعہ کو دو کر دیا،

میں سمجھتا ہون کہ امام مسلمؔ بھی اپنی ترتیبِ بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شقِ صدر کو دو الگ الگ زمانون کے واقعات قرار دینے مین حمادؔ سے غلطی ہوئی ہے، چنانچہ واقعاتِ معراج کے ذکر مین امام مسلمؔ یہ کرتے ہیں کہ پہلے حضرت انسؓ سے ثابتؔ کے شاگرد حمادؔ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس مین معراج کے شقِ صدر کا ذکر نہین، پھر حمادؔ کے ساتھی، اور ثابتؔ کے شاگرد سلیمانؔ بن مغیرہ کی روایت ہے، جس میں شقِ صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے، اس کے بعد حمادؔ کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شقِ صدر کا تذکرہ ہے، بعد ازین حضرت انسؓ کے دوسرے شاگردون کی روایتین ہین جس مین شقِ صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے،

حمادؔ کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی، مثلاً یہ کہ شقِ صدر کی یہ کیفیت کسی عمر مین بھی گذری ہو، مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا، گذشتہ تمام مستند اور مجروح روایتون میں حسد، بغض، حصّہٗ شیطانی، سکینت، تسلّی، رحمت، شفقت، ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینۂ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے، اُن مین سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں، بااین ہمہ حمادؔ حضرت انسؓ سے روایت کرکے کہتے ہیں کہ "آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے"، اگر یہ

جسمانی واقعہ بھی تھا، تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں، یہ مذکور نہیں، علاوہ ازین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف، جسمِ اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینۂ مبارک کے ان نمایان ٹانکون کا نام تک نہیں لیا، ایسی حالت مین واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے،

دو دفعہ شقِ صدر ہو تو اس کی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے تسلیم قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و تمیز کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی، جو ہر انسان کے اندر ہے، اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا، جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

شق صدر کی صحیح کیفیت

شقِ صدر کی صحیح کیفیت حالتِ معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتون اور طریقون سے مذکور ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے، آنکھیں سوتی تھیں، مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ حضرت جبریلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے، آپ کو اٹھا کر وہ چاہِ زمزم کے پاس لے گئے، یا آبِ زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا، سینہ مبارک کو چاک کیا، پھر آبِ زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینۂ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا، اس کے بعد فرشتے آپ کو آسمان

کی طرف لے چلے[1]،

شق صدر کی حقیقت | علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا، اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھوکر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا، اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے لیکن صوفیاے حقیقت بین اور عرفاے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالتِ خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں، اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں،

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں،

اما شق الصدر وملؤہ ایمانا	لیکن سینہ کا چاک کرنا، اور اس کو ایمان سے
فحقیقتہ غلبۃ انوار الملکیۃ	بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب
وانطفاء لہیب الطبیعۃ	ہو جانا اور طبیعت بشری کے شعلہ کا بجھ جانا
وخضوعہا لما یفیض علیہا	اور عالم بالا سے جو فیضان ہو اس کے قبول
من حظیرۃ القدس[2]،	کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے،

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اس لئے شقِ صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم و نسائی ابواب معراج یا فرض الصلوٰۃ و مسند احمد روایات انس وغیرہ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۱۵۲

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرحِ صدر ہی جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں مذکور ہے، فَشَرَحَ صَدْرِی اِلٰی کَذَا وَکَذَا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے، اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ	کیا ہم نے تیرے لئے سینہ کو کھول نہیں دیا
وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ	اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا
اَلَّذِیْ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ہ (انشراح)	جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا،

"شرح" کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں، اسی سے طب کی اصطلاح "علم تشریح" اور "تشریحِ اجسام" نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لئے اس سے "تشریحِ امر" اور "تشریحِ کلام"، "شرحِ بیان"، اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ "شرحِ صدر" کا پیدا ہوا ہے، جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں اور کلامِ عرب میں اس سے مقصود "بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا" ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ (پروردگار میرے سینہ کو کھول دے، اور میرے کام کو آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔)

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم، انسانی تعلیم وتعلّم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک ومبرّا ہوتا ہے، اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثباتِ دعویٰ کے لیے گذشتہ تجربات اور منطق کے استقراء وتمثیل اور ترتیبِ مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیمِ الٰہی، القاءِ ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اسی کا نام علم لدُنّی ہے "لدن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں، چونکہ یہ علم اُن کو کسب وتحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے، اس لیے عرفِ عام میں علم لدُنّی کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے،

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف)	ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے،

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ	اسی طرح ہم تجھ سے گذشتہ زمانہ کی باتیں بیان
اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ	کرتے ہیں اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو
مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا (طٰہٰ - ۵)	علم (ذکر) بخشا ہے،

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے،

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ	ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین
بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ	قصہ سناتے ہیں جس سے تو قطعًا اس سے

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (یوسف۔۱) پہلے بے خبر تھا،

سورہ شوریٰ میں ہے،

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا	اور اسی طرح ہم نے (اے محمد) تیری طرف اپنے
مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ	حکم سے ایک روح کو وحی کیا، تو تو پہلے یہ بھی نہیں
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَ	جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف
لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ	تھا لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا،	ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے
(شوریٰ)	ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں،

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے، حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں،

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ	اے میرے باپ، میرے پاس علم کا وہ حصہ
الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ، (مریم۳)	آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا،

حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق ہے،

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا	اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم بخشا،

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے،

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا، (یوسف۔۳)	ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا،

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (یوسف۔۴)	یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھ کو سکھائی ہیں

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے،

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء) — اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا،

حضرت سلیمانؑ اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے،

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا — ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی، اور ہم نے

اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا، (انبیاء) — اُن سب کو حکم اور علم عطا کیا،

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے، اور یہ غور و فکر، تجربہ و امتحان، تحصیل و اکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر اُن کے علم کی باتیں اُن کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں، صرف فہم و تمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی، لیکن یہ شرحِ صدر کی نہایت معمولی مثال ہے، اس منصبِ خاص کے سیکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء کو، اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں،

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ — جس کی رہنمائی خدا چاہتا ہے، اس کے سینہ

يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، (انعام) — کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے،

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اُن کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ

دیا اور یہ اصرار کیا کہ قرآن مجید کو اوراق ومصاحف میں لکھوا دیجئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکرؓ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آگئی، اس موقع پر انھوں نے فرمایا،

حتیٰ شرح اللہ صدری	یہاں تک کہ خدا نے اس کام کے لیے میرے
لذٰلک، (بخاری تالیف القرآن)	سینہ کو کھول دیا،

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے، کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! شرحِ صدر کیونکر ہوتا ہے؟"، فرمایا "قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے"، پھر سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟" ارشاد ہوا "حیاتِ جاوید کے گھر کا اشتیاق، اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری"[1]

یہ تو حقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور وحکمت کا بھرا جانا ہے،

شرحِ صدر کے لئے مناسب موقع اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطیۂ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر "علم" کے ساتھ "حکم" کا لفظ بھی ہے،

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ۸ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر وحاکم فی المستدرک جلد ۴ صفحہ ۳۱۱ لسند فیہ عدی بن الفضل

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلۂ احکام کے لئے بے غور و فکر کے بدیہی، صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا، جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی، اس لئے شرحِ صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا،
علاوہ ازیں معراج کے حقائق و مناظر جو نفوسِ نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں، ان کے احاطہ کے لیے بھی شرحِ صدر کی ضرورت تھی،

آیات و دلائل نبوی

قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں، اس سے ایک طرف تو مخالفینِ اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیہ الٰہی سے محروم تھی، دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارقِ عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے، کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سے خالی تھی، تو گذشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے، وہ بھی سمجھنے والوں کے لئے فہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلافِ منظر نمایاں ہے، اس کے متعدد وجوہ اور اسباب ہیں جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی، اس لیے وہ مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

(۱) اس اختلافِ منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے یا گذشتہ صفحات میں قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے معجزہ کی جو حقیقت واضح کی گئی ہے اُس کو سمجھا ہے، وہ تسلیم کرے گا، کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے، جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفہ میں نظر آتی ہے، بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے، اور نبوت کے اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے، اس بنا پر اس کے لئے اپنے پیش کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اُس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اُس کے اُصول کے خلاف تھا، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام اُن گمراہیوں سے پاک رہا جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا،

۲ - دوسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں، وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں، اس لئے قرآن مجید کو جب کبھی اُن پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے، تو خواہ مخواہ اُن کے انہی چند حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں، اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نشانیاں عطا ہوئیں، وہ اس قدر متنوع مختلف اور غیر محدود تھیں کہ اُن کے تذکرہ کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی، اس لئے یہ دلائلِ محمدی قرآن مجید کے سیکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں

میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزون کی طرح وہ اجاگر اور نمایان ہوکر کم سوادون کو نظر نہین آتے،

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ مباحث مین یہ پوری تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہی کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات، خوارق اور نشانیان پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و دلائل بھی ذاتِ محمدی صلعم کی طرف منسوب ہوکر نہیں، بلکہ قدرتِ الٰہی کی طرف منسوب ہوکر بیان ہوئے ہیں، اس لئے عام لوگون کا خیال اُن کو دلائلِ محمدی کے سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا،

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی اُن کا صحیفہ ہے، جس میں اُن کے ربانی احکام، اُن کے پیغمبرون کے اقوال، حالات، سوانح، معجزات سب کچھ ملے جلے ہین لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزین ہین، ایک صحیفۂ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں، دوسرے حدیث و سنّت جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور رہین، اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے، اس لئے خدا نے پیغمبر صلعم کے ان دلائل و معجزات کو عدمِ اہمیت کے باعث تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ اس کے لئے احادیث کے مستند ذخیرۂ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا،

قرآن مجید سے آپ کے صاحب معجزہ ہونیکی دلیل	غرض یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر بعض کم سواد اس دعوی کی جرأت

کرتے ہیں، کہ قرآن مجید کی آیتین آپ کو معجزات اور نشانیون سے معرا ظاہر کرتی ہیں، لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ کے متعلق آپکے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کئے ہیں، ان میں متعدد موقعون پر آپ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور ساحر کہا گیا ہے، اور قرآن مجید پر سحر کا الزام قائم کیا گیا ہے، عرب میں کاہنوں کا کام پیشنگوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا، اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے، اب اگر آپ امورِ غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے، اور معجزات وخوارق کا صدور آپ سے نہیں ہوا کرتا تھا، تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطاب سے کیون یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھ کر حسبِ ذیل آیتون پر غور کی ایک نگاہ ڈالئے،

فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور-۲)	اے محمد! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے،
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقہ)	یہ قرآن کسی کاہن کا کلام نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے خدا کفارِ قریش کا حال بتاتا ہے،

وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ (صافات)	جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے،

اس آیت سے صاف ثابت ہے، کہ کفار کو جو نشانیان نظر آتی تھین، وہ ان کا ٹھٹھا اوڑاتے تھے، اور ان کو جادو کہتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارقِ عادت نشانیان

اُن کے مشاہدہ میں آتی تھیں، اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے،

وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف)

اور جب اُن کے پاس سچی بات آئی تو انھوں نے کہا یہ تو جادو ہے، اور ہم اس کو نہیں مانتے، انھوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا،

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (احقاف ۱)

حق کے منکروں نے جب اُن کے پاس حق آیا، تو کہا یہ تو کھلا جادو ہے،

هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (انبیاء)

یہ محمدؐ تو تمھاری ہی طرح ایک آدمی ہیں کیا تم جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو،

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ (یونس) کافروں نے کہا یہ (محمد) تو کھلا جادوگر ہے،

حضرت عیسیٰؑ نے آپ کی آمد کی جو بشارت دی تھی، اس کے بعد ہے،

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ (صف - ۱)

پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لیکر آیا تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے،

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپؐ کی ذاتِ بابرکات سے کچھ تو مافوق العادۃ باتیں ظاہر ہوتی تھیں جن کی تعبیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کر کے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے، اور اسی سے آپؐ کے صاحبِ معجزہ ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے،

قرآن مجید میں آپ کے دلائل ومعجزات مذکور ہیں، اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آیات ودلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں، ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کردیں، کہ وہ نمایاں ہوکر نگاہوں کے سامنے آجائیں، تنوع کے لحاظ سے یہ آیات ودلائل تین قسم کے ہیں، ایک تو کفار کی ہدایت ودعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لئے معجزانہ نشانیاں، دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیدات غیبی کا ظہور، اور تیسری وہ پیشینگوئیاں، جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا، آیندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی،

معجزۂ قرآن

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ، (بنی اسرائیل-۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیشگاہِ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے، اُن مین سب سے بڑا معجزہ، خود قرآن مجید ہے، چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا، تو خدا نے فرمایا،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ، (عنکبوت-۵۰)	اور انھون نے کہا کہ پیغمبر پر اُس کے خدا کی طرف سے نشانیان کیون نہین اُتریں کہدو کہ نشانیان خدا کی قدرت میں ہیں، میں تو صاف صاف خدا کے عذاب سے صرف ڈرانے والا ہون کیا اُن کو یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اُس پر کتاب اُتاری جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے،

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحیِ آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا، چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا،

مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ	پیغمبرون میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے

مِنَ الآیاتِ ما مثلہ او من اوامن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیًا اوحاہ اللہ الیّ فارجو انی اکثرھم تابعًا یوم القیامۃ (صحیح بخاری باب الاعتصام)

اس قدر معجزات عنایت کیے جن کو دیکھ کر لوگ ایمان لائے، لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا وہ وحی (قرآن) ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتارا، اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پیرووں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں،

۱- ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے،

۲- دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہے گا،

۳- چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے، اس لیے اُن سے جو اثر پیدا ہوا، وہ بھی وقتی اور عارضی تھا، برخلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے، اس لیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں، اُن میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے، اور اعلانِ عام کیا ہے، کہ کوئی اس کی مثال پیش کرے، اور پھر خود ہی اُس کی پیشینگوئی بھی کر دی ہے، کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی،

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ — کہدے اے پیغمبر! اگر تمام جن وانس مل کر بھی

عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ — چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو نہیں

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ — لاسکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر

لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ۱۱) — کیون نہ ہون،

سورہ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتون کا جواب مانگا گیا ہے،

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا — کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنے جی سے

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا — بنا لیا ہے تو کہدے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی دس

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ — ہی سورتیں لے آئیں، اور اپنی مدد کے لیے خدا کے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (هود-۲) — سوا جس کو چاہیں بلالیں اگر وہ سچے ہیں،

اس کے بعد کی آیتون میں دس سورتون سے گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدی کی گئی ہے،

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا — اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو جو ہم نے

عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ — اپنے بندہ پر اتارا ہے، تو اس جیسی ایک ہی

مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ — سورہ لاؤ، اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہون

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرہ-۳) — کو بلاؤ، اگر تم سچے ہو،

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا — تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لاسکو اور یقیناً نہ

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ — لاسکو گے تو اس آتشِ دوزخ سے بچو جس کے ایندھن

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (البقرہ-۳) — آدمی اور پتھر جن کو تم پوجتے ہو سب ہوں گے جو م

منکرون کے لئے تیار ہے۔

اسی کے ہم معنی دوسری آیت سورہ یونس میں ہے،

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا	کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو
بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ	اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ ان سے کہدو کہ اس
اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ	جیسی ایک سورۃ تم تو لاؤ خدا کے سوا اور جسکو
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ، (یونس۔۴)	چاہو مدد کے لیے بلا لو، اگر تم سچے ہو،

پھر سورہ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو،

اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ	کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو گھڑ لیا ہے،
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا	بات یہ کہ ان کو ایمان نہیں، اگر وہ سچے ہیں تو
صٰدِقِيْنَ (طور۔۲)	اس جیسی ایک بات بھی وہ پیش کریں،

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے، لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

(۱) بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (اسٹائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا، قرآن مجید نے اُن کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا، اُن کے کلام کا تمام تر نمونہ شعر تھا، قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا، کاہنانِ عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا، مگر اس میں تکلف اور آورد تھا، قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پندیدہ اسلوب اختیار کیا، جو بلغاے عرب کے تخیل میں بھی نہ تھا، قرآن کے مطالع، مقاطع اور فواصل یعنی جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ

کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑتا جاتا ہے، وہ حدِ اعجاز میں داخل ہے،

۲۔ معتزلہ میں سے **جاحظ** اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں،

۳۔ نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری[1] یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور امام رازی بھی اس کو اقرب الی الصواب کہتے ہیں[2] کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے تمام بلغاے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کردیں، اور اس لئے وہ اس کا جواب نہیں لاسکتے،

۴۔ بعض متکلمین کے نزدیک وجہِ اعجاز، قرآن مجید کا اظہارِ غیب اور پیشینگوئیاں ہیں جو انسان کے حیطۂ امکان سے باہر ہیں،

۵۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا، جو انسانی دسترس سے باہر ہے،

۶۔ کسی نے وجہِ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، صحیح و غلط، غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں، لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی، کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے،

۷۔ ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک اُمّی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا[3]،

---

[1] الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن [2] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۲۳۵ تفسیر آیۂ ان کنتم فی ریب [3] متکلمین کے مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی، الاتقان سیوطی، فصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں

۸۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اُس کی خارقِ عادت تاثیر اور قلوبِ انسانی کی تسخیر بھی قرار دی جا سکتی ہے،

۹۔ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اُس کے احکام تعلیمات اور ارشادات ہیں[۱]،

حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں، جو ایک جگہ مجتمع نہ ہو سکیں، اور نہ یہ ضروری ہے کہ وجہِ اعجاز صرف ایک ہی میں محدود ہو، قرآن مجید کے وجوہِ اعجاز اس قدر کثیر ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا، جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے، اُسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے، کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقادانِ فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے، تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے، کوئی اس کے اعتدال قامت کی تعریف کرتا ہے، کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے، کوئی اُس کی زیبایش و آرایش کی مدح کرتا ہے، تو درحقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے، اور ہر ناقد اپنی چشمِ اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے، اُسی کو اُس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے، حافظؔ و سعدیؔ کے کلام کا معترف کون نہیں ؟ لیکن لوگوں سے اس کے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا، کسی کے نزدیک اُن کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لئے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقیانہ اختیار کرتے ہیں، کوئی طریقۂ ادا، اور اسلوبِ تعبیر کی تعریف کرے گا، بعض ناقدینِ سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے، کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب اُن کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے، بعضوں کے نزدیک

[۱] شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

اُن کی معنی آفرینی عمیق فلسفہ وحکمت اور دلپذیر موعظت اُن کے کلام کا تمغائے کمال ہی،

عبارا تنا شتی وحسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہی ہر شخص اپنی عبارت میں اُسی ایک حسن کیطرف اشارہ کرتا ہی،

قرآن مجید کی اُن آیتوں کا اگر استقصار کیا جائے جن میں اس کے وجوہِ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں، کہ اُن کو کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اس نے کہیں تو اپنی تعلیم وارشاد کی مدح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوتِ جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدمِ اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسنِ کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک امی کی زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی ہدایت ورہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کو نور، ھدی، حکمۃ، بینۃ اور دیگر مختلف اوصافِ معنوی کا یکجا کرتا ہی،

چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں،

فصاحت بلاغت

لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین (نحل - ۱۴)

جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں، اس کی زبان تو عجمی ہے، اور یہ ایسی زبان ہی جو عربی ہی، اور اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے،

بلسان عربی مبین ، (شعرا ۱۶)

یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہی جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے،

	قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ (زمر)	قرآن عربی زبان میں ہے جس میں کوئی کجی نہیں
	قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ، (یٰسین و حجر)	اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن
یکسانی اور عدم اختلاف	اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ	کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ
	الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ	خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو وہ
	غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (نساء)	اس میں بہت سے اختلاف پاتے،
قوتِ تاثیر	وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ	اُن کو (قرآن کے ذریعے) اگلی امتوں کے
	مَا فِیْہِ مُزْدَجَرٌ حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ	اتنے حالات سنائے جا چکے ہیں، جو اُن کی تنبیہ
	فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ،	کو کافی تھے، یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی
	(قمر ۱)	دانائی ہے لیکن اُن کو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے، یہ کیوں؟ اس کی اسی تاثیر اور قوتِ تسخیر کی بنا پر،

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ	جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَھُمْ	پڑھی جاتی ہیں، تو وہ لوگ جو سچائی آنے کے
ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ، (احقاف ۱)	بعد اس کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

کفار کہتے تھے کہ جب محمد لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنانے لگیں تو شور کر دو تاکہ لوگ سنکر متاثر نہ ہوں

	وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم سجدہ)	کفار نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو، اور اس کے پڑھتے وقت شور و غل کرو، شاید تم جیت جاؤ،
تعلیم و ہدایت	ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ	یہی ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے،

فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (بقرہ ۱)

یہ پرہیزگاروں کے لئے سرتاپا ہدایت ہے

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (اسراء ع-۱)

یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ صحیح اور سیدھی ہے،

قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ (قصص ۵)

کہدے قرآن اور توراۃ سے بڑھکر کوئی ہدایت والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں،

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (مائدہ-۳)

تمہارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر کرنے والی کتاب آچکی،

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (ع ۱۲)

ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں،

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۝ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (ع-۲۰)

یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ دو قوموں پر کتاب اتاری گئی، اور ہم ان کے پڑھنے سے بیخبر تھے، یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی، تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ راہِ راست پر ہوتے تو لو یہ تمہارے رب کی طرف سے دلیل و ہدایت و رحمت آئی ہے،

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ

اور قرآن سے ہم وہ اتارتے ہیں، جو مومنون

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (اسرا ۹۶) — کے لئے شفاء اور رحمت ہے،

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ — یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی

الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا — باطل نہیں آسکتا، یہ حکمت اور تعریف والے

مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ — خدا کی اتاری ہوئی ہے، اے پیغمبر تجھ سے وہی

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ — کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،

مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ — تیرا پروردگار بخشش والا بھی ہے، اور عذاب والا

مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ — بھی ہے، اگر ہم اس قرآن کی زبان عجمی کرتے تو وہ

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا — لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول کے

لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ — کے بیان کئے گئے، ہم عرب ہیں، اور کتاب عجمی کہہ

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ (فصلت ۵) — دو کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے،

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ — لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ — سے نصیحت آچکی، اور وہ دلوں کے امراض کا علاج

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس) — ہے، اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰسین) — حکمت والا قرآن،

وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ (ص) — نصیحت والا قرآن

قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (اسرا) — جن و انس اس کا جواب نہیں لاسکتے،

وَلَنْ تَفْعَلُوْا (بقرہ) — یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لاسکتے،

ایک اُمی کی زبان سے ادا ہو

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ،

(عنکبوت ۵)

قرآن سے پہلے اے پیغمبر نہ تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، اگر ایسا ہوتا تو البتہ یہ باطل پرست شک کر سکتے، بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے، اور ہماری آیتوں سے صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کیوں اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے نشانیاں نہیں اتریں، کہدے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اُتاری جو اُن کو پڑھ کر سُنائی جاتی ہے، اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے،

حفظ و بقا کا وعدہ

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر)

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (قیامۃ-۱)

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (فصلت)

اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں،

ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا،

اس قرآن کے پاس آگے اور نہ پیچھے سے باطل آسکتا ہے،

قوتِ دلائل	فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (انعام)	یقیناً تمھارے پاس تمھاری خدا کی دلیل آچکی
	قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ، (انعام)	کہدے کہ خدا ہی کے لیے وہ دلیل ہی جو دلون تک اُتر جاتی ہے،
	هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ (اعراف ۲۴)	یہ قرآن تمھارے رب کی طرف سے سمجھ بوجھ کی باتین ہین اور ہدایت ورحمت ہے مومنون کے لئے،

قرآن مجید کی یہ آیتین صرف چند حیثیتون کو پیشِ نظر رکھکر لکھی گئی ہین، اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہوسکتے ہین، الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت وبلاغت ہی کے لحاظ سے نہین، بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے **معجزۂ کامل** ہے، اسکے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے، کہ ساڑھے تیرہ سو برس گذرے کہ کوہِ صفا کی چٹان پر کھڑے ہوکر ایک اُمّی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اسکا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہین ہے، کہ ان تیرہ صدیون کا ایک ایک سال گذر گیا، مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لئے بلند نہ ہوئی، اگر صرف فصاحت وبلاغت ہی کو معیارِ اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہین ہے کہ عین اس وقت جب ایک اُمّی کی طرف سے جو ایک شعر تک موزون نہین پڑھ سکتا تھا،[1] یہ مدعیانہ اعلان عرب مین شائع ہوا، اُس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ مین زبان آور شعرا، اور آتش بیان خطبار موجود تھے، مگر اس "**صوتِ سرمدی**" کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہوگئین، کفارِ عرب نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی تکذیب کی کیا کیا کوششین نہین،

[1] بخاری شریف،

انھون نے اس راہ مین جان و مال قربان کیا، دین و کیش کو برباد کیا، اپنے عزیزون اور فرزندون کو نثار کیا، خود اپنی جانین ہتھیلیون پر رکھین، ان کے سپاہیون نے میدانِ جنگ میں پرے جمائے، اُن کے دولتمندون نے اپنے خزانے کھول دیئے، اُن کے شاعرون اور خطیبون نے اپنی آتش بیانیون سے تمام ریگستانِ عرب کو تنور بنا دیا، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورہ کا جواب پیش کرین جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے کنگرہ کو چشمِ زدن مین پست کر دیتا، کیا اس سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ وہ اس کی مثال لانے سے عاجز تھے، اور جب وہ جو زبان کے اصل مالک اور محاورۂ عرب کے طبعی ماہر تھے، اس کے مقابلہ سے عاجز تھے، تو اُس زمانہ کے بعد کے لوگون کے لیے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایان ہو جاتا ہے، حسان بن ثابتؓ، عامر بن اکوعؓ، طفیل بن عمروؓ، نید الجلیل، زبرقان، شماس، اسود بن سریع، کعب بن زہیرؓ، عبد اللہ بن رواحہؓ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور اور شاعر تھے، مگر قرآن مجید کے سامنے اُن سب نے سرِ نیاز خم کیا، لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی بزمِ مشاعرہ کے ایک رکن تھے، اسلام کے بعد جب حضرت عمرؓ نے اُن سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انھون نے جواب دیا "جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آلِ عمران سکھائی، تو مجھے شعر کہنا زیبا نہین"[1]

انیس قبیلۂ غفار کے شاعر تھے، انھون نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سنا تو چھپ کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کلامِ ربانی کی کچھ آیتین سن کر واپس گئے، اُن کے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیا پایا، انھون نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہین کہ

[1] استیعاب ابن عبد البر ترجمہ لبید

وہ شاعر ہیں، ساحر ہیں، اور کاہن ہیں، ہم نے کاہنون کا کلام سنا ہے یہ اون کی بولی نہین، ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے، وہ شعر بھی نہیں ہے، خدا کی قسم محمد سچے اور قریش جھوٹے ہیں[1]۔

ضماد ازدی ایک صاحب تھے، جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، وہ سُن کر کہ محمد نعوذ باللہ دیوانے ہو گئے ہیں، آپکے علاج کے لئے آئے، آپنے مختصر سی حمد اور کلمہ شہادت پڑھا، وہ سُن کر متحیر رہ گئے، تین دفعہ پڑھوا کر سنا، پھر کہا کہ خدا کی قسم مین نے کاہنون کی بولی، اور جادوگرون کے منتر اور شاعرون کے قصائد سنے ہیں، لیکن تمھارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا[2]، جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے، کہ محمد کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے، کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہیئے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے، قریش کے مشہور سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا مین یہ سب کچھ جانتا ہون، کہو تو مین جا کر دیکھون، چنانچہ آستانۂ نبوی میں آکر اس نے صلح کے کچھ شرائط پیش کئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سورہ فصلت پڑھنی شروع کی، کچھ ہی آیتیں پڑھی تھین، کہ اس نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھدیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو، واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا، ابوجہل نے جا کر کہا کیون عتبہ! محمد کے یہان کھانا کھا کر پھسل گئے، عتبہ نے کہا تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولتمند ہون، مجھ کو دولت کی طمع دامنگیر نہیں ہو سکتی، لیکن محمد نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا،

---

[1] صحیح مسلم اسلام ابی ذر، [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ،

وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی، نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا، اونھوں نے جو کلام پڑھا اس میں عذابِ الٰہی کی دھمکی تھی، میں نے اُن کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں، میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آجائے، لوگوں نے کہا محمد نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا۔[1]

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولتمند اور صاحبِ اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں آیا، اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے، آپ نے چند آیتیں پڑھیں، اس نے مکرر پڑھوا کر سنیں، آخر بیخود ہو کر بولا "خدا کی قسم اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنہ بھاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں"[2]

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپ نے چند آیتیں پڑھیں تو گو وہ مسلمان نہ ہوا مگر کلامِ الٰہی سے متاثر ہوا[3] نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت کی، تو اس پر رقت طاری ہو گئی، اور اُس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں"[4]

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحاق نے سیرت میں نقل کئے ہیں، پہلی جلد میں تم پڑھ چکے ہو کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سن کر متاثر ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھکر اور سُن کر پتھر سے موم ہو گیا[5] حضرت جبیر بن مطعمؓ اسیرانِ بدر کو

---

[1] کنز العمال بتفسیر ابن مردویہ، مسند ابو یعلیٰ و سیرۃ ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرۃ ابن اسحاق میں ہے [2] مصنف عبد الرزاق و مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۰۷ میں یہ اور ادبر کا واقعہ دونوں مل جل گئے ہیں [3] روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۲۶۴ مطبوعہ مصر [4] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲ و مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۲۱۰

[5] ابن سعد جلد ۳ حصہ اول ص ۱۹۱ و ابو یعلیٰ و حاکم و بیہقی [6] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۱۷

گھبرانے آئے تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ طور کی ایک دو آیتین سُن لین تو اُن کا دل دھڑکنے لگا،[1] حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے چند آیتین سُن لین تو فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے،[2] حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے کانون مین اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتین پہنچ گئین تو مسلمان ہو گئے،[3] طائف کے سفر مین حضرت خالد العدوانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ پڑھتے سنا تو گو وہ اُس وقت مسلمان نہ ہوے مگر پوری سورہ اُن کے دل مین گھر کر گئی، یعنی یاد ہو گئی،[4] حبش سے بیس آدمیون کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی، آپ نے اُن کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا، اُن کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے،[5] حضرت ابو عبیدہ، حضرت ابو سلمہ، حضرت ارقم بن ارقم، یہ تینون اصحاب اسی کی کشش مقناطیسی سے کھنچکر حلقۂ اسلام مین آئے[6] اور تو اور خود مہبط وحی اور حامل کلام ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے ایک دفعہ قرأت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے،[7] ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتین زبان مبارک سے ادا ہوئین، اور اس کے بعد آنسو کا تار بندھ گیا،[8]

کلام کی یہ شیرینی، یہ نمکینی، یہ تاثیر، یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و اُمت سب کو یکسان فریفتہ کرتی ہے، اعجاز نہین تو اور کیا ہے؟ حکماء

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ طور [2] مسند ابن حنبل جلد ا ص ۲۱۰ [3] استیعاب تذکرہ طفیل بن عمرو دوسی [4] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۳۵ [5] سیرۃ ابن ہشام [6] اسد الغابہ تذکرہ ابو سلمہ بن عبد الاسد [7] صحیح بخاری تفسیر فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ [8] صحیح مسلم باب بکاءہ صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ

فلاسفہ، ادبار، اہلِ لغت، مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، شعرار، متکلمین، غرض نوعِ انسانی کی وہ کون سی صنف ہے جس نے ایک اُمّی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایۂ حیات قربان نہیں کر دیا، اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے خدمات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ نظر آئیں، کیا یہ اعجاز نہیں،

غور کیجئے کہ ایک اُمّی شخص جو اُمیوں ہی کی گودوں میں پلا، اور پل کر جوان ہوا، اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آیا، علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک، عاری شہر اور عاری خاندان کے اندر نشو و نمایائی جہاں اہلِ فکر اور اربابِ علم کا وجود نہ تھا، وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے ناآشنا تھا، گذشتہ صحفِ انبیار اور افکارِ عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا، علمار اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی، اصولِ قانون، مبادیِ اخلاق، محاسنِ علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی، بلکہ مدرسۂ علم و حکمت کے سایۂ دیوار تک کبھی اس کا گذر نہیں ہوا، اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے پورے کرتا ہے، کہ دفعۃً غارِ حرا کے ایک دہانے سے اُجالا ہوتا ہے، علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے، ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے، صحف انبیار اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، اس کے پرتوِ صحبت سے اُمّی اور جاہل، علمائے دہر اور دانشورانِ روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں، اصولِ قانون، مبادی اخلاق اور محاسن علم و عمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزمِ فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے، کلامِ ربانی

کے پردہ میں علم وحکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں، اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے!

توراۃ قانون وشریعت ہے لیکن اخلاق اور موعظت نہیں، انجیل اخلاق وموعظت ہے، لیکن قانون وشریعت نہیں، زبور مخاطباتِ قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے لیکن دیگر صفات سے خالی، ایسحٰق کے صحیفہ میں خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں، مگر استدلال اور فکر ونظر کی دعوت نہیں، صحفِ بنی اسرائیل پیشینگوئیوں سے لبریز ہیں، مگر دقائقِ حکمت اور اسرارِ ایمان وعمل سے خالی ہیں، دنیا میں ایک ہی کتابِ الٰہی ہے جو قانون وشریعت بھی ہے، اور اخلاق وموعظت بھی، مخاطباتِ قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے، اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی، خطابت بھی ہے، اور استدلال وفکر بھی، اظہارِ غیب اور پیشینگوئیوں سے لبریز بھی ہے اور دقائقِ حکمت واسرار ایمان وعمل سے معمور بھی اور ان سب کے ساتھ میں اُس وقت جب اور کتبِ الٰہی تحریف وتغیر، اور تراجم وتعبیر سے اپنی اگلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقا اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ ایک حرف ایک نقطہ میں تغیر وتبدل نے راہ نہیں پائی، وہ اپنی زندگیِ جاوید کے لیے کاغذ کے نقوش وحروف کی محتاج نہیں، کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں، اور وہ اسی زبان اور انہی الفاظ اور انہی حروف کے قالب میں اب تک جلوہ گر ہے جس میں دستِ قدرت نے اس کو ڈھالا تھا، اور جبریل امینؑ نے اس کو اتارا تھا، اور محمد عربی نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں،

یہین سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے، کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ اپنے الفاظ، کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے، اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ کمال کی دوسری آسمانی کتابین، حریف نہیں بن سکتین، کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں، چنانچہ نہ تو خود ان کتابون کو اور نہ ان کے ماننے والون کو اسکا دعوی ہے، اور نہ کبھی انھون نے اپنی کتابون کو کلام و عبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے، چنانچہ اسی لئے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحیِ موسوی (تورات) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، مدت ہوئی کہ دنیا اُن سے محروم ہوگئی تورات کی اصل عبرانی زبان جو حضرت موسیٰ کی زبان سے نکلی تھی، وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی، اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کر لیا، اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیر نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا، انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اس کی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی، انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰ فلسطین کے ملک میں بولتے تھے، ایسی حالت میں ان کتابون کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اُس کے الفاظ کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جا سکتا ہے، برخلاف اس کے دنیا میں "وحیِ محمدیؐ" سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا، چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے، اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغیر سے پاک ہے، اس لیے اسکے الفاظ، کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں، اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتی، [1]

[1] یہان مسئلہ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہین یہ مباحث مفصل آیندہ کسی جلد مین آئیں گے، یہان صرف سلسلۂ معجزات میں اسکا مختصر تذکرہ مقصود تھا،

اُمیّت

یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک ہونا

اَلرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (اعراف)

یہ واقعہ محتاج بیان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت وخواند کے داغ سے پاک تھے، قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ، — یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادۂ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں،

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ — تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپ کے اُمّی، بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے اُمّی ہونے کا اظہار ہے،

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (جمعہ ۱) — اسی خدا نے اُمیوں کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا،

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت مین ارشاد ہوتا ہے،

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ	اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر نہ تو تم کوئی
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ	کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اسکو لکھ سکتے
الْمُبْطِلُوْنَ (عنکبوت ۵)	تھے اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست شک کر سکتے تھے،

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحتِ الٰہی کا ایک خاص منشا تھا، اسی لئے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اسکے پروردگار
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ	کی طرف سے کوئی نشانیاں کیون نہیں اتریں کہدے،
اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اَوَلَمْ	کہ نشانیان خدا کے قبضۂ قدرت مین ہیں، اور
يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	مین تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہون کیا ان معترضین
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۰	کو یہ نشانی کافی نہین ہے کہ ہم نے تجھ پر (جو امی ہے)
(عنکبوت ۵)	کتاب اُتاری جو ان کو پڑھکر سنائی جاتی ہے،

قرآن مجید کی مختلف سورتون مین اس کا اظہار ہے کہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری زبان سے آج گذشتہ پیغمبرون، اگلی امتون اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں" ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ مین ہیں، ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو، دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابون مین پڑھے تیسرا یہ کہ اورون سے سنے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع کے ان تینون ذرائع سے ناآشنا تھے، اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ

مقصود تھا قرآن مجید میں آدمؑ سے مولدِ محمدی تک کے تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں، یہ واقعات آپ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے، اور آپکے پاس اُن کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا، اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریمؑ اور زکریاؑ کے قصہ میں کہا ہے،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ	یہ گذشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم
اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ	تیری طرف وحی کر رہے ہیں، تو اُن کے پاس
يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ	اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال
مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ	رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کریگا، اور نہ تو
يَخْتَصِمُوْنَ ۔ (آلِ عمران ۵)	اُنکے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے،

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے،

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ	جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت
قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ	مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا، بلکہ ہم نے صدیاں
مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا	اس پر گذار دیں قومیں پیدا کیں جن کی بڑی بڑی عمریں
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَ	ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر ہو کر آیات الٰہی انکو
مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا	پڑھکر سناتا تھا، بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے،
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ	اور نہ تو اس وقت گوشہ طور میں تھا، جب ہم نے موسیٰ کو
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا	آواز دی ہی بلکہ (اس قصہ کا علم تجھکو جو حاصل
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص ۔ ۵)	ہو) رہا ہے محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے،

حضرت یوسفؑ کے قصہ مین فرمایا

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ	یہ اس گذشتہ زمانہ کے قصہ کا علم ہم تم کو بذ
اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ	وحی کے عطا کر رہے ہیں تو اس وقت انکے پاس موجود
اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ، (یوسف ۱۱)	نہ تھا جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے،

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابون کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو، قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی،

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ	نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھکر
قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ	سناتا تھا، اور نہ اپنے ہاتھ سے تو
بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت ۵)	اس کو لکھ سکتا تھا
مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ	تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے،
وَلَا الْاِيْمَانُ ، (شوریٰ ۵)	اور ایمان کس کو کہتے ہیں،

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسرون سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ مین گذری، بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت مین گذرے ہون، اور خود مکہ معظمہ مین نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا، اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی، اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہین چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا،

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ، (ھود ۴)	یہ گذشتہ زمانہ کی باتین ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہین تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے ان سے آگاہ نہ تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زندگی مکہ معظمہ مین گذری اور سفر تجارت مین قریش کے شامی قافلون کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب آپ مکہ مین تھے تب بھی آپ قریش کے مجمع مین تھے، اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ مین رہے، اس لئے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ اُن سے مخفی نہ تھا، اگر آپ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی، تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کرسکتے تھے، مگر اونھون نے نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اُن کو اس بات کا یقین تھا کہ محمدؐ کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں، چنانچہ قرآن مجید نے باواز بلند کہا،

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ	اگر خدا کو منظور ہوتا تو مین تم کو نہ یہ قرآن پڑھکر سناتا
وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ	اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا اس سے
عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس ۲)	پہلے مین مدتون تم مین رہ چکا ہون کیا تم یہ نہیں سمجھتے،

قرآن مجید نے اُن تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے اُن کو یہ شک تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے سے سُن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اُن کے اس اعتراض کو نقل کیا، اور اُس کا جواب دیا،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا	اور ہم کو بتحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد
يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ	کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اُس شخص کی زبان جس
اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ	کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے، اور یہ
مُّبِيْنٌ (نحل ۱۴)	فصیح عربی زبان ہے،

سورۂ فرقان مین چند آدمیون کی شرکت کا شبہہ مذکور ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ	اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے،
هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِۨفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ	جس کو محمد نے گھڑ لیا ہے اور اس افترا پردازی
عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ	مین چند اور آدمی بھی شریک ہیں، وہ یقیناً غلط
ظُلْمًا وَّزُوْرًا ، (فرقان-۱)	اور جھوٹ کہتے ہیں،

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہین ظاہر کیا کہ محمد نے پہلے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے، اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی اُمیت پر اُن کو یقین تھا، مدینہ آکر یہودیون سے معاملہ پڑا، روایات مین بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہین کہ یہود آپکے پاس آتے تھے، اور آپسے وہ سوالات کرتے تھے جو اُن کی کتابون مین مذکور تھے، اور کہتے تھے کہ اُن کے جواب پیغمبر ہی دیسکتا ہے، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے صحیح جوابات دیتے تھے، اور وہ متحیر رہ جاتے تھے، اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے، کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی محض ہیں، اور ہماری کتابون کو نہ انھون نے پڑھا ہے، اور نہ پڑھ سکتے ہیں، ورنہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابون کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت اُن کو معلوم ہوتا کہ وہ اُن کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے، نہ پیش کرتے، اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے،

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہہ تھا، کہ وہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے، اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتین نقل کی ہیں، جن سے اس کی شخصیت اور نام

کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ مکہ معظمہ مین کوئی نصرانی غلام تھا، جو اپنی زبان مین کتبِ مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا، اور آپ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، اسی پر کفار نے کہا کہ محمدؐ کو یہی قرآن کی آیتین سکھاتا ہے، اللہ تعالی نے جواب دیا کہ اس غلام کی، اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے اُن کی زبان عربی نہیں، اور نہ وہ عربی جانتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے، اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر زبان کو سمجھ لین اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان مین کلام کرے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپکے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لئے جا رہے تھے، راستہ مین بحیرا نام ایک راہب نے آپ کو دیکھا، اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ہی پیغمبر آخر الزمانؐ ہیں، چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیج دو، ورنہ یہود اگر دیکھ لین گے تو قتل کر ڈالین گے، اگرچہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرۃ نبوی جلد اول (شام کا سفر) مین بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے، صحیح نہیں ہے، تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا، اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کیلئے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کیا چاہئے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹون مین حقائق و اسرارِ دین، اصولِ عقائد، نکاتِ اخلاق، مہماتِ قانون اور ایک شریعتِ عظمیٰ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے! کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے، تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت مین آپ کے ساتھ رہتا کہ وقتِ ضرورت (نعوذ باللہ) آپ اُس سے قرآن بنواتے، احکام و مواعظ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے، اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیونکہ جو شخص خود مدعیِ نبوت کو تعلیم دے رہا ہو، وہ کیونکر اسکی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا، اور پھر اس شہرتِ عام، ذکرِ جمیل، رفعتِ مقام کو دیکھکر جو مدعیِ نبوت کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا، اور صحابۂ کرام کی نگاہون سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا، جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہہ تھا، اگر حقیقت مین آپ اُس سے تعلیم حاصل کیا کرتے، تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، اُن کے لیے آسان تھا کہ اُس غلامِ عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعۃً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازین زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ مین تھا، پھر مدینہ مین ۱۳ برس تک سینۂ نبوت سے فیضانِ الٰہی کا سرچشمہ کیونکر اُبلتا رہا، قرآن، شریعتِ اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہین وحی ہوا ہے، مکہ مین تو نسبۃً بہت کم سورتین نازل ہوئی ہیں،

جب مدینہ منورہ مین اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ اگر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں، تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدنامی ہو، اور لوگون کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اُس کو قبول کر کے کوئی کیون چھوڑ دیتا،

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ	اور اہل کتاب مین سے ایک گروہ کہتا ہو کہ
آمِنُوا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ	مسلمانون پر جو اترا ہی اس پر صبح کو ایمان لاؤ
آمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ	اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید کہ وہ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (آل عمران-۸)	لوگ (مسلمان) بھی پھر جائین،

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی خدمت اس کے سپرد کی، چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ مین نے محمد کو جو کچھ لکھدیا ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہین جانتے، خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی، اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا،[۱] اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے،

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہو کہ قریش اور مسلمانون کے درمیان عہدنامہ مرتب ہو رہا تھا حضرت علیؓ عہدنامہ لکھ رہے تھے، عہدنامہ کی عبارت یہ تھی، کہ "یہ وہ شرائط ہین جن کو خدا کے رسول محمدؐ نے منظور کیا" قریش نے کہا "اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیون آتی، اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے" آپ نے حضرت علیؓ کو ایما فرمایا، کہ اُن کی حسب خواہش ترمیم کر دو، حضرت علیؓ نے کہا مجھ سے یہ گستاخی نہین ہو سکتی، آپ نے پوچھا وہ الفاظ کہان ہین، حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا، تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا، اور محمد بن عبداللہ لکھدیا، یہ واقعہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حنبل اور تمام کتب سیر مین مذکور ہو اسی

---

[۱] صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام،

کے ساتھ بخاری مین یہ تصریح ہے[1] کہ ولیس یحسن یکتب اور مسند احمد مین بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہین، "ولیس یحسن ان یکتب یعنی آپ لکھنا نہین جانتے تھے" لیکن باوجود اس کے تمام احادیث وسیر مین یہ ہے کہ "آپ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھدیے" روایت کے ظاہری معنی سے بعضون کو یہ شبہہ ہوا، کہ آپنے خود اپنے دستِ مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپنے شاید اخیر زمانہ مین لکھنا سیکھ لیا تھا" ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ "آپنے اُس وقت تک وفات نہین پائی، جب تک آپ کو لکھنا پڑھنا نہ آگیا" اور ایک اور روایت (بواسطۂ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلولی عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے، کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضہ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عینیہ کو عنایت فرمایا، انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کہا کہ معلوم نہین اس مین کیا لکھا ہے، آپ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا "وہی لکھا ہے جو مین نے حکم دیا ہے"،

اگر یہ روایتین صحیح ہین تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتین تامتر موضوع یا نہایت ضعیف ہین، اس لئے آپ کی اُمیت کے متعلق جو متواتر روایتین ہین، اُن سے اُن کی تنسیخ نہین ہو سکتی، یہ ممکن ہے کہ اُمی سے اُمی آدمی کے ہان جب شب روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے، تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے، خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور اُن کو لکیر کھینچ کر لکھدینا تو معمولی بات ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ فاعل مجازی و حقیقی

---

[1] صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء،

کی تفصیل بین راویون سے مسامحت ہوئی ہے، عموماً سلاطین، امرا اورکار بر جو فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں، محاورۂ عام مین اُن کو لکھنا ہی کہتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ "عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا"، "شاہجہان نے جامع مسجد بنائی"، "فلان بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا"، حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے، اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے، مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور انہی کی طرف سے لکھا یا بنایا گیا، اس لئے بولنے والے خود سلاطین اور امرا، کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں، تو وہان عام طور پر یہ الفاظ ہیں، وکتب الی قیصر و کتب الی کسریٰ، آپ نے قیصر کو یہ خط لکھا، کسریٰ کو یہ لکھا، مگر سب کو معلوم ہو کہ آپ نے دستِ خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہین بھیجے، مگر چونکہ آپ ہی نے لکھوائے تھے، اس لئے اُن کی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی، روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت وخواند سے عاری ہیں، وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں مگر کہنے والے اوس کو یون ہی کہتے ہیں، کہ اُس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہون، حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہین، اُس نے دوسرون سے لکھایا ہے، مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہین لکھا، بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے، اس لئے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی، قرآن پاک نے آپ کو بار بار اور برملا اُمی کہا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہیے؟ لیکن آپ اُمی ہو کر، اُمیون مین پل کر، کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے نا آشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے، اور یہ آپ کا معجزہ تھا، کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہو کہ

کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ ناآشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے جس کی علمائے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں،

إِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ،

(شعراء-۱۱)

یہ باتیں گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں، کیاان کافروں کے لیے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں)، بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں

ذاتِ نبویؐ کی حفاظت

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ

انبیاے کرامؑ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں، تو وہ دنیا کی جہالت و ظلمت، جور و ستم، گناہ و معصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان اُن کے دشمن بلکہ اُن کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں، اُس تنہائی و بیکسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغازِ دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے، صرف اسی قادر و توانا کا ہاتھ ہوتا ہے، جو اُنکی تسکین و نصرت کا سہارا ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰؑ فرعون کی بارگاہ میں حضرت عیسیٰؑ، رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقا و قیام کا جس کے لیے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے، خود ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے اس بیکسی و بیچارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف و خطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہی میں تسکین دیدی گئی تھی،

وَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا، (طور-۲)	اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کئے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہوگیا، آپ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے، آپکے خلاف سیکڑوں منصوبے باندھے گئے، آپکے قتل کی سازشیں ہوئیں، تلوارین زہر میں بجھا کر رکھی گئیں، سوتے میں آپکے قتل کا ارادہ کیا گیا، میدانِ جنگ میں آپ پر نرغہ کیا گیا، کمینگاہوں سے آپ پر حملے کئے گئے، غفلت میں آپکے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی، کھانے میں زہر دیا گیا، مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا، کہ ع

دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا،

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ — تیرے پروردگار نے لوگون کو گھیر رکھا ہو کہ تجھ پر دسترس پائیں، (اسرا ۶)

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہان، اقتدارِ حکومت یا نظامِ امن کا نام و نشان تک نہ تھا، کیونکر آپنے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا،

قریش کی مجلسیں اکثر خانۂ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں، اور اکثر وہیں اُن کی نشست و برخاست رہا کرتی تھی تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور طواف کے لیے بے خوف و خطر وہیں تشریف لیجایا کرتے، اور برملا اُن کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیان بیان کیا کرتے تھے، آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ کا خاتمہ کردین، یہ خبر آپ تک پہنچتی ہی، مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا، ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمدؐ

کی بوٹی بوٹی اڑا دی جائے، اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہؓ سن لیتی ہیں، وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، آپ تسلی دیتے ہیں، اور وضو کرکے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں، دشمنوں کی نگاہیں آپ پر پڑتی ہیں تو وہی نگاہیں جو ابتک خون آشامی کے لئے تیار تھیں دفعۃً سرنگون ہو جاتی ہیں [1] حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں جن جن کو یہ کنکریاں جا کر لگیں، وہ بدر میں مارے گئے،

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ کو سجدہ میں دیکھے گا، تو آپ کی پیشانی کو رگڑ دے گا، جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھک کر پیچھے لوٹ گیا، لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمد کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے، اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں، آپ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے اڑا دیتے" [2] معلوم ہے کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے، قریش کے تمام خاندانوں نے مل کر آپکے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا، قریش کے بہادر رات بھر خانۂ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے تاہم آپ اُن کے سامنے سے نکلے، زبانِ مبارک پر یہ آیتِ پاک تھی،

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا	اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں
وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ	کھڑی کر دیں اُنکی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا
فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (يٰس ۱)	کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں،

[1] مستدرک حاکم جلد اول ص ۱۶۳ حیدرآباد، مسند ابن حنبل جلد اول ص ۳۶۸،

[2] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ،

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے نکل کر چلے گئے، صبح ہوئی تو دشمن آپ کے تعاقب میں اس غار تک پہنچ گئے، جہاں آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ جا کر چھپے تھے، وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے، اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے، تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی، مگر خدا نے ان کی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا،

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کو گرفتار کر لائے گا، یا ان کا سر کاٹ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ رہوار پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں روانہ ہوا، اور دمبدم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا، حضرت ابوبکرؓ پر تبقاضائے بشری اضطراب طاری تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکینتِ خاطر میں کوئی فرق نہ آیا، آپنے دعا کی تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا، بالآخر اس کو یقین ہو گیا، کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے، اور ذاتِ محمدی ہماری گرفت سے باہر ہے، اس نے اپنے ارادہ فاسد سے توبہ کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خط امان لے کر واپس پھر گیا[۱]، اور بعد کو مسلمان ہو گیا،

شروع شروع میں جب آپ مدینہ تشریف لائے، تو صحابہ جاں نثاری کی بنا پر رات کو آپ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت نازل ہوئی

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور اللہ لوگوں سے تیری حفاظت کرے گا،

آپنے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو واپس جاؤ

---

[۱] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے[1] یہ وعدہ حفاظت ہزارہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا، غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چلے تھے، اور ذاتِ مبارک دشمنوں کے نرغہ میں تھی، آپ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی، لیکن دو سپید پوش فرشتے آپ کے پاس کھڑے ہوئے آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے،[2]

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے، اور عرض کی کہ یہ حضور کے قتل کی گھات میں تھا، فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا تھا اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا، تو آپ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا یہ گوشت نہ کھاؤ کیونکہ اُس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے، یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اُس نے اپنی نیتِ فاسد کا اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا،[3]

---

[1] جامع ترمذی تفسیر سورہ مائدہ [2] صحیح بخاری غزوہ احد و صحیح مسلم کتاب الفضائل [3] صحیح مسلم باب السم

لیلۃ الجن

جنوّں کی انقلابِ آسمانی کی تلاش اور اُن کا مشرف باسلام ہونا

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (سورۂ جن)

مخلوقاتِ الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے،

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (مدثر) اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اُس کے سوا کسی کو نہیں،

مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے، اہل لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جنٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی "چھپنے" اور "چھپانے" کے ہیں، چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے اس لئے اس کو جن کہتے ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے، فرنچ میں جنی (Genee) اور انگریزی میں (Genee) اسی مفہوم میں ہے، جیسے عربی میں جنی (دیو، بھوت، پلیت) ہے لاطینی میں جینوس (GENIUS) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے، جو ہماری ہاں ہمزاد کا ہے اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے، فارسی میں "جان" کے معنی مطلق "روح" کے ہیں، بہرحال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطحِ ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے، یورپ کے موجودہ کفر والحاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادیین

کو آئینہ حیرت بنائے ہوئے ہیں، اور روز بروز اُن کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے، اسلام کے علاوہ دوسری مسلّم مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں، اُن کی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو اُن کے پنجۂ ظلم سے رہائی ہے،

قرآن نے بتایا ہے کہ اُن کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے اور آگ سے بنائے گئے ہیں؛

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے
مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ہ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰہُ	سے پیدا کیا، اور جنوں کو اُس سے پہلے لُو کی
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر ۳)	آگ سے پیدا کیا،
وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمٰن)	اور اُس نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا ہے؛

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا تسلط تھا، اُن کی پوجا کی جاتی تھی،[1] اُن کی دہائی مانگی جاتی تھی، تنجانوں میں جو عامل اور کاہن ہوتے تھے، اُن سے اُن کی دوستی ہوتی تھی، اور وہ اُن کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے، بچوں کے سرہانے اُسترے رکھے جاتے تھے کہ اُن سے جنات بھاگ جاتے ہیں، یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے، یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں، اور اُن کو ستاتے ہیں، خدا کے کارخانۂ قدرت میں بھی اُن کے استیلاء اور تصرف کو دخل تھا، وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے، راستوں سے اٹھا لیجاتے تھے، لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے، اُن کے ہوش و حواس کے

---

[1] صحیح مسلم، باب التفسیر،

خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے، غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیویاں شریک تھیں، اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے،

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ (انعام ۱۲) — اور ان مشرکوں نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے

وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صافات ۵) — اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں،

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ، (سبا ۵) — (خدا قیامت میں اُن سے کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے، اور ان میں اکثر لوگ انہی کے معتقد تھے،

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقاداتِ باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اُس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی، اور وہ خدا کی تھی، اُس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں، جیسے انسان، وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات، ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور بُرے، کافر اور مومن، سعید اور شقی ہوتے ہیں جس طرح انسانوں میں، وہ بھی توحید و رسالت اور احکامِ الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلف ہیں، جیسے عام انسان،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ، (ذاریات ۳) — میں نے جن اور انس کو اسی لیے پیدا کیا ہو کہ وہ میری بندگی کریں،

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا،

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ — اے جن اور انس کی جماعت! کیا تمھارے پاس

رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا (الانعام-۱۶)

تم ہی مین سے پیغمبر تمھارے پاس نہین آئے، اور وہ تم کو ہماری آیتین پڑھکر نہین سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہین ڈراتے تھے،

قرآن کے تحدی کے جواب سے دونون عاجز ہین،

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (اسرائیل-۱۰)

کہدو کہ اگر انس وجن دونون مل کر چاہین، کہ ایسا قرآن بنالائین تو ان کے لئے یہ ناممکن ہے،

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونون لاچار اور درماندہ ہین،

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ، (رحمان-۲)

اے جن وانس، اگر آسمان وزمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے،

کاہنون اور عاملون کو جو غیب کی بعض بعض باتین معلوم ہو جاتی ہین، تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملار اعلیٰ مین اس کا ذکر کرتا ہے، ملار اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتون سے اس کا تذکرہ کرتے ہین، اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتون کو علم ہوتا جاتا ہے، یہان تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے، جہان سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ جنات وشیاطین سن گن لینے کے لئے اِدھر اُدھر

چھپے رہتے ہین، ایک دو لفظ انھون نے سن لیے، اور ان میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنون اور عاملون سے کہدیتے ہیں، وہ اس کو افسانون مین مشتہر کرتے ہین[1]، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان مین بیشمار ستارون کے شعلے بھڑکا رکھے ہین، کہ ایک تو اُن سے آسمان کی زیبایش و آرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتون کی باتین سننا چاہتے ہین تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہابِ ثاقب) ٹوٹ کر اُن پر گرتا ہے، مختلف سورتون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا	اور ہم نے اس کو آسمان مین برج بنایا ہے اور
وَّزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ	ان ستارون کو دیکھنے والون کے لیے زینت و
كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ	آرایش بنایا ہے اور ہر راندہ درگاہ شیطان سے
السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ٥	اس کو محفوظ رکھا ہے لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری
(حجر - ۲)	چھپے کچھ سُن لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا پیچھا کرتا ہے
إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ	ہم نے آسمانِ زیرین کو ستارون کی آرایش
الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ	سے مزین کیا ہے، اور اُن کو ہر سرکش شیطان
شَيْطَانٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى	کا نگہبان بنایا ہے، وہ ملاء اعلیٰ کی باتین نہین
الْمَلَإِ الْأَعْلَى وَيُقْذَفُونَ مِنْ	سُن سکتے، وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے
كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ	جاتے ہیں، اور یہ اُن کے لیے لازمی سزا ہے

[1] صحیح بخاری تفسیر سورہ حجر، و تفسیر سورۂ نسا و بدء الخلق وغیرہ،

وَاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ — اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سکتے)

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ — لیکن یہ کہ کوئی اچک کر سن لے تو ایک دہکتا

(صافات ۱) — ہوا ستارا اس کے پیچھے لگا رہتا ہے،

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ — ہم نے آسمان زیرین کو ستاروں کے چراغوں سے

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۝ — مزین کیا ہے اور ان کو شیطانوں کیلئے پھینک کر

(ملک ۱) — مارنے کی ایک چیز بنایا ہے،

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ — اور ہم نے آسمان زیرین کو ستاروں کے چراغون

وَحِفْظًا ۝ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ — سے مزین کیا ہے، اور ان کو نگہبان بنایا ہے

الْعَلِيْمِ، (فصلت ۲) — یہ غالب و دانا خدا کی تقدیر ہے،

دنیا میں اُس سلسلۂ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا، اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا، اور نوعِ انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہونا جس کے بعد خاکدانِ عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی، ایک ایسا واقعہ تھا جس نے آب و خاک کے عالم میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اُس نے سطحِ زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین و ملت کو منسوخ کر دیا، اُن کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا، ملکوں کی شہنشاہیاں ہل گئیں، قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے، صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے، اسی طرح مملکتِ فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضرور تھا، آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا، مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے

انجیل مین حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے، جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش مین بیت لحم پہونچے، اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے، مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی،

صحیحین مین ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے، تو ستارون کی دنیا مین ایک انقلاب پیدا ہوا جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے، ٹوٹنے والے ستارون کی بھرمار ہوگئی، کاہنون اور عاملون کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہوگئے اور ان باطل پرستیون کا دروازہ ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا، اس آسمانی انقلاب نے جنون اور شیطانون کی محفلون مین حیرت پیدا کر دی، سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے، دنیا کی ہر سمت کو انھون نے چھان ڈالا، اس پر چند سال گذر گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تبلیغ کیلئے قبائل مین دورے کر رہے تھے، اور اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ مین تشریف لئے جا رہے تھے، راستہ مین رات کے وقت مقام نخلہ مین قیام ہوا، صبح کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ نماز مین مصروف تھے، اور قرآن مجید کی آیتین جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے کہ اتفاق سے جنون کی ایک جماعت کا جو تفتیشِ حال کیلئے تہامہ کی طرف آئی تھی، اس مقام پر گذر ہوا، انہون نے جب قرآن مجید کی آیتین سنین، تو یکبار پکار اٹھی کہ یہی وہ نورِ حق ہے جو درخشان ستارون مین ہمین نظر آتا ہے، وہ لوٹ کر اپنی قوم مین گئی، اور ان کو جا کر خاتمِ نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی[1]،

---

[1] یہ پوری تفصیل صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر فی الصبح مین ہے اور امام بخاری نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے، مثلاً تفسیر سورہ جن و باب الجہر بالقراۃ صلوٰۃ الفجر و مسند ابن حنبل روایت ابن عباسؓ ج ۱ ص ۲۵۲ و صحیح ترمذی تفسیر سورۂ جن،

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ
الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا
يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَ
لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَّ اَنَّهُ
تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً
وَّلَا وَلَدًا وَّ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ
سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا وَّ اَنَّا
ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ
الْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ اَنَّهُ كَانَ
رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ
اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا وَّ
اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا
مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًا
وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ
فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا

اے پیغمبر لوگون سے کہدے کہ مجھکو بذریعۂ وحی
خبر دی گئی ہے، کہ جنون کی ایک جماعت نے
قرآن کو سُنا تو انھون نے کہا کہ ہم نے عجیب
غریب کتابِ الٰہی سُنی جو ہدایت کی طرف
رہنمائی کرتی ہے، تو ہم اس پر ایمان لائے اور
اب ہم ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائین گے
خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے، اور نہ کوئی
لڑکا ہے، ہم مین سے کچھ بیوقوف خدا پر بہت دور
از عقل الزام قائم کرتے تھے، ہم سمجھتے تھے کہ
کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹ الزام نہیں قائم
کرسکتا، انسانون مین کچھ ایسے لوگ تھے جو
بعض جنون کی پناہ مانگا کرتے تھے تو انھی نے
اُن کو اور زیادہ گمراہ کردیا، انسان بھی ہماری
ہی طرح یہ سمجھتے تھے، کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہ
بھیجے گا، ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا، تو ہم نے
پایا کہ وہ نگہبانون سے اور ٹوٹنے والون تارون
سے بھرا ہوا ہے، ہم پہلے اُس آسمان کی بعض نشستگاہون

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ	میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے، اب جو کوئی سننے جاتا ہے
بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ	تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے، اور
رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ	ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے
وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ	ساتھ کسی بُرائی کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا ان کا پروردگار
قِدَدًا ۙ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ	اُن کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، ہم میں اچھے بھی
فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ وَّ	ہیں اور اُن کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں، ہم جدا
اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ۭ	جدا راستوں پر تھے، اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو
فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا	اس زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور بھاگ کر
وَّلَا رَهَقًا ۙ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ	اُس کے قبضہ سے نکل سکتے، اور اب جب ہم نے
وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ	ہدایت کی بات کو سُن لیا، تو اب ہم اس پر ایمان
فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۙ وَاَمَّا	لاتے ہیں، تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے
الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ	تو پھر گھاٹے ٹوٹے کا اس کو ڈر نہیں رہتا، ہم میں کچھ
حَطَبًا ۙ (جن ۱)	اطاعت گذار ہیں کچھ گنہگار ہیں تو جو اطاعت گذار

م ہیں، انہی نے حقیقت میں ہدایت کا راستہ ڈھونڈ نکالا ہے اور جو گنہگار ہیں، وہ جہنم کے ایندھن ہیں،

پھر سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے،

وَاِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ	ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رُخ کو
الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا	اپنے پیغمبر تیری طرف پھیر دیا، کہ وہ قرآن کو سنیں
حَضَرُوْهُ قَالُوْۤا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا	تو جب وہ آئے تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا

قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

(احقاف - ۴)

چپ رہو جب قرآن ختم ہو گیا، تو وہ اپنی قوم کے پاس گئے کہ انھیں خبردار کریں، انھوں نے جا کر کہا، بھائیو ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے، اور اس سے پہلے جو کتاب اتری ہے، اس کی تصدیق کرتی ہے، اور سچائی اور سیدھی راہ دکھاتی ہے، اے بھائیو خدا کے پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمھارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک عذاب سے تم کو پناہ دے،

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام مجید پڑھتے سنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں، پہلے واقعہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ شریک نہ تھے،[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،[2] بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ایک درخت نے دی،[3] اور تفصیلی کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی، اسی واقعہ کو لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گذرے ہیں، صحیح مسلم[4]

---

۱ صحیح مسلم باب الجہر بالقراءۃ الصبح ۲ صحیح بخاری و مسلم باب مذکور و مسند احمد جلد اول ص ۴۵۲ ۳ صحیح مسلم باب مذکور ۴ صحیح مسلم باب مذکور،

ترمذیؔ، اور مسند طیالسی مین ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اُن کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبون مین سے کوئی لیلۃ الجن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، انھون نے کہا نہیں، لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہین پایا، میدانون اور گھاٹیون مین ہر جگہ ڈھونڈا، مگر آپ نہین ملے، ہم لوگون کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھالے گیا، یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا، سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی، صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غارِ حرا کی طرف سے چلے آرہے ہیں، ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا مگر آپ کہین نہیں ملے، ہم نے سخت اضطراب اور قلق مین رات بسر کی، فرمایا کہ "رات کو جنون کا قاصد آیا تھا، مین اُس کے ساتھ گیا تھا، میں نے اُن کو قرآن پڑھکر سنایا"، اُس کے بعد آپ ہم سب کو لیکر اُس مقام پر تشریف لے گئے، اور وہان اُن کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے، اور فرمایا کہ انھون نے مجھ سے زاد راہ کی خواہش کی، مین نے اُن کے لئے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گذرین اُن کے لیے وہ کھانا ہو جائے[2]،

مسند ابن حنبل کے زیادات مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنون کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رات کے وقت ہم لوگون کے ساتھ بیٹھے تھے کہ یکایک آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے لیکن وہ چلے جسکے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو، ابن مسعودؓ کہتے ہین کہ مین پانی کا لوٹا لیکر آپ کے ساتھ ہو لیا، آپ

[1] ترمذی سورۂ احقاف [2] صحیح مسلم باب الجہر بالقراۃ الصبح و صحیح بخاری باب ذکر الجن فی المبعث صحیح بخاری و مسلم و ترمذی باب الاستنجاء

مجھے ساتھ لیے ہوئے مکہ کے آگے پہونچے، وہان مجھ کو کچھ پرچھائیان ایک جگہ اکٹھی نظر آئین، آپنے ایک خط کھینچ دیا، اور فرمایا کہ جب تک مین واپس نہ آؤن تم یہین کھڑے رہو، یہ کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے، مین نے دیکھا کہ وہ پرچھائیان آپ کی طرف چلین، آپ انکے ساتھ دیر تک بیٹھے باتین کرتے رہے، جب فجر کا اجالا ہوا، تو آپ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا، مین نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا، آپنے فرمایا اس مین کیا ہرج ہے، کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے، یہ کہکر آپنے اسی سے وضو کیا، اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے تو ان مین سے دو آدمی پاس آکر کہنے لگے، کہ یا رسول اللہ ہم بھی آپکے پیچھے نماز پڑھین گے، چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپکے پیچھے کھڑے ہوئے، نماز سے فارغ ہوکر مین نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ تھے، فرمایا، یہ نصیبین کے جن تھے، اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لیے لائے تھے، انھون نے مجھ سے توشہ مانگا، تو مین نے دیا، عرض کی، یا رسول اللہ کیا آپکے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا، فرمایا مین نے انھین گوبر اور ہڈی کا توشہ دیدیا ہے، گوبر ان کے لیے جو اور ہڈی گوشت ہو جائیگی، اسی موقع پر آپنے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا[1]۔

زیادات مسند اور صحیح مسلم کی یہ دونون روایتین کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلین ہین؟ مگر ان دونون روایتون کے جزئیات مین اسی قدر فرق ہے، کہ وہ یقیناً ایک نہین ہوسکتین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مسند کی روایت بالکل لغو اور بےسروپا ہے، اس روایت کا سلسلۂ سند یہ ہے، عن ابی فزارۃ عن ابی زید مولی عمرو بن الحریث المخزومی عن عبد اللہ بن مسعود

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۴۵۸،

اس میں ابوزید مولیٰ عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے، جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں، حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

ابوزيد مولى عمرو بن حريث	ابوزید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا
لا يعرف عن ابن مسعود وعنه	نہیں، اس نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے، اور
ابو فزارة لا يصح حديثه ذكره	اس سے ابو فزارہ نے اس کی حدیث صحیح نہیں،
البخاري في الضعفاء ومتن حديثه	بخاری نے ضعفا میں اس کو درج کیا ہے، اس کی حدیث
ان نبي الله توضأ بالنبيذ وقال	کا متن یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے وضو
ابو احمد الحاكم رجل مجهول قلت	کیا، ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال آدمی
ماله سوى حديث واحد،	ہے میں کہتا ہوں کہ اس کی یہی ایک حدیث ہے،

البتہ جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ سے فرشتوں کی آمد و دیدار کے متعلق بروایت صحیح مروی ہے،

شقِّ قمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ (قمر ۱)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اُس کی صداقت کا ثبوت بن جاتی ہے، انجیل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا، اور جب انھوں نے وفات پائی تو تین گھنٹے کے لئے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا، (متی ۲۷-۴۵) قربِ قیامت کی ایک نشانی یہی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، یہ نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر پوری اتری اور قرآن نے کہا،

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ، (قمر ۱)

قیامت نزدیک آگئی، اور چاند شق ہو گیا، اگر کافر کوئی ساتھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں، اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے،

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے

واقعہ کا ذکر ہے لیکن اس حالت میں اوّل تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائیگا) کے معنی میں لینا پڑے گا، دوسرے یہ کہ اگر یہ قیامت کا واقعہ ہوتا، تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ کافر اگر کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیرلیں، اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے، جو ہوتا آیا ہے" قیامت سامنے آجانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کی جاسکتی ہے،

اس شق قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی و دلائل ابونعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے، صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، انس بن مالکؓ، جبیر بن مطعمؓ، علی بن ابی طالبؓ، اور حذیفہ بن یمانؓ وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے، ان میں سب سے صحیح، اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے، جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے، اور اس معجزے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں،

> انشق القمر و نحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنی فقال اشھدوا وذھبت فرقۃ نحو الجبل (بخاری، ترمذی تفسیر سورۂ قمر)

ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں تھے، کہ چاند پھٹ گیا، اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا، آپ نے فرمایا گواہ رہو،

صحیحین میں اُن کی دوسری روایت یہ ہے،

> انشق القمر علی عھد رسول اللہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے

صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فرقۃ فوق الجبل | ہو گئے اور ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر رہا، اور دوسرا
وفرقۃ دونہ فقال رسول اللہ صلعم اشھدوا | اس کے نیچے، آپ نے فرمایا گواہ رہو،

حضرت انس بن مالک رضؓ کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے،

ان اھل مکۃ سألوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم آیۃ فاراھم القمر شقتین حتی راؤا حراء بینھما،

اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، آپ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا، دوسرا اس طرف،

صحیح مسلم میں ہے،

ان اھل مکۃ سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر فرقتین،

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا،

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔

سأل اھل مکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم آیۃ فانشق القمر بمکۃ فرقتین فنزلت،

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی، تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہوگیا اس پر یہ آیت اتری،

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ | قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا،

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم کی جو روایت ہے، اس میں ہے کہ اس معجزہ

تفسیر سورۂ قمر

کو دیکھکر کفار نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے، دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہو تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے، مسند ابوداؤد طیالسی[1] اور بیہقی میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ محمدؐ تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے، مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو، دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ جب ادھر اودھر سے مسافر آئے اور ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا،

بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا،

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانۂ قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے، علمائے متکلمین نے فلسفۂ قدیم کے اصول پر اس میں خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفۂ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت محال ہے، اس لئے شق قمر بھی ناممکن ہے، متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق والتیام اور شکست و ریخت ممکن ہے، مگر اب کہ جدید طبعیات وہیئت نے ہمارے معلومات کے آسمان وزمین کو بدل دیا ہے، یہ مباحث بیسود اور بیکار ہیں، آج تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سنے جاتے ہیں اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین سورج، اور ستاروں کے آغاز آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے،

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض وجواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے اور آج ہمارے مسیحی مناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا، تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا، بلکہ اس کو تمام دنیا دیکھتی اور اس کی روایتیں مشرق سے لیکر مغرب تک پھیل جاتیں، لیکن بجز مکہ کے دنیا کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا

۱؎ مسند عبد اللہ بن مسعودؓ صفحہ ۳۸، حیدر آباد دکن،

نہیں ہوا، اور تمام قدیم اہلِ نجوم وہیئت وتاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں،

لوگوں نے اس شبہہ کے یہ جوابات دیئے ہیں، کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا، تم اس کے ثبوت میں کہو گے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہلِ تاریخ اس کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو، صرف اس کا یہ عدمِ ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے،؟ اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو، حضرت مسیحؑ کے تمام معجزات بلکہ واقعاتِ زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو، کہ شام ومصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا، اسکے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جاچکا ہے کہ عرب وشام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انھوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا،

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہلِ ہیئت اجرامِ فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلمبند کرتے آئے ہیں، انھوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزہ رات کے وقت ظاہر ہوا تھا، اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خوابِ راحت میں مصروف تھا، جو لوگ بیدار بھی ہوں گے، وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہونگے، اور جنھوں نے دیکھا بھی ہوگا، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صورت میں لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے؛ اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے، تو ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو، یا تذکرہ کیا ہو تو انکی

یادداشت مثل دوسری سیکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو، آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراق ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا اُن کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادثات فلکی کا ذکر ہے لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمہاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا، جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی، تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہوگئی لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلابات سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے، اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں، بلکہ بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے، اور ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے دوسری جگہ نکلتا ہے، ایک جگہ چاندنی ہے، دوسری جگہ اندھیری ہوتی ہے، ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا، اسلئے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شق قمر کی نفی کی دلیل نہیں، چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں میں مختلف حوادث فلکی کا ذکر کیا ہے لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے، اُس کی معاصر قوموں کی کتابیں اس کی شہادت سے قطعاً خالی ہیں لیکن کیا یہ خاموشی اُس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی

ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے، اس لئے ایک چیز ایک جگہ نظر آتی ہے، دوسری جگہ نہیں آتی،

بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحب بھی ہیں، لکھا ہے، اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے، کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا، بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا، چنانچہ حضرت انس رضؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:۔

ان اھل مکۃ سألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپنے
ان یریھم آیۃ فاراھم انشقاق القمر فرقتین	چاند دو ٹکڑے دکھایا،

ہم ان تمام پرپیچ راستوں سے گذر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہدینا چاہتے ہیں، شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیتِ الٰہی تھی یعنی اُن منکروں کو ان کی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی، احادیث میں یہ ہے کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ در اصل چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں، یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلافِ عادت تصرف کر سکتا ہے، وہ خود چاند میں بھی خلافِ عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چونکہ اللہ نے یہ نشانی اہل مکہ کیلئے ظاہر کی تھی، اور انہی کے لئے یہ آیۂ ثبوت تھی، اس لئے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور رویت کی حاجت نہ تھی، اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شقِ قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحتِ الٰہی تھی، کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاعِ عالم کے

لوگوں کو بھی نظر آتا، تو یہ سمجھا جا سکتا کہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا جیسا کہ
اور سیکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں، جیسا کہ فلکیات اور علم بدرِ خلق دکسموگریفی
اور نیچرل ہسٹری) میں مذکور ہیں لیکن جب اہلِ مکہ کے علاوہ جو شہر میں تھے، یا باہر قافلہ میں
تھے، صرف انہی کو نظر آیا، تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا، وَ لِلّٰہِ الحَمد،

غلبۂ روم کی پیشین گوئی

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ (روم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف و صریح، سب سے زیادہ معرکۃ الآرا غلبۂ روم کی پیشینگوئی ہے،

عرب کے چپ و راست دونوں پہلوؤں میں روم و فارس کی پُر زور حکومتیں قائم تھیں اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرماں روا ہرقل تھا، ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۳ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی، اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا تاہم رومی حضرت عیسیٰؑ کے پیرو اور اہلِ کتاب تھے، اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے اسلئے لازمی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی، اسلئے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا،

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ وفرات کے کناروں پر آکر ملتے تھے، رومی
سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک، حدودِ عراق، شام، فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی،
ایرانیوں نے دو طرفہ حملہ کیا، ایک طرف تو وہ دجلہ وفرات کے کناروں سے شام کی طرف بڑھے
اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کی جانب آذربائجان سے آرمینیا ہو کر موجودہ اناطولیہ
میں داخل ہو گئے، اور دونوں طرف سے رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں انکو دھکیل
دیا، شام کی سمت میں انھوں نے یکے بعد دیگرے اس ارضِ مقدس کا ایک ایک شہر رومیوں سے
چھین لیا ۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفشِ کاویانی
کے زیر سایہ آگیا، کنیسے مسمار کئے گئے، مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، ۲۶ ہزار یہودیوں نے
ایرانی فوج میں شامل ہو کر ۹۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا، شہنشاہ ایران کے
قصر اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرائش کی گئی، ایرانی فتوحات کا سیلاب اس
سے آگے بڑھ کر ۶۱۶ء میں پورے وادی نیل یعنی مملکت مصر پر محیط ہو گیا اور بآخر اسکندریہ
کے ساحل پر جا کر تھا اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر وزبر کرتا ہوا باسفورس کے
ساحل پر جا کر رکا، اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا ٹکرایا، شہنشاہِ روم کے دار السلطنت کے
سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جا کر اپنے خیمے کھڑے کر دیئے، اور اب رومیوں کے بجائے
عراق وشام وفلسطین ومصر وایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم
ہو گئی، ہر جگہ آتشکدے تعمیر ہوئے، اور مسیحؑ کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رواج
دیا گیا، رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھ کر رومی شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں

کھڑی ہوگئیں، افریقہ میں بھی شورش ہوئی، خود قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل و غارت گری میں مصروف ہوگئیں غرض اسوقت سلطنت رومہ کے پرزے پرزے اڑ گئے تھے، جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلافِ امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی، اور انھوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا، کہ "جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے، اس وقت رومیوں کی جو افسوناک حالت تھی وہ آپ سن چکے، کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے، خزانہ خالی تھا فوج منتشر تھی، ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں، شہنشاہ روم ہرقل ہمہ تن عیاش، بے پروا، پست اور مبتلائے اوہام تھا، ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچکر رومیوں کے سامنے حسبِ ذیل شرائط پیش کرتا ہے، رومی باج ادا کریں، ایک ہزار ٹالنٹ سونا، ایک ہزار ٹالنٹ چاندی، ایک ہزار حریر کے تھان، ایک ہزار گھوڑے، اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں، رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں، اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لیکر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے "مجھکو یہ نہیں، بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا، میرے تخت کے نیچے چاہئے، اور اس وقت تک صلح نہیں کرونگا جب تک شہنشاہِ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑ کر سورج دیوتا کے سامنے سر نہ جھکا دے گا"

کارزارِ عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکہ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادۂ امن نمودار ہوا، اور واقعاتِ عالم کے بالکل خلاف سروشِ غیب کے نغمۂ قدس میں گویا ہوا

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ
وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ
وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ
بِنَصْرِ اللّٰهِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ
الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ
اللّٰهُ وَعْدَهٗ ، (روم-۱)

رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے لیکن
وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر غالب
ہونگے، خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور پیچھے سب اختیار
ہے، اور اس دن مسلمان خدا کی مدد سے خوش ہونگے،
وہ جس کی چاہے مدد کرے، وہ غالب رحم والا ہے
خدا کا وعدہ ہے، خدا اپنے وعدہ کے خلاف
نہیں کرتا،

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابل یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی، اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا، آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلافِ امید پلٹا کھایا، مورخ گبن کے الفاظ میں "شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور اوہام کا غلام، اور رعایا کے مصائب کا نام دتماشائی تھا، جس طرح صبح و شام کا کہر آفتاب نصف النہار کی روشنی میں پھٹ جاتا ہے، دفعۃً ۶۲۱ء میں محلوں کا ارکاڈیوس میدانِ جنگ کا سیزر بن گیا، اور روم و ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بحال کی گئی[۱]" جسوقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لیکر قسطنطنیہ سے چلا ہے لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ روما العظمیٰ کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے[۲] لیکن عرب کے نبی اُمیؐ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور عین اُسوقت جب

۱ تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ ص ۴۳۰ مطبوعہ ۱۸۹۰ء، ۲ ایضاً،

مسلمانوں نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی، رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا، مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا، اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے سواحل کی طرف ڈھکیل دیا،

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا، قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے[1]، واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرتناک پیشین گوئی کی سچائی سے متحیر ہو کر کہتا ہے:۔

"مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈانڈے پر بیٹھکر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور مطالعہ کر رہا تھا اور عین اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں، اُس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی، کہ چند سال میں فتح و ظفر، رومی علم پر سایہ افگن ہوگی" جس وقت یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کوئی پیشینگوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائیگا"[2]

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرتناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں، لیکن انھیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبرانہ ہاتھ رومیوں کی مدد کے لئے دراز تھا

[1] ترمذی تفسیر سورۂ روم۔ [2] تاریخ زوال روم جلد ۳ ص ۳۰۲ و ۳۰۳ طبع مذکور،

اور وہی اس انقلاب و تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا،

مستدرکؓ (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی[2] میں ہے کہ "روم و فارس کی جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین، ایرانیوں کے طرفدار تھے، کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کہ وہ اہل کتاب تھے، اس وقت ایرانی روم کو دباتے جارہے تھے" اس پر سورۂ روم کی پیشینگوئی نازل ہوئی، حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشینگوئی سنائی، مشرکین نے کہا کہ اس پیشین گوئی کے لئے کوئی سال مقرر کرو، حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے اس لئے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہئے تھی، چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی اور رومی غالب آئے"

غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں برس پیش آیا، اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہوگا، اس بنا پر پیشینگوئی کا زمانہ ۵ھ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ یا ۱۵ بعثت یا ۱ھ یا ۲ھ ہے، بعض لوگوں نے اس پیشینگوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ھ بیان کیا ہے، یہ صحیح نہیں، شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی جب اسلام کا دعوت نامہ لیکر قیصر کے پاس گیا، تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کیلئے شام آیا ہوا تھا، اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے، اس لئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے، مگر یہ مغالطہ

---

[1] جلد ۲ تفسیر سورہ روم، [2] تفسیر سورۂ روم،

بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح مکہ کی تاریخ نہیں، بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے، رومی تاریخ کی مطابقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۶۰۹ء میں آپ کی بعثت ہوئی، ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، ۶۱۳ء میں اعلانِ جنگ ہوا، ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا، ۶۱۶ء میں رومی شکست تکمیل کو پہنچ گئی، ۶۲۲ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا، ۶۲۳ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا، اور ۶۲۵ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی، اس ترتیب سے دیکھیے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ اگر آغازِ شکست سے آغازِ فتح تک جوڑیے تو بھی ۹ برس ہوتے ہیں، اور اگر انجامِ شکست سے اختتامِ فتح تک جوڑیے تو بھی وہی نو برس ہونگے،

اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی سُست و عیار قیصر بن گیا، جو پہلے تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دستِ قدرت نے صرف پیشین گوئی کے پورا کرنے کے لئے چند سال کے واسطے اُس کے دل و دماغ کو بیدار، اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا، پیشین گوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا،

دیگر آیات و دلائلِ نبوی

قرآن مجید میں

طیراً ابابیل کی نشانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی جس میں ابرہتہ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا، لیکن فضائے آسمانی کے ایک نہایت حقیر پرندہ نے کنکریوں کے ذریعہ سے ان کو ہلاک کر دیا، یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے، کہ مشرکینِ عرب کی تائید کے لئے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ابرہتہ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہرحال مشرکین سے بہتر تھا، بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا، جن کی ذاتِ پاک حقیقی طور پر خانہ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ کی طرف روئے خطاب کیا ہے،

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے
الْفِیْلِ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ	ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، ان کی چھپی
تَضْلِیْلٍ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا	گھاتوں کو بے راہ نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے

اَبَابِیْلَ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ	جھنڈ پرندے بھیجے جو اُن کو پتھریلی کنکریوں سے
فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ۃ	مارتے تھے، تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی بھس
(فیل)	کے مانند کر دیا،

یہ سورہ واقعہ کے تقریباً ۴۵ برس بعد اتری تھی، اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہونگے، اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنھوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بلاواسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا، کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے درپے رہتے تھے، اگر اس صورت واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا تو وہ اس کی علانیہ تردید کرتے، مگر ایسا نہیں ہوا، اس لئے اس کی سچائی میں کوئی شک وشبہہ نہیں کیا جاسکتا،

شہب ثاقب کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا، جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جاسکتے تھے، انکی آمد ورفت مسدود کر دی گئی، اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی، چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے،

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا	ہم نے آسمان کو ٹٹولا، تو پایا کہ وہ سخت پہرہ
مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُھُبًا	داروں اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھر دیا
وَّاَنَّا کُنَّا نَقْعُدُ مِنْھَا مَقَاعِدَ	گیا ہے، اور ہم پہلے سننے کو وہاں ٹھکانوں
لِلسَّمْعِ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ	پر بیٹھتے تھے، لیکن اب جو کوئی سنے،

لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن-۱) تو تارے کو اپنی تاک میں پاوے،

شرح صدر | شرح صدر یعنی سینہ کا کھول دینا، یا اس غرض سے چاک کرنا کہ وہ نورِ الٰہی سے معمور کیا جائے، ایک دولتِ ربانی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ، اے محمدؐ کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا

(شرح) دیا چاک نہیں کر دیا)

احادیث میں گو اس شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے، مگر بہرحال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نور و معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو، ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی،

ایک شب میں سفر، بیت المقدس تک | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پُر اسرار سفر کیا، قرآن نے ان الفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے،

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانۂ کعبہ سے

لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ بیت المقدس تک رات کے وقت ایک

الْاَقْصَا، (اسراء) شب میں لے گیا،

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اُس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا،

قریش پر قحط سالی کا عذاب | حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ کی مخالفت کی تو آپ نے اُن کو بد دعا کی کہ خدا ان کو سات

سال تک قحط میں مبتلا رکھ، جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک مستقل قحط کو قائم رکھا تھا، چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے مردار اور چمڑے کھائے، یہانتک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے، تو وہ ان کو دھوئیں کی طرح نظر آتا تھا، یہ حالت دیکھ کر ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ "اے محمدؐ! تم خدا کی اطاعت اور صلۂ رحم کا حکم دیتے ہو، حالانکہ خود تمھاری قوم تباہ ہو رہی ہے، اس کے لئے خدا سے دعا کرو" آپ نے دعا فرمائی، اور بارش ہوئی، جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا، اس کے بعد پھر قریش نے حسب دستور آپ کی مخالفت شروع کی، تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ کی زبان سے یہ پیشین گوئی قریش کو سنائی کہ آیندہ اس کا انتقام ایک اور سخت گرفت سے لیا جائے گا، وہ گرفت بدر کی لڑائی تھی، چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے[۱]،

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ	اُس دن کا انتظار کرو، جب آسمان دھواں
مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ	نمایاں کریگا، جو لوگوں پر چھا جائیگا، یہ نہایت
أَلِيمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا	تکلیف دہ عذاب ہے، خداوندا یہ عذاب
مُؤْمِنُونَ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَ	ہمارے اوپر سے ہٹالے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں
قَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ثُمَّ	ان کے لئے نصیحت پکڑنا، حالانکہ ان کے پاس
تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ	ایک رسول کھلم کھلا آیا، پھر ان لوگوں نے اس سے
إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ	اعراض کیا، اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے، ہم

---

[۱] صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان،

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ، (دخان - ۱)

تھوڑی دیر کے لئے اس عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں تم لوگ اسی قدیم حالت کی طرف عود کر جاؤ گے ہم اس دن انتقام لیں گے جو سب بڑی پکڑ کا دن ہوگا،

موقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں کفار نے دار الندوہ میں چھپ کر آپؐ کے قتل وغیرہ کے مشورے کیے، کوئی مسلمان نہ اُن میں شریک تھا، اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کی خبر اللہ نے دیدی، دن، تاریخ، وقت، سب سے آگاہی ہوگئی، اور پھر یہ کہ جس شب کو آپنے ہجرت کی سب کو معلوم ہے، کہ اس رات کو آپؐ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرا تھا، تاہم آپؐ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر انہی کے درمیان سے گذر کر حضرت صدیقؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے، آپ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے، عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام و گذرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے، صبح کو وہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے، یہانتک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ان کے سامنے تھے حضرت ابوبکرؓ نے اقتضاے بشری سے گھبرا کر تھے، مگر آپنے تسلی دی، کہ خدا ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں، اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے، سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے، مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منھ پر جالے تن دیئے تھے، کفار نے کہا اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا، تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے، اور یہ کہہ کر وہ واپس چلے گئے، اس غار سے نکل کر

جب آپ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ کے تعاقب میں نظر آئے، چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا آپ کے قریب پہنچ گیا، دفعۃً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، تین بار یہی واقعہ پیش آیا، سراقہ اس اعجاز کو دیکھ کر مرعوب ہو گیا، اور خط امان لیکر واپس چلا گیا،

واقعۂ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائید کی شہادت ہے،

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ
وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ
خَيْرُ الْمَاكِرِينَ،
(انفال - ۴)

اور یاد کرو (اے پیغمبر) جب کفار تمھارے ساتھ
داؤ کر رہے تھے تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں
یا گھر سے نکال دیں، وہ بھی داؤ کر رہے تھے
اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا، اور خدا سب داؤ کرنے
والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے،

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ
إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ
اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ
لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا
فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَ
أَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ
كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ط

اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس
پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمھاری مدد سے بے نیاز ہے
کہ خدا نے اُس وقت اس کی مدد کی، جب اُس
کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا، دو میں
سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں
تھے، اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں،
خدا ہمارے ساتھ ہے، پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ	نازل کی اور ان فوجوں سے اسکی مدد کی جنکو تم نے
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ه	نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا، اور
(توبہ - ۲)	خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہی، اور خدا غالب حکمت والا ہے

خواب میں کفار کا کم دکھنا ہجرت کے بعد سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر پیش آیا، جس میں ایک طرف تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمان تھے، جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے، دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی، دنیا قیاس کر سکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لئے موت و حیات کی ساعت تھی، اس لئے کارساز قدرت نے اپنی عجیب عجیب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست دی، چنانچہ معلوم ہوتا ہی، کہ غزوۂ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا گیا تھا، اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی، جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا، مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو ان کی ہمت ہوئی، اگر عالم رویا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی، تو مسلمانوں کے حوصلے پست ہوجاتے، چنانچہ خود قرآن نے اسکی تصریح کر دی،

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا	خدا کے احسان کو یاد کر جب وہ تجھکو تیرے خواب
وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ	میں اُن کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا، اگر تمکو
فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ	زیادہ کرکے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور لڑائی کے
عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ه	بارہ میں آپس میں اختلاف رائے کرتے، لیکن خدا نے
(انفال - ۵)	بچا لیا، بیشک خدا سینوں کے راز جانتا ہی،

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کر کے دکھانا

اس معرکہ میں سن چکے ہو کافروں کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی، ایسی حالت میں مسلمانوں کا بددل ہونا لازمی تھا، خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ کا یہ تماشا دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کر دیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے، اُدھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے مقصود یہ تھا کہ روسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ لے جانے پائیں، اس کی یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی اصلی تعداد سے بھی ان کو کم نظر آنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصولِ نتیجہ کے لئے نہ تو سرفروشانہ کوشش کی، اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی، اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گئی،

وَاِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِالْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُکُمْ فِیْٓ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۃ	خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمنوں سے صف آرا ہوئے، تو وہ تمھاری نگاہوں میں انکو تھوڑا کر کے دکھاتا تھا، اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کر کے دکھا رہا تھا، تاکہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے طے کر دے
(انفال - ۵)	

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کو کم کر کے دکھایا تاکہ کفار بے پروا ہو کر لڑ پڑیں، پھر جب دونوں صفیں گتھ گئیں، تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں اُن کی اپنی تعداد سے بھی دونی نظر آنے لگی، اس کا یہ اثر ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی،

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ

(آل عمران - ۲)

اے یہودیو! تمہارے لئے ان دونوں فوجوں میں صف آرا ہوئیں، جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی، اور دوسری خدا کی منکر تھی، یقیناً ایک نشانی تھی، کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا، اور اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنی مدد سے تائید کرتا ہے، اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے جو چشم بینا رکھتے ہیں بڑی عبرت ہے،

فرشتوں کی آمد | یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اتر آئے؟ خدا فرماتا ہے،

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ط وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

(انفال - ۱)

یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری سن لی، کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا، اور خدا نے یہ نہیں کیا، لیکن خوش کرنے کیلئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں، ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، اللہ غالب حکمت والا ہے،

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ

یاد کر جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی

اَنِّی مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ آمَنُوْا	کر رہا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں
سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا	کے دل مضبوط کئے رہو، کافروں کے دلوں میں
الرُّعْبَ، (انفال-۲)	میں عنقریب رعب ڈال دونگا،

میدان جنگ میں پانی برسانا | بدر کے میدان جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں، وہ جگہ بلند تھی، اور جہاں سے قریش کی فوج لڑ رہی تھی، وہ جگہ نشیب میں تھی، اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سامان یہ پیدا کر دیا کہ عین اس وقت میدان جنگ میں موسلا دھار پانی برسایا جس نے ادھر تو مسلمانوں کی طرف گرد و غبار بٹھا کر ان کے پاؤں جمادئیے اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا، خدا خود فرماتا ہے،

وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً	اور خدا کو اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ
لِیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ	آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ تم کو اس
رِجْزَ الشَّیْطَانِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی	پانی سے پاک کر دے، اور ناپاکی تم سے دور
قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ،	کرے، اور تمھارے دلوں کو مضبوط کرے
(انفال-۲)	اور اس سے قدموں کو جما دے،

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا | معرکۂ جنگ وہ مقام ہے جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے، مگر مایۂ تسکین عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز یہ تھا کہ بدر و احد کے کارزاروں میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لئے ان کی آنکھوں پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا،

تاکہ کسی خوف وخطر کا خیال کئے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں، چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے،

وَاِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ (انفال-۲)	یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمہاری بے خوفی کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا،
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ (آلِ عمران-١٦)	پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لئے تم پر نیند اتاری، جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی اور دوسرا گروہ تھا جس کو اپنی جان کی فکر غم میں ڈالے تھی،

آپ کا کنکری پھینکنا یہ سب کچھ تھا لیکن عین اس دار وگیر کے معرکہ میں ایک مقدس وجود پر سکونِ دل اور سر بسجود پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا، اس نے سر اٹھایا، اس حیرتناک منظر پر نگاہ ڈالی، اور زمین سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی دفعۃً باطل کا طلسم چور چور تھا، قرآن گواہی دیتا ہے،

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، (انفال-۲)	تو تم نے (مسلمانو!) ان کو قتل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے ان کو قتل کیا، اور اے پیغمبر! تو نے نہیں پھینکا، جب تو نے پھینکا، بلکہ خدا نے پھینکا تاکہ مسلمانوں کو اس سے (فتح کی) اچھی نعمت عطا کرے، خدا دعاؤں کا سننے والا اور بھیدوں کا جاننے والا ہے،

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کہ آپؐ نے اس موقع پر کیا، تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں کبھی تیغ و تبر اور تیر و خنجر سے دستِ مبارک کو آلودہ نہیں کیا،

غزوۂ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ

پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا، شام سے مکہ جا رہا تھا، اور اودھر سے قریش کی فوج بڑے سرو سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی، مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورتِ واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا، اور کہدیا تھا، کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی، یا تو یہ قافلہ، اور یا یہ قریش کی فوج شکست کھائیگی، اور تم کو غنیمت کا مال ملے گا، چنانچہ یہ صورتِ واقعہ بھی درست نکلی، اور وعدہ بھی پورا ہوا،

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ (انفال-۱)

اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے،

غزوۂ احزاب کی خبر

غزوۂ احزاب جس میں دفعۃً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف امنڈ آیا تھا، واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ رویا میں اس کی اطلاع دیجا چکی تھی، اور آپؐ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا، چنانچہ جب یہ صورتِ حال نظروں کے سامنے آگئی، تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آگئی، اور ان کے دلوں میں آپؐ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا،

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ

اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل

قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (احزاب-۳)

کو دیکھا تو کہا یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے خدا و اس کے رسول نے کیا تھا، اور خدا اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس واقعہ نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا،

غزوۂ احزاب میں آندھی اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے مل کر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا، اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا، اور ڈیرے خیمے ڈال کر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دیں گے، چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کئے پڑے رہے، آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے، دشمنوں سے جا کر مل گئے، اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضۂ نماز بھی وقت پر ادا نہیں کر سکتے تھے، مدینہ میں فاقہ ہونے لگا، منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے، کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی، کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور ایسی سخت سردی پڑی، کہ دشمن ٹھٹھر کر رہ گئے اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے، خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (احزاب-۳)

مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم کر رہے تھے، خدا اس کو دیکھ رہا تھا،

غزوۂ حنین میں نصرت، | فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا، گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے، جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے، کچھ مکہ کے نومسلم تھے، جو ابھی صبر و ضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے، فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے، اور مقابلہ قبیلۂ ہوازن سے پڑا، جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے، مسلمان جونہی آگے بڑھے، حریف نے اُن کو تیروں پر رکھ لیا، پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، لیکن مرکزِ نبوت اپنی جگہ پر تھا، آپؐ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا، انھوں نے مہاجرین و انصار کو آواز دی، وہ پلٹے تو آپؐ سواری سے نیچے اترے اور زمین سے ایک مشتِ خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی، دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے، یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں میں مذکور ہے، اور قرآن اس کی صداقت کی گواہی دیتا ہے،

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ	خدا نے تمھاری نصرت بہت سے مقامات میں کی،
وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ	اور نیز حنین کے دن جب تمھاری کثرتِ تعداد
تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ	نے تم کو مغرور بنا دیا تھا، تو یہ کثرت تمھارے کچھ
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ	کام نہ آئی اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود
مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ	تنگ ہوگئی، پھر پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے، پھر خدا نے اپنی
عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ	تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی،
اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ	اور وہ فوجیں اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، (توبہ۔۴)	کفر کرنے والوں پر پوری سزا دی،

"نظر نہ آنے والی فوجوں" کے الفاظ سے قرآن مجید نے ہمیشہ فوق الفہم اور غیر مادی ذرائع و وسائل کی تعبیر کی ہے،

غیب پر اطلاع | غیب کا ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں، مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دور دراز مقامات کی خبریں کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات، کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیئے جاتے تھے، مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ کی صداقت کے قائل نہ تھے، اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انھیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعاتِ غیبی کی پردہ در ہے کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو برملا ظاہر نہ کر دے،

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ	منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ	کوئی ایسی سورہ اترے، جو اُن کو ان باتوں
قُلُوْبِهِمْ، (توبہ - ۸)	سے آگاہ کرئے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں،

بنو نضیر کی سازش کی اطلاع، | ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند رفقائے خاص کے ساتھ بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے، یہود بنی نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا، چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ کھڑے تھے، اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا، کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے کہ دب کر مر جائیں، اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا، اس نے بر وقت اطلاع دی اور آپ فوراً اُلٹے دام سے باہر نکل آئے، اور ان کو اس ارادۂ فاسد کی اطلاع بھیجدی، اس پر

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ، (مائدہ-۲)	اے مسلمانو خدا کے اس احسان کو جو اس نے تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں،

مہاجرین حبش کو بشارت | قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک و وطن کو خیر باد کہہ کر حبش چلی گئی، اوّل تو غیر ملک و پردیس میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردد کا باعث تھا، اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امراء نئے مذہب کے ان پیرووں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے، اس سے زیادہ فکر کی یہ چیز تھی کہ رؤسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراء ان سے شناسا تھے اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے، اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تردد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ رؤسائے قریش نے اپنے گذشتہ تعلقات کی بنا پر نجاشی کے دربار میں تحفہ تحائف دیکر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے تاکہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بنا پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش پیدا ہونا ضرور تھا، اس بنا پر سکینتِ الٰہی نے ان کو امن و امان کا پیام سنانا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی تشویشناک اور تردد انگیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی،

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْ	اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر مظلومی کی حالت
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی	میں ہجرت کی، ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا
الدُّنْیَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ	ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا ثواب سب سے
اَکْبَرُ (نحل - ۶)	بڑا ہے،

اگرچہ ہجرت کا لفظ عام ہے، مگر اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے، اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی، ان کا ذکر ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لئے بشارت ہے، سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا، نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلافِ توقع ناکام واپس کر دیا، بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی، اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا، بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے، اور اس اثنا میں کئی نجاشی سریر آرا ہوئے مگر کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا،

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے سروسامانی کے ساتھ ہجرت فرمائی تھی، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس حالت کو دیکھ کر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اس قدر طاقتور ہو کر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغازِ ہجرت تک اس کی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، وہ ان کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائیں گے، لیکن قرآن مجید دوسری پیشین گوئی کر رہا تھا، چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری،

وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ	اگر وہ تم کو سرزمینِ مکہ سے گھبرا چکے تا کہ تم کو

اَلْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا — اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم مدت

يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل) — تک باقی رہیں گے،

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری اتری، اور ایک ہی سال کے بعد غزوۂ بدر نے صنادید قریش کا خاتمہ کر دیا، اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی،

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا

عجب نہیں کہ مدینہ آکر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا، اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے، اور تمام عرب اس مہم میں انکا ہم آہنگ ہو جائیگا، اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہے گا جس میں مسلمانوں کو تنگدستی، فاقہ، قتل و خونریزی ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑیگا، مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی پہنچ چکا تھا،

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ — اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف، فاقہ، اور

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ — جانوں کی اور مال اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (بقرہ-۱۹) — سے آزمائیں گے،

دینی و دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ

لیکن اس بے سر و سامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا اور ان کو خلافتِ ارض یعنی دینی و دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی، یہ بشارت واقعاتِ موجودہ کے کس قدر خلاف تھی، مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کر لی،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	تم میں سے لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا،
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ان کو
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	زمین کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے تم
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	سے پہلے کے لوگوں کو خلیفہ بنایا، اور جو دین
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	ان کے لئے پسند کیا ہے، اس کو مستحکم کر دیگا،
مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (سورۂ نور ۔ ۷)	اور اُن کے خوف کو امن سے بدل دیگا،

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب و غریب تھی، مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم بیکس اور ضعیف گروہ تھا، جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دیکر خانماں برباد کر دیا تھا، اور اس نے مدینہ میں آکر خدا کے چند نیک بندوں کے سایہ میں پناہ لی تھی، یہاں آکر بھی اس کو اطمینان و راحت کی نیند نصیب نہ ہوئی، کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے یہاں آکر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور اضافہ ہو گیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا، اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں بدحواسی پھیل جاتی تھی، یہاں تک کہ صحابہؓ ہمیشہ سوتے جاگتے مسلح رہتے تھے، چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اس حالت سے تنگ آکر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئیگا، جب ہمکو اطمینان حاصل ہوگا، اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا اس پر ان کو قرآن مجید نے خلافتِ ارض کی بشارت دی، اور وہ پوری ہوئی، اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اس کے سامنے تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا، اس سے بڑھ کر اسس

لومسٹری جلد ۲ ص ۱۴۰

پیشین گوئی کی صداقت کیا ہوسکتی ہے،

قبائل عرب کی شکست ہوگی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے، اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، کفار کو جو شکستیں ہوئیں، قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں، اور اس حالت میں کیں، جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی آدمی کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا تھا، چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا، اور اس ہجوم کو دیکھ کر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا، خدا نے یہ اعلان عام دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے،

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ، (قمر-۳)	کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں، یہ جتھا عنقریب توڑ دیا جائیگا، اور وہ پشت پھیریں گے،
وَلَوْ قٰتَلَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا، (فتح-۳)	اور اگر کفار تم سے لڑیں گے، تو ان کو بھاگنا پڑے گا، پھر وہ کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے،
قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِھِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْھِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَیُذْھِبْ غَیْظَ قُلُوْبِھِمْ (توبہ۲)	تم ان سے لڑو، خدا اون کو تمھارے ہاتھ سے عذاب دیگا، اور ان کو رسوا کریگا، اور تمکو ان پر فتح دیگا، اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے کریگا اور ان کے دلوں کا غصہ دور کریگا،

اور یہ تمام پیشینگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں پوری ہوئیں، اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا، اور انھوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں،

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح و کامیابی کے متعدد وعدے کئے گئے تھے، جن میں سے بعض آپ کی زندگی میں اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے،

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُقْتَدِرُونَ (زخرف - ۴)

پس اگر ہم تجھ کو اٹھالیں تو بھی ان کافروں سے انتقام لیں گے، اور اگر ہم تیری زندگی میں تجھ کو وہ دکھادیں جس کی دھمکی ان کافروں کو ہم نے دی ہی، تو ہم ان پر یہ قدرت رکھتے ہیں

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ (مومن - ۸)

تو صبر کر خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے، تو جس بات کی دھمکی ان کافروں کو دیتے ہیں، اسکو یا تیری زندگی میں دکھادیں گے یا تجھ کو موت دینگے تو وہ ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے؟

وَإِنْ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝

اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے جو ہم نے کئے ہیں، دکھادیں یا تجھ کو موت دیدیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہی، اور

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ، (رعد - ۶)

ہمارا کام حساب لینا ہی، کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ (ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) سرزمین (عرب) کے حدود میں کافروں کے قبضہ کو کم کرتے جاتے ہیں، خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہی، کوئی اسکے حکم کو ردوبدل نہیں کر سکتا،

فتح مکہ کی پیشین گوئیاں | جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی، وہ فتح مکہ تھی یعنی اس شہر پر قبضہ جہاں سے وہ نہایت بے کسی اور بے بسی کے عالم میں نکلے تھے، اور جس کے حدود میں اُن کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی، وہ گو اب مدینہ کے دار السلطنت میں تھے، تاہم وطن کی یاد دلوں سے کم نہیں ہوتی تھی، ان کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی لیکن ان کے دل کی کلی ابھی بہ تنگی کے لئے جس موسم بہار کا انتظار کر رہی تھی، وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا، مگر بشارتِ الٰہی ہر قدم پر ان کے لیے تسکین کا نیا پیام لا رہی تھی، اور مژدۂ فتح سے ان کو دلشاد کرتی جاتی تھی، سورۂ قصص میں یہ آیت اتری،

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ، (قصص - ۹)

جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے، وہ تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لیجانے والا ہے،

یعنی مکہ[1] پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی،

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ

اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو وہ

---

[1] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،

وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ — خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہو، اور مسلمانوں کو بشارت سنا دے،

(صف - ۲)

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپؐ کو خانہ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا،

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ (فتح) — خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا تم لوگ یقیناً مسجد حرام میں اگر خدا نے چاہا تو بے خوف خطر داخل ہو گے، بال منڈا کر، یا ترشوا کر کسی سے نہ ڈرو گے

حدیبیہ سے آپ واپس آرہے تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی،

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (فتح-۱) — ہم نے کھلی فتح تم کو دی،

آپ نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ خوشخبری سنائی، اس کے دو برس کے بعد مکہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی،

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی ۶ ہجری کی صلح حدیبیہ میں فتح مکہ کی پیشین گوئی کیجا چکی تھی، جو ۸ھ میں پوری ہوئی، لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسولؐ کی اطاعت او متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا، اور جس صبر و ضبط و تحمل سے صلح حدیبیہ کے شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کر لیا تھا، اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحات عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا، جن میں بے شمار مال غنیمت ان کو ہاتھ آنے والا تھا،

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ — تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا اور اس

مِنْ دُوْنِ ذَالِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا هُوَ الَّذِيْ	(فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمہارے
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ	لئے بنائی، اور اسی نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	دین حق دیکر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔ (فتح۔۴)	کرے، اور خدا گواہ کافی ہے،

یہ خیبر کی فتح تھی، جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد، اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی، اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا، اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبۂ عام حاصل ہو گیا،

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	خدا مسلمانوں سے خوش ہو گیا، جب وہ درخت
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ	کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو ان کے
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ	دلوں میں جو تھا، (یعنی فتح مکہ کیلئے بیچینی) اسکو
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا	جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین نازل کی اور مکہ
قَرِيْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا	کے بدلے میں سر دست ایک فتح انکو دی اور بہت
(فتح۔۳)	سامان غنیمت جس پر وہ قبضہ کریں گے،
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً	خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے
تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ	جن کو تم لوگے، تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا
كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ	کر دی، اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے
اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، (فتح ۳)	روک دیا، اور تاکہ مسلمانوں کیلئے ایک نشانی ہو،

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سرسبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے، اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مال غنیمت کا بیشمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا،

یہود کو اعلان | عرب کے یہود اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے، تاہم یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشینگوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا، مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ "وہ خدا کے چہیتے ہیں، اور جنت ان کے لئے مخصوص ہے" لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو، وہ اس کے لئے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے، اس لئے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا کہ

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ	کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لئے مخصوص
عِنْدَ اللهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ	ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو،
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ	ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے، خدا ظالموں
أَيْدِيْهِمْ وَاللهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (بقرہ-۱۱)	کو خوب جانتا ہے،
قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا إِنْ	کہ اے یہود، اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ صرف

زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ	تھیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم اس میں
النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ	سچے ہو تو موت کی آرزو کرو، وہ لوگ اپنے
صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا	گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس کی آرزو
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ	نہ کریں گے، خدا ظالموں کو خوب جانتا
بِالظّٰلِمِيْنَ، (جمعہ ۱-)	ہے،

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے، اور آرزوئے موت ان کے لئے ممکن تھی، تاہم قرآن مجید کی پیشین گوئی پوری ہوئی، اور آج تک کسی یہودی نے لقائے الٰہی کی آرزو میں جان نہیں دی،

یہود کی دائمی ناکامی یہود سے دمبدم مقابلہ درپیش تھا، اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا، یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے، تمام مالی کاروبار ان کے قبضہ میں تھا، ان کے پاس بکثرت دولت تھی، عربوں سے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں علانیہ فائق تھے، ہر طرح کے سامانِ جنگ رکھتے تھے، اور فنِ جنگ سے بھی کماحقہ واقف تھے، مدینہ سے لیکر حدود شام تک ان کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں، اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی، بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلانِ عام کر دیا،

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ	اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کیلئے
خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ	یہ بہتر ہوتا، ان میں بعض ایماندار اور اکثر فاسق
وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ	ہیں، وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے

إِلَّا أَذًى وَإِن يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ	کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم سے لڑیں
الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ضُرِبَتْ	تو پشت پھیر دیں، پھر انکی مدد نہ کیجائیگی، ان پر ذلت
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا	جہاں کہیں وہ ہوں پھینک ماری گئی ہے لیکن خدا کے
بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ	کسی وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی کبھی اس ذلت
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ	سے بچ جائیں، خدا کا غضب لیکر وہ لوٹیں گے اور
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ، (آل عمران ۱۲)	بیچارگی ان پر چھا دی گئی ہے،

اُس وقت سے آج تک ان کی ایشیا، افریقہ اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشین گوئی کی صرف ظرف تصدیق ہے،

روم کی قوت ٹوٹ جائیگی | ۸ھ کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے زیادہ سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آپڑا، رومن امپائر کی وسعت، قوت، سامان، نظام، فوج، خزانہ کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک پرکاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے، تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اُسی وقت یقین و تسلی کے کلمات دنیا نے سن لئے،

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ	وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ	سچا دین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اس دین کو
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، (صف - ۱)	تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے،

دنیا کو اس پیشین گوئی کی تصدیق کے لئے صرف چند سال کا انتظار کرنا پڑا،

خلفاء راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں

لیکن قرآن مجید کی پیشینگوئیاں صرف انہی غزوات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے، بلکہ اس کے بعد بھی خلفاء کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں، اُن کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشین گوئی کر دی تھی، اور وہ آیندہ زمانہ میں پوری ہوئیں، مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی، وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے، لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا،

قُلْ لِلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	جہاد میں جان چرانے والے بدؤں سے کہدو
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ	کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے جنگ
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ	کرنے کے لئے بلایا جائیگا، تم لوگ ان سے
(فتح - ۲)	لڑوگے یا وہ مسلمان ہونگے،

چنانچہ یہ جنگ ہوئی اور وہی نتیجہ ہوا جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا،

وفات نبوی کی پیشین گوئی

مکہ کی فتح کے بعد آپ کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا، اور اس عام اصول کی بنا پر کہ انبیاء اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے، وہ وقت آیا، کہ آپ اپنے اصلی مرکز یعنی ملاء اعلیٰ سے جا ملیں، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشینگوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدا کی مدد اور فتح آگئی، اور تم نے دیکھا

وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِيْنِ	کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ داخل
اللّٰهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ	ہو رہے ہیں تو خدا کی تسبیح اور استغفار کر، وہ
وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (النصر)	بڑا توبہ کا قبول کرنے والا ہے،

اس سورہ میں آپ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے، لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدۂ فتح نہیں بلکہ مژدۂ وصال ہے، کیونکہ مژدۂ فتح کے ساتھ تسبیح و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں، بلکہ اس کے لئے شکر موزوں ہے، تسبیح و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے، چنانچہ صحابہ میں جو لوگ نکتہ دان شریعت تھے وہ راز کو سمجھ گئے تھے،[1]

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مذکور،

آیات و دلائل نبوّیہ

بروایاتِ صحیحہ

گذشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل بیان کیے گئے ہیں، جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں، یا کم از کم اُن کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں، لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصا مقصود ہے، جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، اس قسم کے آیات و دلائل کا بڑا حصہ گو فرداً فرداً خبر احاد سے ثابت ہے، مگر مجموعی حیثیت سے ان کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہوجانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا اُبلنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفایابی حاصل کرنا، دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہوجانا، ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں، مگر ان میں سے ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تواتر تو شہادتیں موجود ہیں، جن کی بنا پر ان میں سے ہر قسم کے معجزات خبر متواتر نہیں تو خبر مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں،

البتہ بعثت سے پہلے جو عجائبات آپ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ کو پیش آئے اُن کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے لیکن اسکی وجہ اس عہد میں

اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے، بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً ماں باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد بعثت کے بعد بلکہ مدینہ کی پُر امن زندگی کے شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلہ روایات کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا، تو آپ کے خاندان کے بزرگوں میں سے جنھوں نے آپ کے بچپن اور نوجوانی کا عہد دیکھا تھا، کوئی موجود نہ تھا، والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے، دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا، چچاؤں میں ابولہب آپ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب آغاز اسلام ہی میں مر چکے تھے، حضرت حمزہؓ کمسن تھے، اور ۳ھ ہی میں شہادت پا چکے تھے، حضرت عباس صرف دو برس بڑے تھے، اس بنا پر محدثانہ اصولِ تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلہ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہیں،

بہرحال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہیں کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد کے جب اسلامی روایتوں کا سلسلہ راویوں کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا، ملتے ہیں، بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہیں، وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً بعض واقعات اجسام کائنات میں تصرف اور تاثیر کے ہیں بعض تکثیر اشیا کے ہیں بعض استجابتِ دعا، اور شفاء امراض وغیرہ کے ہیں، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علٰحدہ علٰحدہ لکھتے ہیں،

علاماتِ نبوّت

قبلِ بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانحِ زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں، جو اُن کے روشن مستقبل کی پیشین گوئی کرتے ہیں، جب ان عام ممتاز افرادِ انسانی کا یہ حال ہے، جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے اُن برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہے، جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی سوانحِ زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں، کتبِ سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گذر چکا محدثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لئے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے، صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علاماتِ نبوت کے تحت میں آسکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

حضرت آمنہؓ کا خواب متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا حال بیان فرمائیے فرمایا "میں اپنے باپ ابراہیمؑ

کی دعا، اور عیسیٰؑ کی بشارت، اور اپنی ماں کا خواب ہوں، میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا خواب دیکھا کہ اُن کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے،

یہ خالد بن معدان تابعی کی روایت ہے[۱] جو گو ابن سعد میں مرسل ہے، مگر مستدرک میں ہے کہ انھوں نے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا حضرت عرباض بن ساریہؓ صحابی کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ "میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء اُس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا، میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں، میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا عیسیٰؑ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے، جس سے شام کے محل روشن ہو گئے،[۲] پھر یہ آیت پڑھی،[۳]

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا	اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ	سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور خدا
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا	کے حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور
(احزاب - ۶)	روشن چراغ بنا کر بھیجا،

ولادت نبوی کی پیشینگوئیاں یہود و نصاریٰ میں احادیث، سیر اور دلائل کی کتابوں میں توریت وا یسی

۱؎ ابن سعد جلد اول ص ۹۶ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۰، ۲؎ مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۱۲۷، بیہقی بحوالہ مستدرک (علی شرط الصحیح) جلد ۲ ص ۶۰۰، و ابن سعد ج ۱ ص ۹۶ ۳؎ مستدرک حاکم (صحیح) جلد ۲ ص ۴۱۸،

ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہورِ نبوّتؐ کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے اس آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے، اور اُس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشینگوئیاں کر رہے تھے، ان روایتوں میں سے گو ہر روایت بجائے خود ضعیف ہے، مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگوں کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا، اور مدینہ کے لوگوں میں اور مکہ کے جویانِ حق اشخاص میں اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا،

بتخانوں سے غیبی آوازیں اسی طرح ان کتابوں میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن میں بیان ہے کہ آپ کی پیدائش کے بعد لوگوں نے بتخانوں کے اندر سے غیبی آوازیں سنیں کہ "اب صنم خانوں کی بربادی کا زمانہ آگیا، پیغمبر صادق کی ولادت ظہور میں آچکی ہے"، ان روایتوں کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابلِ اعتبار ہے، تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگے آتی ہے،

شقِ صدر تمام اربابِ سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بنا پر بچپن کے زمانہ میں جب آپ حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا، ایک روایت میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ نے دو فرشتوں کی آمد اور شقِ صدر کا واقعہ بیان کیا[1]،

---

[1] مستدرک حاکم ج ۲ باب معجزات ابن سعد ج ۱ ص ۹۶، مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، و مسند ابو یعلی و ابو نعیم و ابن عساکر و احمد (عن عتبہ بن عبدان)

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمہ اور ثابت البنانی کے واسطہ سے صحیح مسلم، مسند احمد اور ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ آپ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا، اور اس نے آپ کو پکڑ کر سینہ مبارک کو چاک کیا اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا، اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا، پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا، لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ سعدیہ کے پاس آئے کہ محمد کو کسی نے مار ڈالا، حلیمہ آئیں تو دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے حضرت انس کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے، مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن عبد السلمی کے واسطہ سے مذکور ہے، (جلد ۲ ص ۶۱۶ باب دلائل نبوت)

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھا ہے مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالۂ قلم کر چکا ہوں،

مبارک قدم ہونا، روایتوں میں آپ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں، صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے، تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے، اور اس کی زبان پر شعر میں یہ دعا ہے:-

---

لہ صحیح مسلم باب الاسراء ابن سعد جلد اول ص ۱۰۹ مسند ابن حنبل روایات حضرت انس جلد ۳ ص ۱۲۱

رُدَّ اِلَیَّ رَاکِبِیْ مُحَمَّدًا   یَا رَبِّ رُدَّہُ وَاصْطَنِعْ عِنْدِیْ یَدًا

اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد کو واپس بھیج اور مجھ پر یہ ایک احسان کر،

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں، ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا، انھوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے، اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے، ان کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انھوں نے جب کسی کام کے لئے اس کو بھیجا ہے، ان کو کامیابی ہی ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ اونٹ لیکر واپس آتے نظر آئے، عبدالمطلب نے سینہ سے لگا لیا،

بے ستری میں آپ کا غش کھا کر گرنا

آپ بچہ تھے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر درپیش ہوئی، تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے ہوئے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، انہی بچوں کی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی بھی تھے، حضرت عباس رضی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو، کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کے حکم کی تعمیل کی، دفعۃً آپ غش کھا کر گر پڑے اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں، جب ہوش آیا، تو آپ کی زبان پر یہ لفظ تھا "میرا تہبند میرا تہبند" لوگوں نے تہبند کمر سے باندھ دی، یہ صحیحین کی روایت ہے[2]، حاکم اور ابونعیم میں ہے کہ ابوطالب نے اس کے بعد واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سپید پوش مرد نظر آیا،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۳، ذہبی نے حاکم کی اس روایت کو علیٰ شرط مسلم تسلیم کیا ہے، علاوہ ازیں تاریخ بخاری، ابن سعد، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، اور ابن مندہ میں یہ واقعہ مذکور ہے، [2] صحیح بخاری جلد اول، کتاب المناقب باب بنیان الکعبہ، صحیح مسلم،

جس نے کہا کہ "ستر پوشی کر" بیہقی و ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ "اے محمدؐ اپنے ستر کو چھپا"۔ ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی جو آپؐ کو سنائی دی،

نیند طاری ہونا حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر بیان کرتے ہیں، کہ آپؐ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں بُرا خیال آیا، اور دونوں دفعہ میرے خدا نے مجھے بچا لیا، ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ کے باہر تھا، میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطفِ احباب اٹھاؤں، چلا تو سرِ راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا، میں دیکھنے کھڑا ہو گیا، تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی، تو اس وقت تک میں نہ جاگا جب تک سورج کی کرنوں نے آکر میرے شانے نہ ہلائے، دوسری دفعہ جب خیال آیا، تو پھر یہی واقعہ گذرا، اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا، یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا،[1]

صدائے غیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے، سامنے سے ایک خوبصورت سا آدمی گذرا، حضرت عمرؓ نے بلوا کر حال پوچھا، اُس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا، دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا، اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا موکل جن میرے پاس گھبرایا ہوا آیا، اور

---

[1] مسند ابن راہویہ، ابن اسحاق، بزار، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر، قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل ورجالہ ثقات (خصائص کبریٰ سیوطی جلد اوّل ص ۸۸ حیدر آباد، مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۲۴۵ علیٰ شرط مسلم)

یہ شعر پڑھا،

الم تر الجن وابلاسہا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ ویاسہا من بعد انکاسہا

ولحوقہا بالقلاص واحلاسہا

حضرت عمرؓ نے فرمایا اس نے سچ کہا خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گذرا، ایک دفعہ میں جاہلیت کے بتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی بھیڑ لیکر آیا، اور اس کی قربانی کی، ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے والے کی آواز آئی جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سنی، آواز یہ تھی،

یا جلیح ، امر نجیح رجل فصیح ‌‌‌‌‌‌‌‌ اے جلیح! کامیاب بات! ایک فصیح آدمی

یقول لا الٰہ الا اللہ ، ‌‌‌‌‌‌‌‌ کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں،

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر سب لوگ کود کود کر بھاگ نکلے لیکن میں اپنی جگہ سے نہ ٹلا، اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا، ناگاہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ وہی آواز آئی، اس واقعہ کو کچھ ہی دن گذرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے[1]،

پتھروں سے سلام کی آواز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے، کہ میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں، جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں، یہ صحیح مسلم، مسند احمد، اور مسند دارمی کی روایت ہے[2]، دوسری روایتوں

[1] صحیح بخاری، باب اسلام عمرؓ، [2] صحیح مسلم کتاب الفضائل مسند احمد جلد ۵ ص ۹۰ و مسند دارمی صفحہ باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بروایت جابر بن سمرہ،

میں[1] ہے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔"

خواب میں فرشتوں کی آمد نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ آغازِ وحی سے پہلے رویا میں تین فرشتے آپ کے پاس آئے، آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرما رہے تھے، ایک فرشتے نے پوچھا: "ان میں وہ کون ہے؟" بیچ والے نے جواب دیا "ان میں جو سب سے بہتر ہے" پچھلے نے کہا "تو ان میں سے بہتر کو لے لو" اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے[2]۔

---

[1] جامع ترمذی ذکر معجزات و ابونعیم ص ۱۴۱ [2] صحیح بخاری کتاب التوحید و باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الانبیاء

اشیاء میں اثر

اشیاء میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہوگیا جس کی بنا پر اشیاء سے ان کی فطرت کے مافوق، یا ان کے معمول کے برخلاف افعال، حرکات، اور اثرات رونما ہوئے، اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں، مثلاً پانی کا خون ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا، ہتھیلی کا چمکنے لگنا، عصا کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا، چٹان سے پانی بہنے لگنا، اوس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گذر چکی، اس کے بعد ستونِ حنانہ، یعنی مسجد نبویؐ کے ستونِ خرما سے گریہ و بکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے،

ستون کا رونا مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا، مسجد میں خرمے کے تنہ کا ایک ستون تھا، آپ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، منبر تیار ہوا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعۃً اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی، بعض روایتوں میں ہے، کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی، یہ حاضرین کے اختلافِ مذاق کی بنا پر رونے

کی مختلف تشبیہیں ہیں، راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ درد فراق سے اس سے جزع وفزع[1]
کی آواز سنائی دینے لگی، یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر آئے اور ستون پر تسکین
کیلئے ہاتھ رکھا، اور اس کو سینہ سے لگایا، تو آواز بند ہو گئی، آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ رونا اس
بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا، یہ واقعہ حدیث وسیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوںؓ
سے منقول ہے،[2]

منبر کا ہلنے لگنا ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے جلال کبریائی الٰہی
کا بیان تھا، آپ خود بہت متاثر تھے حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ داہنے بائیں ہل
رہے تھے، اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا ہے کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ کو لیکر گر نہ پڑے،[3]

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا غزوۂ خندق میں تمام صحابہ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں
سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل
آئی، لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ کر اچٹ جاتی
تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی آپ[4]

۱؎ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ ومسند احمد وترمذی وابویعلی وابن ماجہ ودارمی (معجزات) ونسائی (باب خطبۃ الجمعہ)
۲؎ (۱) جابر بن عبد اللہؓ (بخاری، نسائی، امام احمد، بزار، ابونعیم (۲) سہیل بن سعدؓ (ابن ابی شیبہ، ابن سعد علی شرط الصحیحین، (۳) عبد اللہ بن عمرؓ (بخاری، امام احمد، ترمذی) (۴) انس بن مالکؓ (ترمذی، امام احمد، ابویعلی، ابن ماجہ، بزار، ابونعیم)، (۵) ابی بن کعبؓ (امام احمد، امام شافعی، ابن ماجہ، دارمی، ابویعلی، ابن سعد (۶) عبد اللہ بن عباسؓ (امام احمد، ابن ماجہ علی شرط مسلم، ابن سعد، بیہقی، دارمی (۷) ابوسعید خدریؓ (ابن ابی شیبہ، ابویعلی، دارمی، عبد بن حمید، ابونعیم علی شرط مسلم (۸) بریدہؓ (دارمی) (۹) مطلب بن وداعہ (زبیر بن بکار فی اخبار المدینہ) (۱۰) ام سلمہؓ (طبرانی، بیہقی (۱۱) عائشہؓ (بیہقی، ابونعیم) ۳؎ صحیح مسلم باب ابتداء الخلق، ابن ماجہ، ذکر البعث، مسند احمد عن ابن عمرؓ وغیرہ،

اٹھ کر خود تشریف لائے، اور کدالی ہاتھ میں لیکر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہوکر چورچور ہوگئی،[1]

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے، اُس سے اَلسَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللہ کی آواز آتی ہے، اور میں اس کو سُن رہا تھا،[2]

پہاڑ کا ہلنا

صحیح بخاری میں ہے ایک دن آپؐ اور آپکے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جنبش کرنے لگا، آپنے پہاڑ کو پاے مُبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا "ٹھہر جا کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے، یا صدیق ہے، یا شہید ہے"[3]

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے، یہ پہاڑ کوہ احد تھا یا کوہ حرا، مگر صحیح مسلم اور مسند احمد میں صرف کوہِ حرا کا اور مسند ابویعلی اور بیہقی میں صرف کوہ احد کا نام ہے بہرحال اگر یہ کوہ احد تھا تو مدینہ کا واقعہ ہے، اور اگر کوہِ حرا تھا تو مکہ کا ہے،

آپکے اشارہ سے بتوں کا گرجانا

فتح سے پہلے خانۂ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا جب مکہ فتح ہوا تو آپؐ کعبہ میں تشریف لیگئے، دستِ مُبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبان اقدس پر یہ آیت کریمہ جاری تھی،

---

[1] صحیح بخاری (غزوۂ خندق) ونسائی کتاب الجہاد وبیہقی وابونعیم وابن سعد وابن اسحاق وابن جریر [2] جامع ترمذی ذکر معجزات بروایت حسن [3] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ وصحیح مسلم فضائل حضرت طلحہؓ وزبیرؓ، صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی، نسائی اور دارقطنی بروایت حضرت عثمانؓ اور ابویعلی، اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے،

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، (بنی اسرائیل ۹)

حق آیا اور باطل مٹ گیا، باطل مٹنے ہی کے لیے آیا تھا،

آپؐ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے، وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا (فاکہی بہ تصحیح ابن حبان و بیہقی و طبرانی و ابونعیم)

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے، اور آپؐ دستِ مبارک میں چھڑی لیکر اُن بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے تھے آیتِ مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارے سے بے چھوئے بتوں کا خود بخود گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں، البتہ فاکہی میں بروایت عمرؓ اور طبرانیؒ ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے، فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے، صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے، اُس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ آپنے ان لوگوں سے اکھڑوا کر پھنکوا دیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی ان یدخل البیت وفیہ الآلھۃ فامر بھا فاخرجت

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آپؐ مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانۂ کعبہ کے اندر بت تھے، آپنے اسکے اندر جانے سے انکار کیا تو آپنے انکے باہر نکال دینے کا حکم تو وہ باہر نکال دیئے گئے،

اگر فاکہی، طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایتِ بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانۂ کعبہ کے

باہر چاروں طرف تھے، آپ اُن کی طرف اشارہ کر کے آیتِ مذکورہ کو پڑھتے تھے اور وہ گر جاتے تھے، اور خانۂ کعبہ کے اندر جو بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ نے ان کو نکلوا کر پھکوا دینے کا حکم دیا تھا، اسی طرح بخاری و مسلم کی فتحِ مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کونچے دینے کا ذکر ہے، وہ وہ ہیں جو باہر تھے یعنی حول البیت اور جن کا نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانۂ کعبہ کے اندر تھے،

کھانوں سے تسبیح کی آواز حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو اور ہم لوگ ان کو برکت سمجھتے تھے، ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے[لہ]

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ و آلِ عمران پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کتابتِ وحی کی خدمت کی، چند دنوں کے بعد وہ مرتد ہو کر بھاگ گیا، اور عیسائی ہو گیا، اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دیدی، اس کے دوستوں نے اس کو دفن کیا، تو صبح وقت لاش قبر سے باہر تھی، اس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ کا کام ہے، چونکہ وہ ان سے علیحدہ ہو گیا، اسلئے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا، اس خیال سے ان لوگوں نے اب کی خوب گہری قبر کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا، اب ان کا یہ خیال اور پختہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ یہ مسلمانوں ہی کی حرکت ہے، پھر جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے کھود کر اس میں اس کو دفن کیا، صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھا، اب ان کو یقین

لہ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ

ہوا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح زمین پر چھوڑ دیا،[1]

درختوں کا چلنا ایک بار آپ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے، آپ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا، تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ ملی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے، آپ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ایک ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ "خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ہو لیا، پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے اور وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چل پڑا، پھر آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا، اور فرمایا کہ "خدا کے حکم سے باہم جڑ جاؤ"، دونوں باہم مل گئے، جب ان کی آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی اپنی جگہ پر آ گئے،[2]

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے، حضرت اسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں[3] اور حضرت یعلی بن مرہؓ نے کسی سفر میں[4] اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے،

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ایک روز اہل مکہ کی ایذا رسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں حضرت جبرئیلؑ آئے اور انھوں نے دریافت کیا، تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا، یا خود آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی (روایتیں مختلف ہیں) کہ "مجھے ایک

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [2] مسلم حدیث جابر الطویل و احمد و دارمی و بیہقی باختلاف یسیر، [3] بسند ابو یعلی و بیہقی و ابو نعیم، حافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تحسین کی ہے، [4] امام احمد بروایت یعلی بن مرہ و ابن شیبہ برجال ثقات و حاکم بروایت صحیح،

ایسی نشانی دکھا جو اس غم کو مجھ سے دور کردے، حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے آپ اس کو بلایئے، آپ نے بلایا تو وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا، پھر اس سے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، آپ نے فرمایا " اب مجھے کوئی غم نہیں"[۱]

خوشہ خرما کا چلنا آپ کی خدمت میں ایک بدو آیا اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ پیغمبر ہیں، آپ نے فرمایا اگر میں اس خوشہ خرمہ کو بلالوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا "ہاں" آپ نے خوشہ خرما کو بلایا، اور وہ درخت سے اتر کر آپ کے پاس آیا، اور پھر آپ کے حکم سے واپس گیا، بدو فوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لایا[۲]

درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا آپ ایک سفر میں تھے، کہ بدو آتا ہوا نظر آیا، جب وہ آپ کے قریب آگیا تو آپ نے پوچھا کہاں جاتے ہو" اس نے جواب دیا، مکان کا ارادہ ہے، پھر آپ نے فرمایا "تمھیں نیکی کی حاجت ہے"؟ اس نے کہا وہ نیکی کیا ہے"؟ آپ نے کلمہ توحید کی تلقین کی، اس نے کہا" اس کی شہادت کون دیتا ہے"؟ آپ نے" فرمایا" سامنے کا یہ درخت"، چنانچہ یہ کہہ کر آپ نے وادی کے کنارے سے اس درخت کو بلایا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے اس سے تین بار کلمہ توحید پڑھایا، اور اس نے پڑھا، پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، اور بدو یہ کہکر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی

---

[۱] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء و مسند احمد عن انس بن مالکؓ و ابن سعد و بزار و بیہقی عن عمر بن الخطابؓ

[۲] ترمذی (معجزات نبوی)، نے اس کو صحیح کہا ہے، امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور ابو یعلیٰ نے ابن عباسؓ سے اس کی روایت کی ہے،

اسلام قبول کر لیا، تو اُن سب کو لے آؤنگا، ورنہ تنہا آپ کے ساتھ قیام کروں گا؛[۱]

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا، عقبہ بن معیط (ایک قریشی کافر) کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گذر ہوا، آپ نے مجھ سے کہا "لڑکے تمہارے پاس دودھ ہے، ہم کو پلاؤ گے"؟ میں نے کہا میں امین ہوں میں تم کو نہیں پلا سکتا، آپ نے پوچھا

---

[۱] مسند دارمی ص، بسند صحیح و بزار و ابونعیم باختلاف یسیر و ابن سعد جلد اول ص ۱۲۱ [۲] یہ روایت مسند ابو داؤد طیالسی، مسند ابن حنبل، ابن سعد اور دلائل ابی نعیم میں ہے، طیالسی اور ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ جب مشرکین سے بھاگے تھے اب یہ واقعہ پیش آیا یعنی ہجرت کے ایام میں طیالسی کی اس روایت کا سلسلہ سند ہر طرح سے محفوظ ہے، ابوداؤد، حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم بن بہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے اسکی روایت کرتے ہیں یہ تمام اصحاب ثقہ اور معتبر ہیں، بایں ہمہ اس واقعہ کو زمانہ ہجرت میں قرار دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے، اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے، حالانکہ وہ ہجرت سے بہت پہلے اسلام لا چکے تھے، وہ چھٹے مسلمان تھے اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے، اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جا چکے تھے جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت سے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے ثابت ہوتا ہے، اسلئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے، اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں اپنے یہ شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا، سب نے ان کے حال میں اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی، اسی اثنا میں فتح الباری جلد ہجرت

"اچھا کوئی بکری کا بچہ ہے"؟ میں نے کہا ہاں "فرمایا "لے آؤ" میں لے آیا حضرت ابو بکرؓ نے بچہ پکڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی، ابو بکرؓ ایک گھڑا بھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپنے خود پیا، پھر حضرت ابو بکرؓ نے پیا، اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں پھر مجھے پلایا، دودھ پی کر آپنے فرمایا "اے تھن! سمٹ جا، وہ سمٹ کر خشک

(بقیہ حاشیہ صلا۶۲۱) اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہٖ یہی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ذہن میں بھی گذرے ہیں لیکن انھوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے مطابق جو ان کا عام اصول ہے، اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں، یعنی یہ کہدیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ہجرت کے علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں، لیکن الحمد اللہ کہ اثنائے تحقیق میں مجھے مسند بن حنبل (جلد اصلا۳۷۹) میں یہی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے، جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا گذر ہوا اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں، اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابو بکر عیاش ہیں گو حافظہ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں، تاہم ناقدانہ وجوہ ابو بکر بن عیاش کی تائید میں ہیں، پہلی روایت میں "فرّ" (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری میں مرّ یعنی گذرے کا لفظ ہے معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فرّ اور مرّ کے الفاظ میں باہم تشابہ ہو گیا ہے، اور بعد کو پھر فرّ کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے، ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول صلا۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں اپنے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا ہیں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمھاری کسی بکری میں دودھ ہے، میں نے عرض کیا نہیں، آپنے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً دودھ اتر آیا، تو میں اپنے سے پہلے کسی مسلمان کا پتا نہیں مانتا،

خشک ہوگیا، اس کے بعد میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھے کچھ سکھائیے، فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو" تو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں، جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کرسکتا، ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے۔[1]

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہوجانا

ابوطلحہ صحابیؓ کا ایک گھوڑا نہایت سست رفتار اور سُست تھا، ایک دفعہ مدینہ میں شور وغل ہوا، آپ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز رو ہوگیا کہ جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ "یہ تو دریا ہے" اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔[2]

اندھیرے میں روشنی ہونا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے، جب واپس ہوئے تو رات بہت اندھیری تھی، اگر خدا کی قدرت کہ انکے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہوگئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہوگیا، یہانتک کہ دونوں گھر چلے گئے، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے،[3] اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں، لیکن حاکم، ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم میں حضرت انسؓ نے ان کے نام عباد بن بشرؓ اور اسید بن حضیرؓ بتاتے ہیں اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہوگئی تھی، ابونعیم کی ایک دوسری روایت میں

---

[1] ابن سعد جلد اول صہ ۱۲۲ [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب الرکوب علی الدابۃ الصعبۃ جلد ا صفحہ ۴۰۰ [3] ایضاً باب علامات النبوۃ

جو حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے، عباد بن بشرؓ اور اسید بن حضیرؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ اور
حضرت عمرؓ کے نام ہیں، روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے، کہ یہ دوسرا واقعہ ہو، نیز
حاکم، بیہقی، اور ابونعیم میں اسی قسم کا واقعہ ابوعبس ابن جبیر صحابی جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ عشا کی نماز پڑھا کرتے تھے، ان کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے، تاریخ بخاری
اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات میں حمزۃ الاسلمی کی انگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مشہور ہے۔

جانور کا سجدہ کرنا | حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے
کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا تھا، یا بگڑ گیا تھا، لوگوں نے جا کر آپؐ کو خبر کی،
آپ نے اس کے پاس جانا چاہا، تو سب نے روکا کہ "یا رسول اللہ! یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا
ہے" آپنے فرمایا کہ "مجھے اس کا خوف نہیں"، یہ کہکر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپکے سامنے
آکر اپنی گردن ڈال دی، آپنے اس پر ہاتھ پھیرا، اور اسکو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا، پھر
فرمایا "ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں لیکن گنہگار انسان اور نافرمان جن"، صحابہ نے
یہ منظر دیکھ کر کہا "یا رسول اللہ! جب جانور آپؐ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہئے"
آپنے فرمایا "اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"

جانور کا آپؐ کے مرتبہ کو پہچاننا | ایک دفعہ آپؐ ایک انصاری کے باغ میں گئے، ایک اونٹ کھڑا

لہ دارمی ص ۱۰ و امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت
جابرؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی مسند دیکھو، نیز سنن نسائی و ابن ابی شیبہ، طبرانی و بیہقی، ابن ابی الدنیا
نے اس ایک واقعہ کو ذرا ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث متعدد واقعات بنا دیا ہے، البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص ۱۳۹۔

چلا رہا تھا، آپؐ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا، اور اس کی دونوں آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، آپ نے قریب جاکر اُس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہوگیا، آپ نے دریافت فرمایا یہ کس کا اونٹ ہے؟ لوگوں نے ایک انصاری کا نام بتایا، وہ بلوائے گئے تو آپؐ نے فرمایا "تم ان جانوروں پر جن کو خدا نے تمہارا محکوم بنایا ہے، رحم کیا کرو، اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور اس کو تکلیف دیتے ہو"[۱]

حافظہ بڑھ جانا | تمام صحابہؓ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں، حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف تین چار برس رہے تھے، لوگوں کو آج بھی اس پر تعجب ہے، اور خود ان کے زمانہ میں بھی تھا لیکن حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے، اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں میں، اور میرا آپؐ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبانِ مبارک سے نکلا کہ "جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ میں سمیٹ لیگا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا" میں نے دامن پھیلا یا جب کلامِ مبارک ختم ہوا، سینہ میں سمیٹ لیا، اُس وقت سے میں کوئی بات نہ بھولا[۲]

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے، چنانچہ وہ آگے آئیگا،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الشفقۃ علی البہائم ص ۳۴۵ و مسند احمد بسند عبداللہ بن جعفر و مسلم بسند مہدی ابن میمون المعدایح ۶ ص ۱۳۵ ابونعیم وغیرہ میں اسی واقعہ کے ذیل میں بہت سی نامستند باتیں شامل ہوگئی ہیں،
[۲] صحیح بخاری و صحیح مسلم مناقب ابوہریرہؓ،

شفائے امراض

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

پیغمبر دنیا میں درحقیقت بیمار دلوں کے روحانی طبیب بنکر آتے ہیں، مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجہ میں ان کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے، تمام انبیاءؑ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا تھا،

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت سلمہ بن اکوعؓ اور حضرت سہیل ابن سعدؓ تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر میں جب آپ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو طلب فرمایا، تو معلوم ہوا کہ ان کی آنکھوں میں آشوب ہے، اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب (سلمہؓ بن اکوع) ان کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے، آپ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا، اور دم کردیا وہ اسی وقت اچھی ہوگئیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں میں کبھی درد تھا ہی نہیں[۱]،

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہوجانا حضرت عبد اللہ بن عتیکؓ قلعہ میں داخل ہوکر جب ابورافع

[۱] صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و مناقب علی کتاب الجہاد و صحیح مسلم باب فضائل علی و مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۵۲ سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکوع کی روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے اور حضرت سعدؓ کی روایت صرف مسلم میں ہے،

کو قتل کرکے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے جس سے اُن کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی، پہلے پہل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابن اسحاق میں ہے کہ ان کے ہمراہی اٹھا کر اُن کو لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا، آپ نے اس ٹانگ پر دست مبارک سے مسح کر دیا، اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی، اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی،[1]

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا غزوۂ خیبر میں حضرت سلمہؓ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انہیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی، صرف نشان رہ گیا تھا،[2]

غزوۂ حنین میں حضرت خالدؓ بن ولید کے پانوں میں زخم لگا، جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، آپ نے حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے ان کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ نے ان کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی، اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا، زخم اچھا ہو گیا،[3]

اندھے کا اچھا ہونا آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا، اور اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپ نے فرمایا "اگر چاہو تو دعا کر دوں، اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے" عرض

---

[1] بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے۔ [2] صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و مسند ابن حنبل جلد ۴ حدیث سلمہؓ بن اکوع، [3] مسند ابن حنبل ج ۴ ص۸۸ و عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابن عساکر،

کی دعا" کیجئے" فرمایا "اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کر دے،" ترمذی[1] اور حاکم کی ایک روایت[2] میں اسی قدر ہے مگر ابن حنبل[3] اور حاکم[4] کی دوسری روایت میں اس کے بعد ہے کہ اُس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہو گیا، حاکم کی ایک اور روایت میں جو علی شرط البخاری ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے، حضرت عثمان ابن حنیف[5] صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ کے پاس حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، مجھے سخت تکلیف ہے، فرمایا وضو خانہ میں جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو، عثمان بن حنیفؓ کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور نہ کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں،

حبیب بن فدیکؓ ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ، طبرانی، بیہقی، اور ابونعیم میں مذکور ہے[6]، مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں، اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے،

بلا دور ہونا آپ ایک سفر میں جا رہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچہ کو لئے ہوئے سامنے آئی، اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا، اور تین بار کہا کہ "اے خدا کے دشمن نکل، میں خدا کا رسول ہوں"

---

[1] ترمذی کتاب الدعوات، [2] مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۱۹ [3] مسند جلد ۴ صفحہ ۱۳۸ [4] مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۲۶، [5] مستدرک اول صفحہ ۵۲۶ [6] دلائل ابی نعیم صفحہ ۱۶۵ و اصابہ ترجمہ حبیب بن فدیکؓ،

پھر لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر دیا، سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دنبے لیکر حاضر ہوئی، اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی، آپنے ایک دنبہ قبول فرما لیا، اور دوسرے کو واپس کر دیا۔[1]

گونگے کا بولنا حجۃ الوداع میں آپ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لیکر حاضر ہوئی، اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپنے پانی منگایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی، اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلادو، اور کچھ اس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا۔[2] اور بولنے لگا،

مرض نسیان کا دور ہونا ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپنے فرمایا اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا اور فائدہ ہوا، اور جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا، اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا، اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے۔[3]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱، میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلی بن مرہؓ سے یہ واقعہ مذکور ہے، علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے، دارمی صفحہ ۹ میں یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے جس سلسلۂ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں، نیز دارمی اور ابونعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی ایک جن کا ایک بچہ پر مسلط ہونا اور آپکے اثر سے ایک کتے کے پلے کی شکل میں نکل کر بھاگنا) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ بھی صحیح نہیں [2] سنن ابن ماجہ باب النشرہ و ابونعیم صفحہ ۱۶۷، ابن ابی شیبہ [3] جامع ترمذی ابواب الدعوات و مستدرک حاکم جلد اول ص ۳۱۲ ذہبی نے جودتِ سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے،

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو آپ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انھوں نے وہاں سے آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے، کہ نماز میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہوں آپ نے پاس بلا کر اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا، اور منہ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی،[1]

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ، انھوں نے پھیلایا آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا،[2]

بیمار کا تندرست ہونا

حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، تو فرمایا کہ یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو" حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کردی، اور اب میں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں،[3]

ایکبار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ کا گذر ہوا تو انکو اس پر تنبیہ کی، اور دعا فرمائی، پھر ان کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی،[4]

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا

محمد بن حاطبؓ ایک صحابی ہیں، وہ جب بچہ تھے، تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے اور کچھ جل گئے، ان کی ماں ان کو لے کر

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [3] جامع ترمذی کتاب الطب [4] جامع ترمذی ابواب الدعوات، بروایت حسن وصحیح حاکم فی المستدرک،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان پر ملا، اور دعا پڑھ کر دم کیا، طیالسی اور ابن حنبل میں اسی قدر ہے، مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطبؓ کی ماں کہتی تھیں کہ بچے کو لیکر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہوگیا[1]،

جنون دور ہونا | ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرا بھائی بیمار ہے، دعا کیجئے" پوچھا کیا بیمار ہے؟ عرض کی اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا اس کو لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا، وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا[2]

---

[1] مسند ابو داؤد طیالسی ص ۱۶۵، مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۲۵۹، تاریخ بخاری کی روایت ابن عبد البر نے بہ سند استیعاب (ترجمہ محمد بن حاطبؓ میں) اور سیوطی نے خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۲۹ میں نقل کی ہے۔ [2] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق، اس روایت کے سلسلہ سند میں ابو جناب ایک راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے مگر اس روایت میں تو تدلیس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم،

استجابتِ دُعاء

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤں کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے، جس سے نیک اور مقبول بندوں کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے، انبیاے الٰہی سے بڑھکر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہو سکتے ہیں؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ اُن کی دعاؤں کو شرفِ اجابت بخشتا ہے، اور ان کی نداؤں کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں، سمعِ قبول سے سنتا ہے، حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اس نے ان کو معاف کر دیا، حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی، حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی، حضرت یونسؑ نے سمندر کی تہ میں سے خدا کو پکارا تو اس نے سنا، حضرت زکریاؑ نے خانوادۂ نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگیں، حاجتمندیوں میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے، تنہائیوں میں اسکی رفاقت چاہی، بیکسیوں میں اس کی نصرت مانگی، فقر و فاقہ میں اُس کے خزانۂ غیب سے مدد طلب کی، حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی، نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اُس کے سامنے شفیع بنایا، شریروں کے دفعِ شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈھا، اور ان میں سے ہر موقع پر آپ کے لئے قبول و اجابت کا دروازہ کھولا گیا،

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے، کہ آپ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے تو وہ نہ صرف اسی کے بلکہ اس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی[1]، صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ "رحمہ اللہ" یعنی خدا اس پر رحمت کرے، فرماتے تھے تو صحابہ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی[2]، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا، یہانتک کہ وہ بھی جو آپ کی دعوتِ حق کے سخت منکر تھے، اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعاؤں میں حیرتناک تاثیر ہے، مکہ میں جب قحط پڑا تو ابو سفیان نے بھی بحالتِ کفر اسی آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے رحمت کی درخواست کی[3]، ابو جہل وغیرہ روسائے قریش کے حق میں جو آپ کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، جب آپ نے بددعا کی تو وہ خوف سے کانپ اٹھے[4]، یہ واقعات بہ تفصیل پہلے گذر چکے ہیں، اس لئے یہاں موضوعِ سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے،

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی تو خدا نے ان پر قحط کا عذاب بھیجا، اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے، بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی رحمت عالم کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں، قریش کے بعض رئیسوں نے خدمت نبوی میں جا کر عرض کی کہ "اے محمد! تمھاری قوم برباد ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے، رحمتِ عالم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا قبول ہوئی خوب پانی برسا

[1] مسند احمد بروایت حضرت حذیفہؓ [2] صحیح مسلم باب غزوۂ خیبر [3] صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان وغیرہ [4] صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء و مسلم باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین،

اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی[1]،

رؤسائے قریش کے حق میں بددعا

آپؐ ایک دفعہ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض رؤسائے قریش نے عین حالت نماز میں آپؐ کی گردن مبارک پر نجاست ڈال دی، حضرت فاطمہؓ نے آکر جب یہ نجاست ہٹائی، اور آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام بنام دعا مانگی کہ "خداوندا! ان کو تو پکڑ"، چنانچہ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے[2]،

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا

ایک طرف قریش کے سربرآوردہ اصحاب، اور اسلام و داعیٔ اسلام کی عداوت اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے، اور دوسری طرف داعیٔ اسلام ان کی ہدایت و رہنمائی کے پُر محبت ولولوں سے معمور تھا ابوجہل و عمر کہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے، اُن ہی کی ہدایت کا پُرشوق ارمان آپؐ کے قلب مبارک میں سب سے زیادہ تھا، جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حربے اُن پر کامیاب نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب سے کارگر حربہ کو ان کے مقابلہ میں استعمال کیا جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی، آپؐ نے دعا فرمائی کہ "خداوندا! ابوجہل و عمر میں جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس سے اسلام کو معزز کر"[3] ابن ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے روایت

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان و صلوٰۃ الاستسقاء [2] صحیح بخاری غزوۂ بدر [3] جامع ترمذی مناقب عمرؓ بروایت ابن عمرؓ حدیث حسن غریب ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے اس میں اس قدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے، مگر اس روایت میں ایک راوی قابل اعتراض ہے، ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں سے بسند حسن مذکور ہے، (جلد ۳ حصہ اول صفحہ ۱۹۱) حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ) میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسند ابویعلی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے خصائص سیوطی میں ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی، ابن ماجہ، احمد اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے،

ہے کہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا، اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہیں گذرے تھے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، کارسازِ قدرت نے اس دعار کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا، روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی اور جس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہوئے، وہ سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ یعنی سورۂ حدید تھی، اس میں شک نہیں کہ بزاز طبرانی بیہقی اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے، اور سورۂ حدید مدنی ہے، اس کو حضرت عمرؓ اس وقت کیونکر پڑھ سکتے تھے، استاذ مرحوم نے الفاروق میں یہ واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن حدیث و سیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتوں سے مذکور ہوا ہے، ایک تو وہی مشہور صورت ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ میں ایک مسلمان سے ملاقات ہو گئی، اس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سن کر کہا کہ "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمھاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین میں داخل ہو چکے ہیں" حضرت عمرؓ غصہ میں اپنی بہن کے گھر گئے اور مار پیٹ کی بالآخر انھوں نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لیکر پڑھی، اور وہ سورۂ طٰہٰ تھی، اور جب اس آیت پر پہونچے،

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ میں ہوں خدا، کوئی خدا نہیں لیکن میں تو مجھکو

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ) یوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو،

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی،

یہ روایت بہ سند[1] ابن سعد، ابو یعلیٰ، دارقطنی حاکم اور بیہقی میں حضرت انسؓ بن مالکؓ سے مروی ہے لیکن حد درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے، اور ان دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے،

دوسری روایت مسند ابن حنبل میں[2] خود حضرت عمرؓ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں

---

[1] طبع اول میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا، کہ وہ "بہ سند صحیح" مذکور ہے، مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس رتبہ صحیح کا نہیں ثابت ہوا، دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں (باب الطہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ ص۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے، اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے، اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے: وھی منکرۃ جداً اور وہ نہایت ہی منکر ہے، کنز العمال (فضائل عمرؓ بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے، ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحینی اور اسامہ ابن زید بن اسلم ہیں، اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں، لیکن با ایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے تاہم اسمیں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو انکے مسلمان ہوجانے پر آزار دینا (بخاری اسلام سعیدؓ بن زید) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کے اسلام کیلئے دعاء خیر کرنا (ترمذی وحاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے، اسلئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے،

[2] جلد اول ص۱۷ میں، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اسلئے اس میں انقطاع ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چھیڑنے کو نکلا، آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے، اور نماز شروع کر دی اس وقت آپ نے سورۂ الحاقہ قرأت فرمائی میں کھڑا سنتا رہا، اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا دل میں کہا، خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریش کہا کرتے ہیں، ابھی یہ خیال تھا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی،

اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ وَّمَا	یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے، اور یہ
ھُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلًا مَّا	کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان
تُؤْمِنُوْنَ، (الحاقہ-۲)	رکھتے ہو،

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا، کہ اس کے بعد ہی آیت پڑھی،

وَلَا بِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلًا مَّا	یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم نصیحت
تَذَکَّرُوْنَ ہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ	پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے پروردگار کی
رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ، (الحاقہ-۲)	طرف سے اترا ہے،

آپ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا،

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرۃ میں لکھا ہے، اس لئے، وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابلِ قبول ہیں تو ان کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال

یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں تو ان کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے آپ کو نماز میں سورۂ الحاقہ پڑھتے سنا، اور اس سے ان کو اسلام کی طرف میلان ہوا جیسا کہ ان کے اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فَوَقَعَ الاسلام فی قلبی کل موقعٍ یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا" تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کار تھے، اس لئے اپنے اسلام کا انھوں نے اعلان نہیں کیا، بلکہ اس اثر کو وہ شاید روکتے رہے، لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا، اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا، اور جوش حق کا چشمہ ان کی زبان ودل سے بے اختیار ابل پڑا، اور فوراً درِ اقدس پر حاضری کی درخواست پیش کی، حضرت انسؓ کی اسی روایت میں ہے، کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خبابؓ جو حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۂ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے، اور حضرت عمرؓ کی آواز سن کر گھر میں چھپ گئے تھے، بے تامل نکل کر سامنے آگئے، اور بشارت دی کہ "اے عمر! نوید مژدہ! کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی تھی شاید اس کے پورے ہونے کا دن آگیا، حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ "خداوندا عمرؓ بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) سے اسلام کو عزت دے"۔

غور کرو کہ یہ دعائے نبویؐ کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، بلکہ اُن کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے، عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمر، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے، ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہو گئی۔

لہ صحیح بخاری، باب اسلام عمرؓ

اسلام کی اس عزت کو اگر سوانح فاروقی کے کارناموں میں تلاش کرو، تو دعائے نبوی کے قبول واجابت کا پُرحیرت سماں نگاہوں کے سامنے گذر جائیگا،

سراقہ کے گھوڑے کے پانوں کا دھنس جانا

جب آپؐ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے، تو کفار کے جاسوسوں میں سراقہ نے آپ کا پیچھا کیا، اور آپؐ اس قدر قریب آگیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا کے بول اٹھے کہ "ہم آلئے گئے"! آپنے اُن کی دل دہی کی، اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اس کے گھوڑے کے پانوں زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھکر کہا کہ "تم دونوں نے مجھے بد دعا دی، اب دعا کرو تو میں تمام لوگوں کو تمھارے تعاقب سے واپس لے جاؤں"؛ آپنے اس کے لئے دعا فرمائی، اور اس نے اس مصیبت سے نجات پائی، وہاں سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والوں کو واپس لے گیا،[1]

مدینہ کی آب وہوا کے لئے دعا

مدینہ کی آب وہوا اچھی نہ تھی، وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آکر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگوں کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا،[2] یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کر دے، جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے، الٰہی ہمارے صاع اور مد میں برکت دے، اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنا دے اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کر دے[3]"، یہ دعا حرف بہ حرف پوری ہوئی، مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ وصحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینہ وباب صیانۃ المدینہ [3] ایضاً باب الہجرۃ وصحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ،

وہ ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکرؓ و بلالؓ جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اٹھے تھے اس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے وبا کا دور ہونا خواب میں دکھایا گیا[1]،

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا

ہجرت سے پہلے مکہ میں جب قحط پڑا تھا، تو مسلمانوں نے نہیں کافروں نے جاکر آپ سے درخواست کی کہ دعا کیجئے، آپ نے دعا فرمائی تو پانی برسا[2] حضرت ابوطالب عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا،

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

محمد گورے رنگ والا ہے، اسکے چہرے کے وسیلہ سے ابر باراں کی سیرابی مانگی جاتی ہے یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہے،

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "آپ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے تو میں آپکے چہرۂ مبارک کو تکتا رہتا، اور ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا، آپ دعا مانگ کر منبر سے اترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور شور سے بہنے لگتا[3]، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گذرے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کو وسیلہ بناکر تیرے سامنے پیش کرتے تھے تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا[4]!"

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرویا والتعبیر، [2] صحیح بخاری ابواب الاستسقار [3] صحیح بخاری و ابن ماجہ ابواب الاستسقار، [4] صحیح بخاری ابواب الاستسقار،

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لیکر نکلے اور کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دعا مانگی، پھر قبلہ رخ ہو کر چادر الٹی اور دو رکعت نماز پڑھی، ابر آیا، پانی برسا اور لوگ سیراب ہو گئے،[1]

دعائے نبوی سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسب ذیل ہے، جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں قحط پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے، لوگ بھوکوں مر گئے، خدا سے دعا فرمایئے کہ ہم کو سیراب کرے، آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آئینہ کی طرح صاف تھا، اور اب ایک اندھی چلی، بادل امنڈ آئے اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے، ایک ہفتہ تک متصل پانی برستا رہا، یہاں تک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا، یا رسول اللہ مکانات گر گئے، دعا کیجیے کہ خدا پانی کو روک لے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور دعا فرمائی، بادل پھٹ گئے اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا،[2]

ابن ماجہ باب الاستسقا میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہو جاتا ہے،

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقا، [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و ابواب الاستسقا و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الاستسقاء بہ طرق متعددہ،

حضرت انسؓ کے حق میں دعاے برکت	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں، اور آپ کی خدمت میں بطور خادم

کے پیش کیا، اور ان کے لئے دعا کی درخواست کی، آپنے ترقی مال و اولاد کی دعا دی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بہ کثرت دولت ہی، اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے[1]، اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انسؓ بن مالک کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا، اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی،[2]

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم	ایک بار آپ قضاے حاجت کے لئے گئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کے رکھدیا، آپنے ان کو تفقہ

فی الدین کی دعا دی[3]، چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انھوں نے حبر الامۃ کا خطاب پایا،

حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعاے شہادت	ایک روز آپ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لیگئے انھوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں، اسی حالت میں

آپ کو نیند آگئی، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا "میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ"، ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمایئے کہ میں بھی انہی میں سے ہوں چنانچہ آپنے دعا فرمائی، اور امیر معاویہؓ کے

---

[1] مسلم فضائل انسؓ بن مالک [2] ترمذی مناقب انسؓ [3] مسلم فضائل عبداللہ بن عمر

زمانہ میں اُن کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجۂ شہادت حاصل کیا[۱]،

ایک نوجوان کی ہدایت کے لئے دعا حضرت ابوامامہ باہلی صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان نے آکر کہا کہ یارسول اللہ! مجھے زنا کی اجازت دیجئے، یہ سُن کر چاروں طرف سے اُن لوگوں نے ملامت شروع کی، آپ نے روکا، پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دلدہی سے پوچھا کہ "تم اس فعل کو اپنی ماں کے لئے پسند کرو گے؟" عرض کی "آپ پر قربان نہیں یارسول اللہ!" فرمایا "تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لئے نہیں پسند کریں گے" "تو کیا تم اپنی بیٹی کے لئے یہ پسند کرو گے؟" عرض کی نہیں یارسول اللہ! تو فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لئے اس کو نہ پسند کریں گے" "تو کیا اپنی بہن کے لئے یہ پسند کرو گے، گذارش کی" نہیں یارسول اللہ!" فرمایا تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لئے یہ پسند نہ کریں گے"، پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ نے پوچھا، اس نے وہی جواب دیا، اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے، اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھکر دعا کی، کہ "خداوندا! اس کے گناہوں کو بخش، اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر"، ابوامامہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا[۲]،

حضرت سعد بن ابی وقاص کی شفایابی کے لئے دعا حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ گیا، اور وہاں جاکر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے

[۱] بخاری کتاب الجہاد
[۲] مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۵۶ و بیہقی شعب الایمان

کے قریب ہو گیا، یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی، آپؐ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول اللہ! میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی، آپؐ نے فرمایا "نہیں انشاء اللہ"[1] پھر تین دفعہ دعا کی، کہ الٰہی سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے[2]، چنانچہ ان کو شفا ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے،

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا

ان ہی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حق میں آپؐ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! ان کو مستجاب الدعوات بنا[3]، چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی، کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہِ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی، حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے لئے آدمی بھیجا، وہ ایک ایک مسجد میں جا جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا، ایک محلہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے، یہ سن کر حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے، فرمایا "خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اس کو آزمائش میں ڈال" اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا، اور کہتا تھا کہ سعد کی بد دعا مجھے لگ گئی[4]، احادیث و سیر میں ان کی قبولیتِ دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں،

حضرت عروہؓ کے حق میں دعاے برکت

ایک بار آپؐ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ

[1] نسائی کتاب الوصیة [2] صحیح مسلم کتاب الوصیة [3] ترمذی مناقب سعدؓ بن ابی وقاص [4] صحیح بخاری کتاب الصلوٰة

اس کی ایک بکری خرید لائیں، انھوں نے اس سے دو بکریاں خرید کیں، ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا، اور آپ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا، آپ نے ان کو خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی، اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا[1]،

ابو امامہ باہلیؓ کے حق میں دعائے سلامتی

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں فوج بھیج رہے تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! میرے لئے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو" فرمایا خداوندا! ان کو سالم و غانم واپس لا، چنانچہ ہم صحیح و سلامت مال غنیمت لیکر واپس آئے، پھر کہیں فوج جانے لگی میں نے پھر وہی درخواست کی آپ نے پھر وہی دعا دی، اور پھر وہی ہوا، تیسری مرتبہ پھر یہی موقع پیش آیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے دو دفعہ دعائے شہادت کے لئے درخواست پیش کی، قبول نہ ہوئی، اب یہ تیسرا موقع ہے" آپ نے پھر وہی دعا دی، اور وہی نتیجہ تھا[2]،

حضرت ابو طلحہؓ کے حق میں برکتِ اولاد کی دعا

حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے فدا تھیں، ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا، حضرت طلحہؓ گھر سے باہر ہی تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا، بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا، ابو طلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ وہ آرام پا گیا، ابو طلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے، ابو طلحہؓ صبح کو اٹھے،

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ [2] مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ و ابو یعلیٰ و بیہقی،

غسل کر کے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو جانے لگے، تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی، ابو طلحہ رضہ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کا ماجرا سنایا، تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو، چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی، ایک انصاری کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابو طلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں، اور سب کی سب قرآن خواں تھیں؎۲

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں، اور ابو ہریرہؓ اُن کو دعوتِ اسلام دیتے تھے لیکن وہ نہیں مانتی تھیں ایک دن انھوں نے حسبِ دستور دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہا، حضرت ابو ہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی، وہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا، اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لئے ہدایت کی دعا فرمایئے، آپ نے دعا کی کہ "خداوندا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر" حضرت ابو ہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے، دیکھا کہ دروازہ بند ہے، ماں نے پاؤں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو، حضرت ابو ہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی، جب وہ غسل کر کے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمۂ شہادت پڑھا، حضرت ابو ہریرہؓ خوشی کے مارے اُلٹے پاؤں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو مژدہ سنایا، آپ نے خدا کا

؎۱ صحیح مسلم فضائل ابی طلحہؓ ؎۲ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من لم یظہر الحزن عند المصیبۃ

شکر کیا، اور دونوں کو دعا دی[1]،

اونٹ کا تیز ہوجانا ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا یا بیمار ہوگیا تھا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا، آپؐ نے دیکھا تو دعا دی، اور اب وہ اس قدر تیز ہوگیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پھر دریافت کیا کہ "اے جابر! اب کیا حال ہے"؟ عرض کی، آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی[2]،

بیمار کا اچھا ہونا آپؐ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے، جو ضعف سے چور ہوگئے تھے، آپؐ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے، انھوں نے کہا "ہاں میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے، وہ دنیا ہی میں دیدے" آپؐ نے فرمایا، سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی،

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ	خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں میں
فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا	بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے
عَذَابَ النَّارِ (بقرہ ۲۵۔)	محفوظ رکھ،

اس کے بعد آپؐ نے درگاہِ خداوندی میں دعا کی، اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی[3]،

سواری کی قوت آجانا حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے، جو گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے،

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ [2] بخاری کتاب الجہاد [3] صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراہۃ الدعا بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا،

ایک بار آپ نے ان کو ذی الخلیفہ کے تبخانے کے ڈھانے کے لئے بھیجنا چاہا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی، آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا، اور دعا دی کہ خداوندا! اسکو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے، اور اس کو ہادی و مہدی بنا! چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے[1]،

ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا | آپ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ" اس نے غرور سے کہا، میں اس سے کھا نہیں سکتا!" چونکہ اس نے غرور سے ایسا کہا تھا آپ نے فرمایا "خدا کرے ایسا ہی ہو" چنانچہ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ داہنے ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منھ تک نہیں لے جا سکتا تھا"[2]

قبیلۂ دوس کا مسلمان ہونا | ایک بار حضرت طفیل رضؓ دوسی اپنے رفقاء کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا "یا رسول اللہ دوس کے قبیلہ نے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا، آپ اس پر بد دعا فرمایئے لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی،

اَللّٰھُمَّ اھدِ دوساً وائتِ بِھِمْ[3] خداوندا دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا،

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضرِ خدمت ہوا،

دفعِ بے پردگی کے لئے دعا | ایک حبشیہ عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے، جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں میرے لئے دعا فرمایئے" ارشاد ہوا اگر صبر کرنا چاہو تو تمھیں جنت نصیب ہوگی، اور اگر کہو تو میں دعا کر دوں، کہ

---

[1] صحیح مسلم فضائل جریر بن عبداللہ بجلی [2] صحیح مسلم باب آداب الطعام والشراب و احکامہا [3] صحیح بخاری قصۂ دوس و کتاب الجہاد و مسلم فضائل غفار و اسلم و دوس وغیرہا،

خدا اُم کو صحت دے"، اس نے کہا "میں صبر کرتی ہوں لیکن سترِ عورت کے لئے دعا فرمائیے"،
چنانچہ آپؐ نے اس کے لئے دعا کی[1]،

سلطنتِ کسریٰ کی تباہی پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لئے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا، تو اس نے خط کو چاک کر کے پھینک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے اس کو بددعا دی، کہ اس کے بھی پرزے پرزے اڑ جائیں[2]، چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے،

دعاءِ برکت کا اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لئے دعا کی تھی کہ "خداوندا میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت دے" ایک تجارت پیشہ صحابی نے اس پر عمل کیا، اور اپنا سامانِ تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا، چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولتمند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی[3]،

طولِ عمر کی دعا ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا لڑکا مر گیا، تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسلِ جنازہ دینے والے سے کہا کہ "میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائیگا"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے، اور ان کو طولِ عمر کی دعا دی، چنانچہ انھوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی،[4]

---

[1] صحیح مسلم باب ثواب المؤمن فیما یصیبہ من المرض وکتاب البر والصلة [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد [3] ابوداؤد و ترمذی ابن ماجہ صفحہ ۱۶۳ باب ما یرجی من البرکة فی البکور و مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۳۲ عن صخر الغامدی [4] نسائی کتاب الجنائز صفحہ ۲۰۶ و ادب المفرد امام بخاری،

ایک بچہ کی ہدایت کیلئے دعا رافع بن سنان نے اسلام قبول کر لیا، لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی، اس سعادتِ ابدی سے انکار کیا، اب اختلافِ مذہب کی بنا پر لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی، بارگاہِ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا، اور کہا کہ لڑکی کو بلاتے جاؤ، دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی، آپ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ "خداوندا! اس کو ہدایت دے"، اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رُخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا، یہ ابوداؤد کی روایت ہے[1]،

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک واقعہ ابوسلمہ صحابیؓ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچہ تھے، ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا، دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا، پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف چلا، آپ نے فرمایا، "خدایا! اس کو ہدایت دے"، فوراً بچہ مسلمان عزیز کی طرف چلا گیا، اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا[2]،

---

[1] ابوداؤد ج ۲ ص ۲۲ کتاب الطلاق باب اذا اسلم الابوان مع یکون الولد [2] ابن ماجہ باب تخییر الصبی بین ابویہ میں بھی یہ روایت ہے،

اثنائے میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گذری تھی اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو کئی کئی دن گذر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایسی حالت میں اگر برکتِ الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا، اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور فیضِ روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے،

تھوڑے سے کھانے میں ستر اسی آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں، گھر میں آئے اور بی بی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے جَو کی چند روٹیاں ڈوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجیں، وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سامنے کھڑے ہوئے تو آپ نے پوچھا کیا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اٹھے، اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لائے،

حضرت انسؓ نے ان کی خبر کی، تو انھوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلمہؓ سے کہا کہ جو کچھ تمھارے پاس ہو لاؤ، انھوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کو چورا کیا گیا اور ام سلمہؓ نے گھی کا برتن انڈیل دیا، جس نے سالن کا کام دیا، لیکن ان ہی روٹیوں میں یہ برکت ہوئی کہ آپؐ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کر کھلاتے تھے، اور وہ شکم سیر ہو ہو کے جاتے تھے، یہاں تک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے،[1]

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے، اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں، صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا، آپ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلئے تاکہ آپؐ کے ادب سے قرضدار مجھ پر سختی نہ کریں، آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا، اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی، اور اسی پر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ، آپ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا، اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کو دی گئی تھیں، اتنی ہی بچ رہیں،[2]

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [2] ایضاً،

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونکہ اصحابِ صفہؓ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا، اس لئے آپؐ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحابِ صفہ میں سے ایک کو اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو، وہ دو کو اپنے ساتھ لیجائے اور کھانا کھلائے، چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آئے، یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے یہاں کھانا کھایا، اور آپؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی، اس لئے کسی قدر رات گذر گئی، وہ گھر میں دیر کرکے آئے تو ان کی بیوی ام رومانؓ نے کہا مہمانوں کو چھوڑکر کہاں رہ گئے؟ انھوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمھارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے، اور ان لوگوں کو کھلانا شروع کیا، وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے، اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہوکر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا، حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومانؓ کی طرف مسرت سے دیکھا، اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لئے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیج دیا، وہ کھانا آپؐ کے گھر میں صبح تک رہا، دوسرے روز آپؐ کی خدمت میں ۱۲ آدمی آئے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے، آپ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیج دیا اور لوگ بھی سیر ہو گئے[1]۔

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ،

گھی کی مقدار میں برکت

امام مالکؒ کا دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں، جب ان کے بچے سالن مانگتے، اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گھی بھیجتی تھیں اٹھا لاتیں، اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا، ایک دن انھوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا، پھر آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے فرمایا "اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا"[1]

جو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپ سے غلہ مانگا، آپ نے تھوڑے سے جو دیدیئے، اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لئے اپنی بیوی کے لئے، اپنے مہمان کے لئے اس میں سے صرف کرتا تھا، اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی، ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا، اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا[1]،

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں، وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے ایک صاع جو نکالا، اور گھر میں ایک بکری تھی، حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا، اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا، تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لینے کے لئے چلے، بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ کے ساتھ لوگوں کو لاکر مجھے رسوا نہ کرنا، حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ کے کان میں

۱؎ صحیح مسلم باب معجزات النبیؐ و مسند احمد عن جابرؓ ۲؎ صحیح مسلم باب معجزات النبیؐ و مسند احمد عن جابرؓ،

کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے، آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے، لیکن آپؐ نے تمام اہلِ خندق کو پکارا کہ "آؤ جابرؓ نے دعوت عام کی ہے"، اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آلوں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے، اور روٹی نہ پکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو لیکر روانہ ہوئے، حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے بُرا بھلا کہنا شروع کیا، انھوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی، آپ آئے تو بی بی نے آپکے سامنے آٹا پیش کیا، آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا، اور برکت کی دعا دی، پھر اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا، اور دعاے برکت کی، اس کے بعد آپ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا، کم وبیش ایک ہزار آدمی تھے، سب کھا کر واپس گئے لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی [۱]

تھوڑی سی زادِ راہ میں غیر معمولی برکت

غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دیدی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؐ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ بچا ہوا زادِ راہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعاے برکت کریں، ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے، آپ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زادِ راہ جمع کرا دیا اور اس پر برکت کی دعا کی، پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں، لوگوں نے تمام برتن بھر لئے اور خوب سیر ہو کر کھایا، یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا، [۲]

---

[۱] بخاری جلد ۲ ص۵۸۹ ذکر غزوۂ خندق [۲] صحیح مسلم جلد اول ص۳۲ مصر کتاب الایمان،

تھوڑی زادِ راہ میں عظیم برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے صحابہؓ بھوک سے اس قدر بیتاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں، لیکن آپ نے تمام لوگوں کے زادِ راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی، اور اشخاص کی تعداد ۱۴ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا، اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے، کھانے کے بعد آپ نے پانی طلب فرمایا، ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے آپ نے اس کو پیالے میں انڈیل دیا، اور ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا،[1]

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا اور وہ گوندھا گیا، پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا، آپ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی، اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، اور ہر شخص کو تقسیم کی، گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا، اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے، اور بچ بھی گیا،[2]

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں، وہ گئے، تو آپ نے پوچھا کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے، حضرت انسؓ نے گھر میں آکر پوچھا

---

[1] مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ مصر باب خلط الازواد اذا قلت [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۱ کتاب الاطعمہ،

توحضرت ابوطلحہؓ نے آپ سے آکر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو اُمّ سلیمؓ نے تیار کیا ہے، آپ تشریف لائے، اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا، تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ، اس طرح چالیس آدمی دس دس کرکے آئے، اور شکم سیر ہوکر کھایا، لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی،[1]

قلیل تعداد میں کثیر برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا، توحضرت انسؓ کی والدہ اُمّ سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کھانا ہوتا ہے) تیار کیا، اور ایک طشت میں کرکے حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا، حضرت انسؓ کھانا لیکر آئے تو آپ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا، تقریباً تین سو آدمی جمع ہوگئے، آپ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کر بیٹھ جائیں، اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کردیں، تمام لوگ کھاکر آسودہ ہوگئے، لیکن اس میں اس قدر برکت ہوئی، کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں، کہ مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھاکر رکھا، اس وقت کھانا زیادہ تھا، یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا،[2]

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت

سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے، کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر بڑھتی کیونکر ہوتی جاتی تھی، انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے بتایا، کہ وہاں سے،[3]

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۰ کتاب الاطعمہ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۵۰ کتاب النکاح [3] ترمذی ۶۰۲ باب ما جاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا تو اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن اُس کا مقصد اپنی حالتِ زار کی طرف توجہ دلانا تھا، وہ گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، پھر حضرت عمرؓ گذرے، انھوں نے اسی غرض سے اُن سے بھی ایک آیت پوچھی، لیکن انھوں نے بھی بے التفاتی کی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، اور آپ نے اُن کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کرلی، اور اُن کو پکارا، حضرت ابوہریرہؓ نے لبیک کہا اور ساتھ ہولئے، آپ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا ایک پیالہ بھرا ہوا نظر آیا، پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے، آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحابِ صفہ کو بلا لائیں، حضرت ابوہریرہؓ کو یہ ناگوار گذرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا، لیکن آپ کی تعمیلِ ارشاد سے چارہ نہ تھا، مجبوراً اصحابِ صفہ کو بلائے گئے، اور سب کے سب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، آپ کے حکم سے حضرت ابوہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا، جب سب کے سب سیراب ہوگئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا، اور ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے، اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں، آؤ بیٹھو، اور پینا شروع کرو، آپ اُن کو متصل پلاتے رہے، یہاں تک کہ وہ خود بول اُٹھے کہ اب گنجائش نہیں، اس کے بعد آپ نے خود پیالہ لیا، اور جو کچھ بچ گیا تھا بسم اللہ کر کے پی گئے، [1]

بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ کے لئے گوشت پکایا، چونکہ آپ کو بکری ہی کا

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۵۶ کتاب الرقاق

دست نہایت مرغوب تھا، انھوں نے آپ کو دونوں دست دیئے، جب آپ اُن کو تناول فرما چکے، تو پھر دست مانگا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں، ؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تم خاموش رہتے، تو میں جس قدر دست مانگتا، تم مجھے دیتے رہتے[1]

بکری کے تھنوں میں برکت

حضرت مقداد سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا، اور تمام صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی، بالآخر ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ہم کو گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں، آپ نے فرمایا کہ اُن کا دودھ دوھ کر پیا کرو، چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کے اپنا حصہ پی لیتے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھدیتے تھے، آپ رات کو آتے تو پہلے نرم آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتے، اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے، ایک دن جب کہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا، شیطان نے مجھ کو دھوکا دیا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے یہاں سے آتے ہیں، وہ آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں، اور آپ اُن کو تناول فرماتے ہیں آپ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں، میں اس کے دھوکے میں آگیا، اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا، جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہکر چلتا ہوا کہ کمبخت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ پی گیا،

[1] شمائل ترمذی، باب صفۃ آدام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

جب آپ تشریف لائیں گے، اور اپنے حصّہ کو نہ پائیں گے، تو تجھ کو بد دعا دیں گے، اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا" چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی، آپ تشریف لائے، حسب معمول سلام کیا، اور نماز پڑھی، اس کے بعد دودھ کو کھولا، تو آپ کا حصّہ غائب تھا آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا، اور میں سمجھا کہ اب آپ مجھ پر بد دعا فرمائیں گے، اور میں ہلاک ہو جاؤں گا، لیکن آپ نے یہ دعا فرمائی "خدا وندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا، اس کو کھلا، اور جس نے مجھے پلایا، اُسے پلا" اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ اُن سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے، اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا، کہ کبھی اس قدر دودھ ہوگا، کہ اس میں دوہا جائے گا، لیکن میں نے اسمیں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا، اور اوپر جھین نظر آنے لگا، میں نے دودھ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے فرمایا، کیا تم اپنا حصّہ پی چکے، میں نے کہا آپ پی لیجئے، آپ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا، میں نے عرض کی کہ آپ نوش جان فرمائیے، آپ نے پی لیا، اور مجھے عنایت فرمایا، چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سیر ہو گئے، اور آپ کی دعا کی برکت میں مَیں شامل ہو گیا، تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا، اور آپ کی خدمت میں اوّل سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا[1] یہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۸، مصر باب اکرام الضیف؛

خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا، کہ وہ بھی پیتے، میں نے کہا کہ جب میں نے آپ کے ساتھ پی لیا، تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ کسی اور نے پایا نہیں،

ایک دستِ جو کی برکت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا، تو میں نے اُسی کو کھانا شروع کیا، تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا، تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہوگیا، یعنی اس کی وہ برکت جاتی رہی[1]،

توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا،

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں، پہلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا "کیسا توشہ دان؟" انھوں نے کہا، آپ ایک غزوہ میں تھے، رسد ختم ہوگئی تھی، آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا، کہ ابوہریرہ کچھ تمھارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں، ارشاد ہوا وہ لے آؤ، میں لایا، تو آپ نے اُن کو دسترخوان پر پھیلا دیا، اکیس کھجوریں تھیں، آپ ایک ایک کھجور لے کر اور اُس پر خدا کا نام پڑھ پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ نے سب کو ملا دیا، اور حکم دیا، کہ دس دس آدمی اگر شریک ہوں، چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے، اور پوری فوج سیر ہوگئی، اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ان پر میرے لئے برکت کی دعا فرمایئے، آپ نے دعا کی، میں نے اُن کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا، اُن کی برکت یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں، اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے

[1] صحیح بخاری و مسلم ۱۱۲

راہِ خدا میں خیرات کی، حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ تک میں اس میں سے کھاتا رہا،

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں، توشہ دان بھی جاتا رہا[1]،

تھوڑی سی کھجوروں میں برکت حضرت دکینؓ اور نعمان بن مقرنؓ صحابی کہتے ہیں، کہ ہم لوگ چارسو چودہ آدمی خدمتِ نبویؐ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے، اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، اونھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا، جاؤ اور ان کو کھلادو" عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں، یہ کہکر حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے، اور ایک جگہ لاکر بٹھایا، اور جو کھجوریں تھیں، وہ سامنے لاکر رکھدیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی، کہ ہم سب سیر ہوگئے لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی[2]،

---

[1] مسند احمد، جامع ترمذی، ابن سعد، ابن حبان بیہقی [2] مسند احمد عن دکین وابوداؤد ابن حبان وابن سعد عن نعمان بن مقرن،

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک و ریگستانی ملک میں سب سے کمیاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہے، دنیا کے فاتحوں اور کشورکشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے، اُن میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے، چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لئے اس صحرائے لق و دق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں، غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکاتِ الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ ساتھ نہ ہوتے، تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰؑ کی ذات ہے جن کے لئے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں لیکن رسولِ عرب کے لئے مشکیزہ کا چمڑا، گوشت و پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہانِ مبارک کی کلّیاں متعدد دفعہ پانی کا چشمہ ثابت ہوئیں۔

مشکیزہ سے پانی اُبلنا

ایک دفعہ آپ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی، اور آپ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے، آپ نے شریکِ جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی، تو انہوں نے جنابت کا عذر کیا، چونکہ پانی نہ تھا، اس لئے اُن کو آپ نے تیمم کا حکم دیا، اس کے بعد آپ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو مشکیزوں

میں پانی لاد کرلئے جارہی تھی، ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اُس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے، پھر اُن لوگوں نے دریافت کیا کہ تمھارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اُس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی، وہ لوگ اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا، آپ کے دستِ مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہوکر پانی پیا، اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھرلئے، اس کے بعد آپ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کراکے اس عورت کو دیئے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت و استعجاب سے لبریز تھی، اُوس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اُس عورت کے مسلمان ہوگیا[1]،

انگلیوں سے پانی جاری ہونا ایک دن آپ مقام زورا میں تھے، عصر کا وقت آگیا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پانی کی جستجو شروع کی لیکن صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ملا، جب آپ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا، تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا، اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا، یہاں تک کہ تقریبًا تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا[2]،

پانی کا بڑھ جانا، آپ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا، لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا، پھر پیالے پر آپ نے انگلیاں پھیلا دیں، پانی کی مقدار میں اس قدر برکت

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوہ [2] صحیح بخاری صحیح مسلم جامع ترمذی، باب معجزات

ہوئی کہ تقریبًا ستر آدمی کے وضو کے لئے کافی ہوا[1]،

انگلیوں کی برکت ایک بار نماز کا وقت آیا، تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا، وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لئے چلے گئے لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا، آپنے اُس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا، تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ کی ہتیلیاں اُس کے اندر نہ پھیل سکیں، اس لیے آپنے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں، اور وہ پانی تقریبًا اسی آدمیوں کے وضو کے لئے کافی ہوا[2]،

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا صلح حدیبیہ کے دن صحابہ پیاس سے بے تاب ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا آپنے اس سے وضو کرنا شروع کیا تو تمام صحابہ آپ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے، آپنے اس بے تابی کی وجہ پوچھی، تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لئے صرف یہی پانی تھا، آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا، اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا، چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے، سب نے اس سے وضو کیا، اور سیراب ہوکر پانی پیا[3]،

کُلّی سے پانی بڑھ جانا دوسری روایت ہو کہ صحابہ اُس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا، اور اس کا تمام پانی اُدیچ لیا، یہاں تک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے، اور تھوڑا سا پانی منہ میں لیکر اُس میں کلی کردی، تھوڑی دیر میں اس قدر اُبلا کہ تمام صحابہ اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے[4]،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد عن انس رضی اللہ عنہ بن مالک، [2] صحیح بخاری باب معجزات [3] ایضًا [4] ایضًا،

ہاتھ منھ دھونے کی برکت غزوۂ تبوک کے سفر میں دو دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جارہے تھے، ایک دن عشا، اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر فرمایا کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہونچو گے لیکن جب تک میں آ نہ لوں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے، لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اولیچنا شروع کیا، پانی ایک گڈھے میں جمع ہوگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں منھ ہاتھ دھوئے، پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا، تو وہ پانی[1] سے ابل گئی،

انگلیوں کی برکت آپ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انھوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا، پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی ٹھنڈا کرکے رکھتے تھے، حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی، تو آپ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا، لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی ملا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہوکر رہ جاتا، حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی، تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا، اور ہاتھ میں لیکر کچھ پڑھا، اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کرکے آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈھالنا شروع کیا تو پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی امنڈا، پھر تمام طشت بھر گیا، یہانتک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہوگئے، اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا،[2]

---

[1] مسلم باب معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] مسلم باب حدیث جابر الطویل،

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آگیا، صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا، آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور اُن کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا، یہاں تک کہ ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔ اور سیراب ہوئے،

تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپ سفر میں تھے، صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے، اور چند اشخاص سے جو ساتھ تھے کہدیا کہ نماز کا خیال رکھنا لیکن سب کے سب سو گئے، اور سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو دن نکل چکا تھا، اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ نے کوچ کرنے کا حکم دیا، دن چڑھا تو آپ نے سواری سے اُتر کر وضو کیا، تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا، کہ اس کو محفوظ رکھنا، اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا، جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپ قافلہ سے جا ملے، لوگوں نے کہا کہ "یا رسول اللہ! پیاس نے ہم کو مار ڈالا" آپ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے" یہ کہکر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قتادہؓ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا، اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔"

انگلیوں سے پانی اُبلنا

حبان بن بح الصدائیؓ کا بیان ہے کہ میری قوم حالت کفر میں تھی، مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے لئے فوجی تیاریاں فرمارہے ہیں، میں آیا، اور آپ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے، پھر میں نے رات بھر آپ کے ساتھ سفر کیا، جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی، آپ نے پانی کا ایک برتن مجھے عطا فرمایا، میں نے اس سے وضو کیا، پھر آپ نے اپنی انگلیاں اُس میں ڈال دیں، اور اُن کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی اُبلنے لگا، آپ نے

---

۱ بخاری جلد ۲ ص ۸۴۲، کتاب الاشربہ ۲ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ،

حکم دیا کہ جو شخص چاہے اُس سے وضو کرے۔[۱]

ایک اور واقعہ | حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے، چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، پانی کی کمی شکایت ہوئی تو آپ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا، وہ ایک برتن میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، اور آپ نے اس میں ہاتھ ڈالکر فرمایا کہ وضو کرو مبارک پانی کی طرف دوڑو خدا کی طرف سے برکت ہوگی" میں نے دیکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا ہے۔[۲]

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کئے گئے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں، لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا، اس لئے اُن کو مستقل واقعات کی صورت دیدی گئی ہے۔

---

[۱] مسند امام احمد بن حنبل، جلد ۴ ص ۱۶۹ [۲] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام

اطلاعِ غیب

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا o اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے، کہ "غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں"، چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں، اور اُن کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت سے خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا،

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ (یونس)	کہدو (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کے لئے ہے،
قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ	کہدو (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان و
الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل،)	زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا،

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں، اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں، چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاء کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا،

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ	جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کریگا اور کہے گا
مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا	کہ تم کو کیا جواب دیا گیا، وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں
اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ ۵)	غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الانبیاء تھے، اُن کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے،

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ	کہدو (اے پیغمبر) کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ۝

(انعام - ۵)

خزانے میرے قبضہ میں ہیں، اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا،

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اعراف ۲۳)

کہدو اے پیغمبر! کہ میں اپنے آپ کیلئے کسی نفع و ضرر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ خدا جو چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھا لیتا، اور مجھکو کبھی مصیبت نہ پہنچتی، لیکن میں تو ایماندار قوم کو ڈرانے والا اور

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا، اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ کو بتائی گئی تھیں، البتہ خدائے تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا، چنانچہ صاف ارشاد ہوا،

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ،

(بقرہ ع ۳۴)

وہ (یعنی مخلوقاتِ الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے،

سورہ جن میں فرمایا،

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن ۲)

اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، لیکن اس پیغمبر پر جس کو

دوسری جگہ سورہ آل عمران میں فرمایا،

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ	اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ	لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو
يَّشَآءُ ، (آل عمران ١٨)	چاہتا ہے (اس کے لئے) چن لیتا ہے،

امور غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کردی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے،

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ	(اے پیغمبر!) لوگ تجھ سے قیامت کی
مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ	نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز
لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي	ہوگی، کہدو کہ اس کا علم تو صرف میرے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا	پروردگار ہی کو ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو
بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ	ظاہر کریگا، وہ وقت آسمان و زمین پر
عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ	بڑا بھاری ہوگا، وہ دفعۃً آجائیگا، تجھ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اعراف ٢٣)	سے وہ قیامت کا حال اس طرح پوچھتے

ہیں گویا تو اس کی تحقیق میں لگا ہوا ہے، کہدے کہ اس کا علم تو صرف خدا کو ہے، لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

صحاح میں حضرت جبریلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اُس میں جس میں انھوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے ہیں، اور آپ نے اُن کے جوابات دیئے ہیں، اس کے آخر میں وہ پوچھتے ہیں، کہ قیامت کب ہوگی، اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ	جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے سے اس بات میں زیادہ

وساحدثك عن اشراطها (کتاب الایمان مسلم بخاری) علم نہیں رکھتا، ہاں میں اسکی علامتیں بتادونگا،

صیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے، وہ جھوٹا ہے قرآن نے صاف کہدیا ہے،

وَمَا تَدْرِی نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کریگا،[1]

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپکے سامنے بیٹھی کچھ گارہی تھیں، گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا،

وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ، ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی ہونیوالی بات جانتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا،[2] حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں، اس کے بعد آپنے یہ آیت پڑھی،[3]

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ (لقمان - ۴)

خدا ہی کے پاس اس آنیوالی گھڑی کا علم ہے، وہی پانی برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹوں میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا اور نہ یہ کوئی جانتا ہے کہ کس زمین میں وہ مرے گا

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں، جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی، اور نہ خدا کے سوا یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا، اور خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا، اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے، کہ وہ کہاں مرے گا[4]

[1] صیح بخاری تفسیر نجم [2] صیح بخاری کتاب النکاح [3] صیح بخاری تفسیر لقمان [4] صیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ باب عالم الغیب

بہرحال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً ان کی اطلاع دیتا تھا، سورۂ ہود میں بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے،

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ، مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ، (ہود-۴)

یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں، نہ تو اُن کو جانتا تھا اور نہ تیری قوم جانتی تھی،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا،

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ، (تکویر-۱)

یعنی آپ کو امور غیب میں سے جس کی تعلیم دیجاتی ہے تو آپ اپنی اُمت کو اُس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا، آپ نے صحابہ کے ساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی، اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و موثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا،

یا امة محمد واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا (صحیح بخاری باب الصدقۃ فی الکسوف و تفسیر مائدہ)

اے گروہ محمد! خدا کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ،

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا،

هل ترون قبلتی ههنا فواللہ ما یخفی علی خشوعکم ولا رکوعکم

تم دیکھتے ہو کہ میرا رُخ اِدھر ہے لیکن خدا کی قسم مجھ سے (نماز میں) نہ تمہارا خشوع اور نہ

انی لاراکم من وراء ظھری	رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تم کو اپنی پیٹھ
(بخاری)	کے پیچھے سے دیکھتا ہوں،

دوسری روایت میں ہو کہ آپنے فرمایا،

اِنی لاراکم من ورائی کما	میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح
اراکم، (بخاری باب عظۃ الامام الناس)	میں تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں،

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے، بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کئے جن کو آپنے پسند نہیں کیا، آپ کو جوش آگیا، آپنے فرمایا، سلونی عمّا شئتم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرلو، ایک شخص نے اٹھ کر کہا یارسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ" دوسرے نے اُٹھ کر کہا، اور میرے باپ کا نام کیا ہو فرمایا "سالم غلام شیبہ" اور بار بار آپ فرماتے جاتے تھے" پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے" یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی یارسول اللہ! ہم کو اپنا پروردگار، محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے[1]

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپنے صبح کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی اس سے فارغ ہوکر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا، اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا یعنی آغاز آفرینش سے لیکر قیامت تک کے واقعات، پیدائش عالم، علامات قیامت فتن، حشر و نشر سب کچھ سمجھایا، صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے، بعضوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم

کو بہت کچھ یاد ہے، ان واقعات میں سے جب کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے، پھر اس کو دیکھ کر یاد آجاتی ہے۔[1]

نجاشی شاہ حبش جس کے سایۂ حکومت میں جاکر مسلمانوں نے پناہ لی تھی، اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا، جس دن اُس نے حبش میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس سانحہ کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی، اور اس کے بعد اُس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی۔[2]

سنہ ۸ھ میں جب غزوہ موتہ پیش آیا، تو آپ نے فوج کا علم زید بن حارثہ کو عنایت کیا، اور فرمایا کہ جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے، جب وہ بھی جان بحق ہوں تو عبد اللہ بن رواحہؓ اس خدمت کو انجام دیں، اور جب وہ بھی کام آجائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں، اپنا سردار بنائیں، یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا، میدانِ جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی، اُن کی جانشینی جعفرؓ نے کی، وہ بھی جب علمِ نبوت پر قربان ہو چکے تو عبد اللہ بنؓ رواحہ نے پیش قدمی کی، جب وہ بھی نثار ہو گئے، تو مسلمانوں نے خالد بنؓ ولید کو اپنا افسر بنایا، چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا، اس لئے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا، عین اُس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر درپیش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبویؐ میں منبر پر تشریف فرما تھے، دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور فرما رہے تھے،

[1] صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعہ، [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم

علم کو زیدؓ نے لیا، وہ بھی شہید ہوئے پھر جعفرؓ نے لیا، وہ بھی جان بحق ہوئے، تو عبد اللہ بن رواحہؓ نے لیا انھوں نے بھی شہادت پائی تو خالد بن ولیدؓ نے لیا، اور ان کو فتح دی گئی،"[1]

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا، صحابہ نے دیکھا تو اُس کی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ جہنمی ہے" صحابہ کو اس پر تعجب ہوا اور ایک صحابی اُس کے پیچھے ہو لئے، ایک موقع پر اُس کو سخت زخم لگا، اور اُس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کر لی، وہ صحابی خدمتِ مبارک میں دوڑے ہوئے آئے، اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں" آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا واقعہ ہے، انھوں نے عرض کیا کہ ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہو لیا، میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اُس نے خودکشی کر لی ہے"[2]

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا کسی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص شہید ہو گیا، فرمایا کہ "یہ ناممکن ہے، شہادت اس کے لئے کہاں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ مالِ غنیمت میں سے اُس نے ایک عبا چرائی تھی،"[3]

مسلمانوں نے سنہ ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں، اس لئے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے، لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر

[1] صحیح بخاری کتاب بجنائز و باب علامات النبوۃ فی الاسلام و غزوۂ موتہ [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد ص ۴۰۰ باب العمل بالخواتیم ۹۷۰، [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی الغلول،

واپسی شاق ہوئی، اور انھوں نے کہا کہ ہم فتح حاصل کئے بغیر چلے جائیں، آپنے فرمایا "اچھا کل پھر قسمت آزمائی کرلو" چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے، تو اُن کو زیادہ نقصانات پہونچے، شام ہوئی، تو آپنے فرمایا کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائیں گے، مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا، اور آپ مسکرا دیئے[1] یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمھیں میری طرح حقیقتِ حال کا علم نہ تھا،

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن اُمیہ دونوں خانۂ کعبہ میں بیٹھکر بدر کے مقتولین پر ماتم کررہے تھے، اور بالآخران دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی، کہ عمیر مدینہ جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کرآئے، اور اگر وہ مارا گیا، تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لیگا، عمیر یہاں سے اٹھکر گھر آیا، اور تلوار کو زہر میں بجھاکر مدینہ کو چل کھڑا ہوا، مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اُس کو دیکھ لیا، وہ اُس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے آپنے پوچھا کہ "عمیر یہاں کس ارادہ سے آئے ہو"؟ اُس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں فرمایا کیوں نہیں! کیا تم نے اور صفوان نے خانۂ کعبہ میں بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سُن کر سناٹے میں آگیا، اور اُس کو سخت تعجب ہوا، اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد بیشک تم خدا کے پیغمبر ہو، خدا کی قسم میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی،[2]

حضرت وابصہ اسدی صحابیؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں، لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، آپنے فرمایا،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم غزوہ طائف [2] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر ص ۱۳۵۴، طبع یورپ،

وابصہ! میں تمھیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟" عرض کی ارشاد ہو فرمایا "تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو" عرض کی قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا آپنے سچ فرمایا، ارشاد ہوا نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمھارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو، اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اُس کے کرنے کا فتوی ہی کیوں نہ دے دیا ہو"[۱]

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی، بکری ذبح کی، اور آپ کو اور دیگر رفقاؓ کو کھانا کھانے کے لیے بلایا، آپ تشریف لے گئے، اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا "یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے" واعیہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں، اور ہم اُن کی چیز[۲] دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی، اُس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دیدی،

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کی دعوت کی، کھانے میں بکری کا گوشت تھا، آپنے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا، ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا، کہ آپنے صحابہ سے فرمایا، کہ ہاتھ روک لو اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے" اس کے بعد آپنے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے جب وہ جمع ہو چکے تو آپنے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا تم سچ سچ بتاؤ گے انھوں نے

---

[۱] مسند ابن حنبل حدیث وابصۃ الاسدی و ابویعلی و بیہقی و ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء ذکر وابصہ بن معبد الجہنی دیگر

[۲] سنن نسائی و حاکم فی المستدرک عن جابر،

نے ہاں کہا، آپنے فرمایا تمھارے باپ کا کیا نام ہے،؟ انھوں نے کچھ بتایا، آپنے فرمایا، تم جھوٹے ہو، تمھارے باپ کا یہ نام ہے، اس امتحان کے بعد آپنے دریافت فرمایا، کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا، انھوں نے کہا ہاں، آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا،"[1]

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کرکے مشہور ہیں، جس شب کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت فرمائی، انھوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی، لیکن کفار نے اُن کو روک دیا، وہ رات بھر کھڑے رہے، اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا، کفار نے اُن کی اس حالت کو دیکھ کر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضے نے خود ہی مجبور کر دیا ہے، یہ کہکر وہ چلے گئے، انھوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پاکر مدینہ کا راستہ پالیا، کافروں نے اُن کو پکڑ لیا، آخر کچھ زر و نقد دیکر اُن سے رہائی حاصل کی، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انکو دیکھنے کے ساتھ فرمایا، اے ابو یحییٰ! تمھاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی، حضرت صہیبؓ نے عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر کرتا، یہ یقیناً آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا،[2]

حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا، کہ تم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اتنے دن ہو گئے، کیوں نہ گئے، انھوں نے معذرت کی، اور کہا کہ آج جاکر اپنی اور آپ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا، چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جاکر حاضر ہوئے عشا کی نماز کے بعد

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الدیات و دارمی باب کلام الموتی و بیہقی، [2] مستدرک حاکم جلد ثالث صفحہ ۴۰۰ بروایت صحیح ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر ہجرۃ صہیبؓ،

جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا کون! حذیفہ!! خدا تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت کرے[۱]" گویا سوال سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمعِ اقدس تک پہونچ چکی تھی،

صحابہ کو آپ کی اس قوتِ اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے صحابہؓ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس سے باخبر کردے، یہاں تک کہ حضرت ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل کر ملتے ہوئے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل ہو جائے، تو رسوائی ہو[۲]، علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ کو ایک ایک کرکے واقفیت تھی[۳]،

---

[۱] جامع ترمذی مناقب حسنینؓ [۲] صحیح بخاری، مسند احمد ج ۲ ص ۶۲ [۳] صحیح بخاری

اہلِ کتاب کے سوالات کا جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے، یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی، توراۃ و انجیل اور علمائے یہود و نصاریٰ نے اُن کی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا، اور یہی آخری چیزیں اُس وقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں، اور عوام میں انہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی، بایں ہمہ آپ کا اُن کے سوالات کا صحیح جواب دینا آپ کی روحانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے۔

مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفارِ عرب کو عموماً آپ کے اس دعویٰ پر یقین نہیں آیا، اسلئے انھوں نے معجزات طلب کیے، اور جب وہ دکھائے گئے تو اُن کو سحر اور جادو کہنے لگے، پھر اُن کو خیال آیا، کہ یثرب، خیبر اور شام میں جاکر یہودیوں سے ملیں، اور اُن سے پوچھکر چند ایسے سوالات دریافت کریں، جن کے جوابات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مانگے جائیں، اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں، اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو اُن کو اُن کے جوابات بتا سکے گا، اس لیے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے، اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی، اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا، اس خیال کی بنا پر وہ

یہودیوں سے جاکر ملے، اُن سے آپکے حالات بیان کئے، اور آپ سے پوچھنے کے لئے اُن سے چند سوالات مانگے، چنانچہ انھوں نے چند سوالات دیئے کہ یہ جاکر اس سے پوچھو اگر وہ پیغمبر ہوگا توہرگز اُس کا جواب دے سکے گا،

یہ تین تاریخی سوالات تھے، اصحابِ کہف کا حال حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات کا واقعہ اور ذوالقرنین کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیئے، اور آپنے اُن کو پڑھکر کفار کو سُنایا، چنانچہ سورۂ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں، اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے، کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے،

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِي ٱلْقَرْنَيْنِ قُلْ	اور کفار تجھ سے (اے پیغمبرؐ) ذوالقرنین
سَأَتْلُوا۟ عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ،	کا حال دریافت کرتے ہیں، کہدے کہ میں
(کہف ۱۱)	اس کا تھوڑا ذکر تم کو سُناتا ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے، جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا، تو انھوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مُدعی نبوتؐ کے دعوائے نبوت کا امتحان انھی کتابی سوالات سے لیا جائے، کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں، اسلئے وہ اُن کے صحیح جوابات نہ دیسکے گا اور اگر اُس نے یہ کہدیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں میں وہ سوالات مذکور ہیں وہ غیر معتبر ہیں تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اس قدر ہو کہ اُن کی تکذیب سے خود محمدؐ کی جہالت اور کذب دعوی (نعوذ باللہ) کا پردہ فاش ہوجائے گا، لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے، بلکہ اُن میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے، اور وہ نیک نیتی سے یہ سمجھے تھے

کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں اُن کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا،

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے تو عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ سے ملنے آئے، اور کہا کہ میں آپ سے تین سوال کروں گا جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دیسکتا، یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے، ؟ اور اہلِ جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی، ؟ اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے ہنکا کر مغرب کی طرف لیجائے گی، اور اہلِ جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے، اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے، تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے، اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہو تو ماں سے مشابہ ہوتا ہو۔ عبداللہ بن سلام نے یہ جوابات سُن کر کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں"

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمتِ والا میں حاضر ہوا اور کہا کہ "اے محمدؐ میں تم سے چند سوالات کروں گا، تم جواب دو، آپنے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا، اس نے کہا سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے لوگ کہاں ہوں گے فرمایا پُل کے پیچھے تاریکی میں" دوسرا سوال اُس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی، ؟ جواب دیا، ان غریبوں کو جو راہِ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں"، اُس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک ہی دو آدمی دیسکتے ہیں، بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی

اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے"؟ آپ نے فرمایا "مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے، جب یہ دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے، اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے، یہودی نے یہ جواب سُن کر کہا "بیشک تم نبی ہو اور یہ کہکر چلا گیا، آپ نے فرمایا، "یہ جوابات مجھ کو خدا نے القا کئے، مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے"

مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ "ہم آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دیسکتا" آپ نے فرمایا "جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن یہ وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جوابات دیئے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کرلوگے"؟ انھوں نے کہا ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے" آپ نے فرمایا "اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو" انھوں نے کہا کہ "چار سوالوں کے جواب دیجئے، پہلا یہ کہ حضرت یعقوبؑ نے توراۃ اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کرلیا تھا، اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے، تیسرا یہ کہ توراۃ میں نبی اُمی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے؟ اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمہارا دوست یا نگہبان کون ہے؟" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا "تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی، تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوبؑ سخت بیمار پڑے، تو انھوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہوگیا، تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، وہ چھوڑ دوں گا، اُن کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا، چنانچہ صحت کے بعد انھوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا، یہودیوں نے کہا خدایا سچ ہے، آپ نے فرمایا، خدایا گواہ رہ" پھر فرمایا "میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے

موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی، تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد، ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے، اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے، انھوں نے کہا خدایا درست ہے، آپنے فرمایا خدایا گواہ رہ، پھر فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی تم کو یہ معلوم ہو کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی، اور دل نہیں سوئے گا،" انھوں نے کہا خدایا ہاں، آپنے فرمایا خدایا گواہ رہ، یہودیوں نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ فرشتوں میں آپ کا رفیق کون ہے اسی جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپکے ساتھ ہو جائیں گے، یا آپ سے الگ ہو جائیں گے، آپنے فرمایا میرا رفیق جبرئیل ہے، اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو" یہودیوں نے کہا تو ہم پھر آپکے ساتھ نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔"

صحیح بخاری باب تفسیر (بنی اسرائیل) میں ہو کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے، انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد سے کچھ پوچھنا چاہیے بعضوں نے کہا اس کی ضرورت نہیں، شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو، بالآخر انھوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہیئے، انھوں نے دریافت کیا کہ "محمد! بتاؤ روح کیا چیز ہے"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے جب وحی نازل ہو چکی تو آپنے یہ آیت پڑھ کر سنائی،

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ ۔۔۔ وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے، اے پیغمبر

مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۹)

کہدے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات ہو، اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہو۔

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم (جلد اص ۹) اور مسند احمد میں ہو کہ حضرت صفوان بن عسال مرادیؓ روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں، دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سُنے گا تو اس کے چار آنکھیں ہو جائیں گی، اس کے بعد وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، اور آکر پوچھا کہ موسیٰ کو جو نو احکام ملے تھے، وہ کیا تھے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ تھے کہ شرک نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، بیگناہ کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو، اور میدان جنگ سے فرار نہ کرو (راوی کو اس نویں حکم میں شک ہی) پھر فرمایا اور تمھارے لئے اے یہود خاص حکم یہ ہو کہ سبت مناؤ، ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ کے دست و پائے مبارک کے بوسے دیئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں، کہ بیشک آپ پیغمبر ہیں" آپ نے فرمایا تو پھر تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے" انھوں نے کہا کہ داؤد نے دعا کی تھی کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کرے گا، اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار نہ ڈالیں،

اخبارِ غیب

یا

پیشینگوئی

فطرتِ بشری کے عجز اور بیچارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ، مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے، انسان کی مضطرب اور بےچین فطرت مستقبل کے بحرِ ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کرلیتی ہے، اور اسی لئے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے مافوق کسی دعوی کا مدعی ہو، اس کی آزمایش اور امتحان کے لئے اسی بحرِ بیکران کی شناوری کو معیار اور سند قرار دیدے، چنانچہ یہی اخبارِ غیب اور پیشینگوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوعِ انسان کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیلِ مبین اور حجتِ قائمہ ہے، بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ اُن کی زبان میں پیغمبر کا نام ہی پیشینگو ہے، عربی، عبرانی، اور دوسری سامی زبانوں میں "نبی" یا "نابی" جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے، اس کے لغوی معنی مُخبر اور پیشینگو کے ہیں، اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشینگوئی کے ہیں، اور اسی لئے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسی قدر حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہانِ نادیدہ کا مخبر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا، عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے، جن میں بیٹھکر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کررہے تھے، مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کرکے آتے تھے، اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے، وہ ایک خاص قسم کی مقفی اور مسجع عبارتوں میں اُن کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغمبر بناکر عربوں کے درمیان بھیجے گئے، تو اُن کے لئے ثبوتِ نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبارِ غیب اور پیشینگوئی ہوسکتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں پیشینگوئیاں کیں، اور مستقبل کے واقعات اور باتوں کو راہی العین کی طرح پیش فرمایا، اور وہ سب کے سب بے کم و کاست پوری اُتریں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پیشینگوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا اور آپ کو اُن کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی، مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں کبھی عالمِ خواب میں اور کبھی زبانِ صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقۂ اطلاع کا اظہار نہیں ہے، قرآن مجید کی پیشینگوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گذرچکی ہے، خواب کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ کچھ عالمِ رویا کے بیان میں آچکا ہے، باقی پیشینگوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں،

فتوحاتِ عظیمہ کی اطلاع اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا، اس سے کس کو اس وقت خیال ہوسکتا تھا، کہ چند نہتے، فاقہ کش، غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہوجائیگی کہ وہ قیصر و کسری کے تخت کو اُلٹ دیں گے، لیکن پیغمبر صادق

نے اُسی وقت بشارت سنائی کہ "مسلمانو! تم عنقریب قسطنطینہ فتح کروگے، مدائن تمہارے ہاتھوں میں آئیگا، قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے دستِ تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا، تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہونگے، (ترکستانی و منگولی ترک) جنگ[1] ہوگی" دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کرسکتی ہے؟

یہ پیشینگوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں، مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں، جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے، اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کیلئے امنڈا چلا آرہا تھا، اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے، غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پتھر حائل ہوگیا تھا اور صحابہؓ اس کے توڑنے سے عاجز ہوچکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزنما ضربِ خارا شگاف سے پتھر کے ٹکڑے کردیئے تھے تو آپؐ نے تین ضربیں ماری تھیں اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی، اور آپ ہر بار نعرہ لگاتے تھے،

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا	اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف
وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ	سے پوری ہوئیں، اس کی باتوں کو کوئی
هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (انعام ۱۴)	بدل نہیں سکتا اور وہی سننے والے جاننے والا ہے

بعض صحابہؓ نے حقیقت دریافت کی، فرمایا جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کردیئے گئے، یہانتک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے انکو

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام
[illegible]

دیکھا حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا کیجیے کہ وہ فتح ہوں، آپ نے دعا فرمائی، پھر فرمایا
دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے، حاضرین نے پھر عرض کی
یا رسول اللہ! ان کی فتح کی بھی دعا فرمائیے، آپ نے دعا کی، پھر ارشاد ہوا کہ تیسری ضرب میں
حبشہ کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے، پھر فرمایا حبشہ والے جب تک تم سے
تعرض نہ کریں تم بھی تعرض نہ کرو، اور ترکوں کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمہیں چھوڑ دیں[1]
یہ پیشینگوئی تو تمثیلی شکل میں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے اور صریح الفاظ میں
بھی بشارت سنادی تھی، فرمایا تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑوگے اور خدا فتح دیگا پھر
فارس سے لڑوگے، اور فتح ہوگی، پھر روم سے لڑوگے، اور فتح ہوگی،[2]

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر

عین اس وقت جب کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ
وجلال سے دنیا پر حکمراں تھیں، اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ
کے منادی حق نے یہ پیشین گوئی کی، اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر
فلا قیصر بعدہ، جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک
ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا،[3] نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت
سے معمور ہے، ایرانی مجوسی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا
تاجِ خسروی کسی نے دیکھا، اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس
سطحِ زمین پر کہیں نظر آیا؟

---

[1] سنن نسائی کتاب الجہاد [2] صحیح مسلم کتاب الفتن [3] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ صحیح مسلم وغیرہ

سازو سامان کی بشارت حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ "ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھوگے"، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے اب اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹائے جاؤ تو وہ کہتی ہے یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی ہے[1]۔

امن وامان کی بشارت عدی بن حاتمؓ کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے، ایک نے بھوک کی، دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی، آپ نے عدی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟ انھوں نے کہا دیکھا تو نہیں ہے لیکن اس کو جانتا ہوں"، آپ نے فرمایا "اگر تم زندہ رہے، تو دیکھوگے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھوگے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا اگر تم زندہ رہے تو دیکھوگے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لیکر نکلے گا کہ کسی کو خیرات دے لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا" عدیؓ کا دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلہ طے کے دوڈاکو کیا ہو جائیں گے، جنھوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے، لیکن خود عدیؓ کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک ہودہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے، اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا، ان کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا تھا ان میں

[1] بخاری باب علامات النبوة

میں بھی تھا، صرف تیسری پیشنگوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے، جو لوگ زندہ رہیں گے، وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے[1]۔ چنانچہ راویوں کا بیان ہو کہ بنی امیہ کی سلطنت کے زمانہ میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گذرا،

ابوصفوان کے قتل کی خبر ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دار الامان مل گیا اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا، تو یہ دیکھ کر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کرنے کی تدبیر سوچنے لگے، اسی اثنا میں انصار کے ایک رئیس سعدؓ عمرہ ادا کرنے کیلئے مکہ معظمہ گئے اور ابوصفوان (امیہ) کے گھر جا کر مہمان ہوئے، ابوصفوان ایک دفعہ موقع پا کر ان کو طواف کرانے لایا، وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، کہ ابوجہل نکل آیا، اس نے کہا تم مکہ آکر بے خوف و خطر کعبہ کا طواف کرتے ہو حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے، اور سمجھتے ہو کہ خدا و رسول کی تم نصرت کر رہے ہو، خدا کی قسم اگر ابوصفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جا سکتے، حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دو گے تو ہم تمہارا قافلۂ تجارت مدینہ کے راستہ سے گذرنے نہ دیں گے،" ابوصفوان نے کہا کہ اے سعدؓ ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو، یہ اس وادی کے سردار ہیں"

حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان اپنی طرفداری رہنے دو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے،" ابوصفوان نے کہا کیا وہ یہاں آکر مجھے ماریں گے؟" انھوں نے جواب دیا یہ مجھے نہیں معلوم، یہ سنکر ابوصفوان کے بدن پر

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ،

رعشہ پڑ گیا، وہ گو کافر تھا لیکن اس کو معلوم کہ زمنِ رسالت سے آج تک کوئی غلط بات نہیں نکلی، چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا، تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا، اور سعدؓ کی پیشینگوئی یاد دلائی، ابو صفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا لیکن ابو جہل اسکو سمجھا بجھا کر لے گیا، بالآخر اسی کارزار بدر میں یہ پیشینگوئی پوری ہوئی۔

نام بنام مقتولینِ بدر کی خبر

بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کو لیکر میدان میں گئے، اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے، یہ ابو جہل کا مقتل ہے، یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائیگا، یہ عجیب و غریب پیشینگوئی تھی، تین سو ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سرو سامان سپاہیوں کا افسر، ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی غرقِ آہن، باساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا، صحابہ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپنے جو جگہ مقرر فرما دی تھی، وہیں اس کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پائی گئی۔

فاتح خیبر کی تعیین

خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے، ہر روز مسلمان افسر علم و فوج لے کر جاتے تھے اور زور آزمائی کرتے تھے اور شام کو ناکام واپس آتے تھے، ایک دن آپنے فرمایا کہ کل علم میں اس کے ہاتھوں میں دونگا جس کو خدا، اسکا رسول پیار کرتا ہے، اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی، اسلام کی صف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بیقراری میں رات بسر کی، کو کبۂ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے، حضرتِ ممدوح کو آشوبِ چشم تھا، اسلئے وہ ساتھ نہ آسکے تھے، آپنے حضرت علیؓ کے ہاتھ

میں علم دیا، اور خیبر کا میدان اسی دن اُن کے ہاتھوں سے سر ہوا[1]،

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنے پاس بلایا، اور ان کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد ان سے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، اور ان سے اس کا سبب دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں، حضورؐ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا، اور پھر فرمایا اے فاطمہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملوگی[2]، یہ دونوں باتیں صحیح ہوئیں، آپنے اسی مرض میں وفات پائی، اور آپؐ کی وفات کے تقریباً چھ ہی مہینوں کے بعد حضرت فاطمہؓ زہرا بھی اس دنیا سے چل بسیں،

خود اپنی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال وفات پائی ہے، آپنے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا، حجۃ الوداع سے پہلے معاذؓ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا، ان کو رخصت کرتے ہوئے آپنے فرمایا، معاذؓ! اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے، واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرو گے، یہ سُنکر وہ رونے لگے[3]، حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپنے فرمایا "شاید کہ آیندہ سال تم مجھے نہ پا سکو گے"، مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور

---

[1] صحیح بخاری فتح خیبر [2] صحیح مسلم باب الفضائل و صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [3] مسند ابن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۵

آخرت کی زندگی کا اختیار دیا، تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی[1]،

فتح یمن کی خبر یمن سنہ ھ میں فتح ہوا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور دراز ملکوں میں ہجرت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی، آپ نے فرمایا تھا "یمن فتح کیا جائیگا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل وعیال اور جو ان کا کہا مانیں گے ان کو لے کر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے"[2] آخر یمن خود آپ زندگی ہی میں فتح ہوا، اور آپ کے بعد جب وہاں بغاوت ہوئی تو عہد صدیقی میں دوبارہ فتح ہوا، اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور اسپین تک پھیل گئے، اور پھر ان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی، تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں،

فتح شام کی خبر پھر فرمایا "اور شام مفتوح ہوگا، تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اپنے اہل وعیال اور ہمراہیوں کو لے کر آئیں گے، اور مدینہ ان کے لئے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے"[3] امام احمد نے مسند میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا عنقریب تم لوگ شام کی طرف ہجرت کروگے، تو وہ تمہارے لئے فتح کر دیا جائے گا[4] معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا، اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے،

فتح عراق کی خبر پھر ارشاد ہوا کہ عراق مفتوح ہوگا، اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں

---

[1] صحیحین مناقب ابی بکرؓ [2] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا مالکؒ و عبد الرزاق و ابن خزیمہ و ابن حبان
[3] بحوالۂ سابق [4] مسند ابن حنبل روایت معاذ،

ہنکاتے ہوئے اہل و عیال کو لیکر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر تھا، اگر وہ سمجھتے[1]، فتح عراق کی بشارت کی بعض اور روایتیں بھی ہیں،

خوزستان اور کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑوگے جن کے جوتے بال کے ہونگے[2]

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا، اس وقت تک قیامت نہیں آئیگی جبتک تم خوز و کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی، ان کے چہرے ہتھوڑوں سے پیٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور ان کے جوتے بال کے ہونگے[3]" اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں، اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جب تک مسلمان ترکوں سے نہ لڑیں، جن کے چہرے چپٹے ہونگے، جن کے لباس بال کے ہونگے، اور بال ہی کے (موزے یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہونگے[4]، یہ تمام پیشینگوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہوگئیں،

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ

حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، تم عنقریب مصر فتح کروگے جہاں کا قیراط مشہور ہے، جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا، کیونکہ تمہارے ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہی (حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت اسماعیل عؑ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں)، اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لئے دو آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا، خود ابوذر رضؓ نے بعینہ

[1] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالک [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [3] ایضاً [4] ایضاً

ایسا ہی دیکھا، اور وہ وہاں سے واپس چلے آئے[۱]،

غزوۂ ہند کی خبر

ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی، آپ نے فرمایا، میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آتشِ دوزخ سے بچائے گا، ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا" دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا، تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اسکی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا، تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہرونگا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتشِ دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہونگا"[۲] یہ پیشینگوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۲ھ کی سنن میں ہیں، جو سلطان محمود کے حملہ ہندوستان (۳۹۲ھ) سے تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہیں۔

بحرِ روم کی لڑائیاں

بحرِ روم جس کو بحرِ اخضر اور بحرِ متوسط (میڈیٹیرین سی) بھی کہتے ہیں، یورپ اور ایشیا کی، اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حدِ فاصل ہے، اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولانگاہ تھا، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواب راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تختِ شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے، یہ بحرِ اخضر میں (جہاد کیلئے) اپنے جہاز ڈالیں گے[۳] یہ بشارت

۱؎ صحیح مسلم باب الوصیۃ باہل مصر کتاب فضائل الصحابہ، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۷۴ (عن ابی ذرؓ) و مسند ابی عوانہ و ابن حبان ۲؎ یہ دونوں روایتیں سنن نسائی کتاب الجہاد میں ہیں، ۳؎ صحیح بخاری باب الرؤیا فی النہار، مسلم باب غزوۃ البحر کتاب الامارت، وابو داؤد کتاب الجہاد،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی، اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تختِ شاہی بچھایا جاتا ہے، اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لیکر بحرِ اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے، اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے،

بیت المقدس کی فتح بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے، اور اس کی تولیت امتِ محمدیہ کا حق تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس تولیت کی بشارت دیدی تھی، اور فرمادیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئیگا، عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہی کہ آپنے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو، (اول) میری موت پھر بیت المقدس کی فتح[1]، اس کے بعد آپنے چار اور باتیں بیان فرمائیں، یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۶ھ میں پوری ہوئی،

فتح قسطنطنیہ کی بشارت فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں، ایک دفعہ فرمایا کہ تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہوگے[2]، اور فرمایا میری امت کی ایک جماعت بحرِ اخضر (بحرِ روم جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہی) میں سوار ہوگی[3]، مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لئے اس دریا میں سوار ہوئی، آثارِ قیامت کے سلسلہ میں فرمایا یہ ہوگا یہ ہوگا پھر تم قسطنطنیہ فتح کروگے[4]، ایک اور روایت میں ہی کہ آپنے فرمایا تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کروگے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہوگا، اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی

---

[1] صحیح بخاری باب الجزیہ [2] صحیح بخاری وصحیح مسلم [3] صحیح بخاری رکوب البحر وعلامات النبوۃ و باب الرویا فی النہار [4] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الفتن،

ہوگی[1]،" مسلمان خلفاء اور سلاطین میں سے ہر با ہمت نے اس کو پورا کرنے کے لئے قسمت آزمائی کی، مگر ازل سے سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آچکی تھی،

فتح روم کا اشارہ جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایہ تخت تھا، رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دار الحکومت تھا، اور جواب اٹلی کا پایہ تخت ہے، یہ مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے، گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں لیکن اشارہ پایا جاتا ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو اسکی فتح کی بشارت دی تھی، چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اسپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا تھا، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا، یا رومیہ انھوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھکر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حاضر تھے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ، فرمایا نہیں پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا[2]" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی، اس کی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمتِ الٰہی میں باقی رہنا منظور نہ تھا،

فاتحِ عجم کا اشارہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ معظمہ گئے تھے، وہاں جا کر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے، تو ان کا اضطرا

---

[1] مسند احمد عن عبد اللہ بن ابی بشیر الخثعمی، وحاکم، ابن ابی شیبہ [2] ایضاً دعن ابی قبیل التابعی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ جلد ۲ ابن ابی شیبہ

دیکھکر ان کو تسلی دی، اور ان کے حق میں دعا کی، اور فرمایا کہ "تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مرو گے تم اگر خلوص سے کام کرو گے تو درجۂ عظیم ملے گا، بہتیرے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا"[1] یہ حضرت سعدؓ کے عجمی فتوحات کی بشارت تھی، کہ حضرت سعدؓ نے سپہ سالارِ اسلام بن کر بڑا درجہ پایا، اور چند سال میں کسریٰ کا تاج و تخت چھین لیا اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدۂ عظیم اور مجوس کو نقصانِ عظیم پہونچا،

مرتدین کی اطلاع حضرت ابو بکرؓ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویدارانِ کاذب پیدا ہو گئے، اور بہت سے لوگ جو اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے، ان کے ساتھ ہو گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دیدی تھی، فرمایا کہ حوضِ کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے ہیں کہونگا کہ یہ میرے ساتھی ہیں لیکن فرشتے ان کو دھکے دیکے نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یا رسول اللہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ آپ کے بعد بدل گئے تھے"[2]

حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہراتؓ کو اطلاع دی تھی کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، ازواجِ مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے جو محبت تھی، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشینگوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم میں سے جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی، تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضورؐ کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ ہم سب میں سب سے زیادہ

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی باب الوصایا [2] صحیحین حدیثِ حوضِ کوثر،

کشادہ دست تھیں[1]،

ام ورقہؓ کو شہادت کی خوش خبری ام ورقہؓ ایک صحابیہ تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انھوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے، شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے" فرمایا" تم اپنے گھر ہی میں رہو تمھیں شہادت نصیب ہوگی، چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشینگوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں انکے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان دونوں نے مل کر ایک رات انکا گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور اس طرح اطلاعِ نبویؐ کے مطابق انھوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی[2]،

خلفاء کی بشارت حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا" بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہونگے[3]"

بارہ خلفاء آپ کے بعد بارہ خلفاء کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں، صحیح مسلم میں[4] یہ الفاظ ہیں" اس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہیگی جبتک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے" "یہ حکومت اس وقت تک ختم نہ ہوگی، جبتک ان کے بارہ حکمراں نہ ہولیں" "بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا" "میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے، پھر جھوٹے لوگ ہونگے" ابوداؤد (کتاب المہدی) میں یہ الفاظ ہیں،

---

[1] صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ [2] سنن ابی داؤد باب الامامۃ وابن راہویہ [3] صحیح مسلم کتاب الامارۃ [4] صحیح مسلم، کتاب الامارۃ،

یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، یہاں تک کہ اس میں بارہ خلیفہ گذر جائیں، ان سب پر تمام امت مجتمع ہوگی" علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاض اس حدیث کے یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ[2] وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے حافظ ابن حجرؒ ابو داود کے الفاظ کی بناء پر خلفائے راشدین اور بنو امیہ میں سے اُن بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت میں تمام امت کا اجماع رہا یعنی حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، امیر معاویہؓ، یزید، عبد الملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید ثانی، ہشام[2]، شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دیگا،

خلافت راشدہ کی مدت فرمایا خلافت (یعنی خلافتِ راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی، پھر بادشاہی ہو جائے گی[2]" یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے،

خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت	خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت
حضرت ابو بکرؓ	۱۱ھ، ۱۳ھ	حضرت عثمانؓ	۲۳ھ ۳۵ھ
حضرت عمرؓ	۱۳ھ ۲۳ھ	حضرت علیؓ	۳۵ھ ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرمادی تھی، مگر آپؐ کو یہ علم بخشا جا چکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے، ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا، میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے، جتنے خدا نے

---

[1] مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی [2] جامع ترمذی کتاب الفتن سنن ابی داود، حاکم، نسائی، بیہقی،

چاہیے پھر اس ڈول کو ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکرؓ نے لیا، انھوں نے بھی اس سے ایک دو ڈول پانی کھینچا، مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا، خدا ان کو معاف کرے، پھر یہ ڈول ایک بڑا سا ڈول بن گیا، تو خطاب کے بیٹے عمرؓ نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقتور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا، یہانتک کہ حوض لبالب بھر گیا، اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہو گیا"[1]

یہ خلافت صدیقی و فاروقی کی تمثیلی پیشینگوئی ہے جس کی آیندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی

مسلمانوں کی دولت کی کثرت فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا، اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں، ان کا پورا پورا علم آپ کو عطا ہوا تھا، اور اسی لئے آپ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کر دیا تھا، ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ شہر کے باہر تھے، آپ نے ہمراہیوں سے پوچھا کہ مجھکو جو نظر آ رہا ہے، وہ تم دیکھ رہے ہو"؟ سب نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں پر بارش کی طرح فتنے برس رہے ہیں"[2]، دوسری دفعہ فرمایا خدا کی قسم مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں، بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی، تم پر بھی نہ پھیلا دی جائے، تو تم اس میں آپس میں رشک و حسد کرنے لگو گے اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا، تمکو بھی غافل کر دے"[3]، ایک موقع پر ارشاد ہوا "دیکھو میرے بعد

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب کتاب الرویا، صحیح مسلم مناقب آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مرادی ترجمہ ہے، لفظی نہیں (دیکھو فتح الباری جلد ۱۲ ص ۳۶۶) [2] صحیح بخاری کتاب الفتن وحجۃ الوداع [3] صحیح بخاری و مسلم، کتاب الفتن

ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا۔" ایک دفعہ ارشاد ہوا "ایک زمانہ آئیگا کہ تمہارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئیگا، اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمہارے لباس ہونگے، حاضرین نے عرض کی "یا رسول اللہ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں، یا اُس حالت میں اچھے رہیں گے، فرمایا نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو، کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو، اور اُس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے۔[1] حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مجلس میں رونق افروز تھے، فرمایا کہ میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہوگا، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ امیر اور اس کے رفقاء کا ساتھ دینا[2]، ایک موقع پر آپ نے فرمایا عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہونگے، جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا[3]،

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی دیدی تھی، اور آپ نے ان کو بعض صحابہؓ کو بتا دیا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا مجھے یاد ہے، انسان کو اہل و

---

[1] مسند احمد حدیث طلحہ (الظفری) و مستدرک حاکم [2] مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۹۹ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے، [3] صحیح بخاری کتاب الفتن،

عیال اور دولت و مال میں جو فتنہ پیش آتا ہے، وہ نماز صدقہ اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں سے روکنے سے دور ہو جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا، میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا، حضرت حذیفہؓ نے کہا اے امیر المومنین! اس فتنہ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اس کے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے، دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائے گا، یا توڑ دیا جائے گا، حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا توڑ دیا جائیگا، حضرت عمرؓ نے کہا تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا، حضرت حذیفہؓ نے کہا ہاں ایسا ہی ہے، راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ دروازہ کون تھا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں بیشک ان کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہے کہ آج کے بعد کل آئیگا، راوی کہتا ہے میں لحاظ سے نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ اسلئے مسروق (تابعی)، سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے اس کو دریافت کریں، مسروق نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ "وہ دروازہ خود حضرت عمرؓ کا وجود تھا"[1] یہ دروازہ جب سے ٹوٹا کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا!

فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے۔ مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کے ساتھ بروایت کثیرہ مذکور ہے[2] کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کی طرف سے ہوگا، آپؐ نے انگلی سے اشارہ کرکے بار بار فرمایا کہ ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں، یہ اشارہ عرب سے مشرق کی جانب تھا یعنی عراق کی طرف دیکھو حضرت عمرؓ کا قاتل عجمی تھا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن وغیرہ،

حضرت عثمانؓ کے عہد کا فتنہ عراق ہی سے اٹھکر مصر تک پہنچا، جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی حضرت علیؓ یہیں شہید ہوئے، امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی، خوارج اسلام کا پہلا گمراہ فرقہ یہیں سے نکلا، جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنھوں نے اسلامی عقائد کی سادگی کو پارہ پارہ کر دیا یہیں پیدا ہوئے، جگر گوشۂ رسول اور خانوادہ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارہ لٹا، مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا، شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا یہیں کی پیداوار ہے، حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں، ترک و تاتار کی غارتگریوں کے نتائج جنھوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت اور عرب و خلافتِ عربی کا تار تار الگ کر دیا یہیں رونما ہوئے، حتی کہ اس جنگِ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں ظاہر ہوئے، اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے،

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے حضرت ابوبکرؓ دروازہ کھلوا کر آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت دی اسیطرح حضرت عمرؓ آئے اور آپ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے تو آپ نے اُن کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی،[1] چنانچہ ان کو اپنے زمانہ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی، حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں،

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے ایک دفعہ مکہ معظمہ میں کوہِ ثبیر یا کوہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف فرما تھے، آپؐ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعۃً پہاڑ کو جنبش ہوئی، آپؐ نے فرمایا! اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔" پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے،

حضرت علی مرتضیٰ کی مشکلات اور شہادت

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم سے امت میرے بعد بیوفائی کرے گی۔" حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں، کہ اے علیؓ خبردار! کہ تمکو میرے بعد مصیبت پیش آئیگی، حضرت علیؓ نے استفسار کیا، کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئیگی"؟ فرمایا ہاں تمھاری سلامتی دین کے ساتھ"، حضرت علیؓ اور بعض صحابہؓ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپؐ نے فرمایا میں بتاؤں کہ دو سب سے بدبخت انسان کون ہیں"؟ لوگوں نے عرض کی کہ "ہاں یا رسول اللہ! بتایئے" فرمایا ایک، ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے ناقۂ ثمود کو قتل کیا، دوسرا وہ جو اے علیؓ! تمھارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا۔"[2]

جنگِ جمل کی خبر

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آگئی تھی، اسکو جنگِ جمل کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے

---

[1] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ و صحیح ترمذی مناقب عثمانؓ بروایت حسن و سنن نسائی و دارقطنی۔

[2] یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں، امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح" اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، جلد ۳ ص ۱۴۰ و ۱۴۱۔ حیدرآباد،

درمیان تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے کسی پر حواب کے کتے بھونکیں گے" (حواب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے) حضرت عائشہؓ جب اصحاب جمل کے ساتھ روانہ ہوئیں اور حواب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی یاد آئی،[1]

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ

ایک بار آپ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئیگی جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزما نہ ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا،[2] علماء کا بیان ہے کہ یہ پیشینگوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے،[3]

حضرت عمارؓ شہید ہونگے

آپ نے غزوہ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کریگا،[4] یہ پیشینگوئی متعدد صحابہ سے منقول ہے حضرت عمارؓ حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے،

امام حسنؓ کی مصالحت

ایک دفعہ آپ حضرت امام حسنؓ کو لیکر گھر سے باہر نکلے اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے، پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرادیگا،[5] چنانچہ یہ پیشینگوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرفداران علیؓ اور حامیان معاویہؓ کے میں بعض شرائط پر صلح ہو گئی،

نوخیز حکمرانان قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام سے مستقبل

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۵۲ و ۹۷ [2] صحیح مسلم فتن [3] دیکھو شرح مسلم [4] صحیح مسلم کتاب الفتن
[5] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب مناقب و حاکم ترجمہ امام حسنؓ جلد ۳

سے بے خبر کر دیا تھا، اُن میں ایک حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے، وہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہوگی"۔ حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے "کہ اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنادوں[1]"۔ یہ پیشینگوئی حرف بحرف صحیح نکلی، حضرت عثمانؓ کے عہد کا سیاسی طوفان، ان کی شہادت، پھر جمل کی لڑائی، یہ سب نوخیز قریشی رئیس زادوں کی بیجا امنگوں کے نتائج تھے، جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے، اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ ہم نے شام جاکر بنی مروان کو دیکھا تو ان کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا[2]۔

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر

امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا، اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی، اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں، مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو، اور دنیا ختم نہ ہوگی، یہاں تک کہ اس پر ایسے ویسے لوگ حکمراں نہ ہولیں[3]، حاکم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ۶۰ھ کے آغاز پر قریب آئیگی، امانت لوٹ کا مال اور صدقہ وخیرات جرمانہ اور تاوان سمجھا جائیگا، اور گواہی پہچان سے دیجائیگی، اور فیصلے ہوا و ہوس سے ہوا کریں گے" بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ "خداوندا! میں ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] اوائل کتاب الفتن [3] مسند احمد احادیث ابی ہریرہؓ،

زمانہ نہ پاؤں" خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی، اور ۵۹ھ میں انھوں نے وفات پائی[1]

امام حسین کی شہادت | حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشینگوئیاں حاکم، بیہقی، ابن راہویہ اور ابونعیم وغیرہ میں مذکور ہیں، مگر اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے، کہ آپ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا، اور آپنے اہلِ بیت کو اسکے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے، کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی، کہ میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا، اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لونگا، حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے[2] لیکن یہ روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے، کہ اس سے پہلے حضرت حسین کی شہادت کی اطلاع دیجا چکی تھی، یہ اطلاعِ الٰہی حرف بحرف صحیح ہوئی، امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلینِ حسین سے اسی قدر انتقام لیا گیا،

خوارج کی اطلاع | ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، قبیلہ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ! انصاف سے مال تقسیم فرمائیے،، آپنے فرمایا میں نہ انصاف کرونگا تو کون کریگا؟" اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اسکی گردن اڑادوں آپنے فرمایا جانے دو، اسکے ایسے رفقا ہونگے جن کے نماز روزے کے مقابل انکو

---

[1] یہ روایتیں خصائص کبریٰ سیوطی جلد ۲ ص ۱۳۹ کے حوالہ سے نقل کی گئی ہیں، [2] مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۸،

اپنے نماز روزے حقیر معلوم ہونگے، وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن، گلے کے نیچے نہ اتریگا، مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہی، اس گروہ کی علامت یہ ہے کہ اُن میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہوگا، جس کے دونوں بازو میں عورت کے سینہ کی طرح گوشت لٹکتا ہوگا، حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہی کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا، اُس سیاہ فام کی تلاش کی گئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات بتائی تھیں وہ انکے ساتھ متصف نکلا[1]

مختار اور حجاج کی اطلاع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کہ قبیلۂ ثقیف میں دو شخص پیدا ہونگے، جن میں ایک کذاب دوسرا مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا، چنانچہ جب حجاج ثقفی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دی، اور اُن کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلایا، تو انھوں نے جانے سے انکار کیا، بار بار کے انکار کے بعد حجاج خود ان کے پاس آیا، بہت سے سوال و جواب کے بعد انھوں نے کہا قبیلۂ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشنگوئی فرمائی تھی، ان میں کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا، اور مبیر کے متعلق میرا خیال ہی کہ وہ تم ہی ہو، یہ سن کر حجاج چپ چاپ الٹے پاؤں واپس گیا،[2]

حجاز میں ایک آگ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "قیامت اُس وقت تک نہ آئیگی جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کردے"[3] یہ روایت صحیح مسلم اور حاکم میں ہے، امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، کہ

---

[1] بخاری جلد اول صفحہ باب علامات النبوۃ فی الاسلام [2] مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرہا [3] کتاب الفتن

یہ آگ ہمارے زمانہ میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اس قدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لے کر پہاڑی تک پھیلی تھی، اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا، اور ہم سے اس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا،[۱] ابوشامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ "ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہار شنبہ کی رات کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھماکہ ہوا، پھر بڑا زلزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا رہا، یہانتک کہ پانچویں کو بہت بڑی آگ پہاڑی میں قریظہ کے محلہ کے قریب نمودار ہوئی، جس کو ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے، اور ترائیاں بہ نکلیں، اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہ رہے ہیں، اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جارہے ہیں، آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے محلوں کے برابر برابر چنگاریاں اڑ رہی تھیں، یہانتک کہ یہ آگ مکہ معظمہ اور صحرا سے بھی نظر آتی تھی، لوگ گھبرا کر روضۂ نبوی میں دعا و استغفار کے لئے جمع ہوگئے تھے، یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی،[۲] علامہ ذہبی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اسی سال (۶۵۴ھ) میں مدینہ میں آگ نکلی، جو ان بڑی نشانیوں میں سے تھی، جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی، اور چند روز رہی، اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آگئی، تو انھوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا، اس آگ کا حال بتواتر معلوم ہے،[۳]

---

[۱] شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۳۹۳ نولکشور [۲] تاریخ الخلفاء بحوالہ ابوشامہ واقعات ۶۵۴ھ،

[۳] مختصر تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۲۱ حیدرآباد،

حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے جو بصریٰ میں اس وقت موجود تھے یہ شہادت منقول ہے کہ انھوں نے رات کو اسکی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں[1]،

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشا کے بعد حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا "آج اس شب میں میں تمکو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روے زمین پر باقی نہ رہے گا" راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا[2]، حضرت جابرؓ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپنے فرمایا کہ تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو اس کا علم تو خدا کو ہی، میں خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں، آج روے زمین پر کوئی سانس لینی والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی[2]،" اس سے مقصود صحابہؓ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا، ابو الطفیلؓ صحابی سب کے آخر میں مرے ہیں اُن کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمالِ محمدیؐ سے آنکھیں روشن کیں، یہ ابو الطفیل پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزیں ہوئے

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب

متعدد راویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپنے علی الاعلان فرمایا کہ "بہترین دور (قرن) وہ ہی جس میں میں ہوں[3]، پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو انکے

---

[1] تاریخ الخلفا سیوطی ص ۱۵۴ [2] یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم باب فضل صحابہ میں ہیں، اور پہلی روایت ابوداؤد کتاب الملاحم میں بھی مذکور ہے، [3] صحیح مسلم فضل صحابہ و مسند احمد حدیث بریدہؓ،

بعد ہیں، پھر ایسے لوگ ہونگے جو گواہی کیلئے بلائے نہیں جائیں گے، خود جاکر گواہی دیں گے، خیانت کار ہوں گے، امین نہ ہوں گے، نذر مانیں گے لیکن ایفا نہ کریں گے پہلا دور عہد نبوی ہے، دوسرا دور صحابہؓ کا ہے، تیسرا تابعینؒ کا، چوتھا تبع تابعینؒ کا، یہ چار عہد اسلام کے روحانی، دینی اور اخلاقی مناقب و مکارم کا اور صلحائے امت، ائمۂ دین اور علمائے خیر کے پے درپے ظہور او وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشو ونما، ترتیب، تدوین اور نشر و اشاعت کا ہی، اسکے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈتا ہے، علمائے سوا اور امرائے جور پیدا ہوتے ہیں، فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے، فقہا میں جمود آتا ہے، علما میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے، ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں، اسلام کے اعتقادی و عملی قوی سست ہوجاتے ہیں اور تمام نظام ابتر ہوجاتا ہے،

مدعیانِ کاذب صحیح مسلم وغیرہ میں ہی، کہ آپنے فرمایا کہ "قیامت سے پہلے تیس کاذب دجال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک دعویٰ کریگا کہ وہ نبی ہے"، ایسے مدعیانِ کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے لیکر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کی جائے تو قریب قریب تیس کے پہونچ جائے گی، جن میں سے دو جو ہندوستان اور ایران میں ابھی گذرے ہیں وہ تمھاری نگاہوں کے سامنے ہیں،"

منکرین حدیث ابوداؤد میں ہے کہ آپنے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر

---

۵۷ صحیح مسلم باب (فتن)، ابوداؤد (ملاحم)، کےعلاوہ مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابویعلی بزار اور طبرانی میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے اسی قسم کی روایتیں ہیں،

تکیہ لگائے (یعنی غرور کی شان سے) بیٹھا ہو، اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام جس کے کرنے کا میں نے حکم دیا یا جس سے منع کیا، وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے ہم نہیں جانتے، جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں"[۱] بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں، دور اول میں اگر یہ پیشینگوئی معتزلہ پر صادق آسکتی تھی، تو اب آجکل مصر و ہند کے ان اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کرتے ہیں،

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا، اور تجارت کی کثرت ہوگی، یہاں تک[۲] کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ بٹایا کریگی"، کیا اس موجودہ دور تمدن سے بڑھکر اس پیشینگوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا؟ آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی، اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بیباکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں؟

اہل یورپ کی کثرت

آپنے صحابہؓ کے سامنے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ قیامت جب آئیگی تو روم[۳] سب سے زیادہ ہونگے، عربوں کے محاورہ میں روم سے مراد اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں، آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ اس وقت ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں، اور ان کی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی، یہ پیشینگوئی آج سے

---

[۱] سنن ابی داؤد باب لزوم السنۃ [۲] مسند احمد جلد اول ص ۴۰۹ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تسلیم الخاصہ و مستدرک حاکم و بزار و طبرانی [۳] صحیح مسلم کتاب الفتن،

ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کی گئی تھی، اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے،

سود کی کثرت پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے، اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے لیکن آپ نے پیشینگوئی کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو سود نہ کھائے گا، اگر وہ براہ راست نہیں کھائیگا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑکر اس تک ضرور پہنچے گا۔ کیا آج وہی زمانہ بعینہ نہیں ہے، آج کی تجارت اور سوداگری تمامتر سود پر مبنی ہے یہانتک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہو وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گذر کر ہم تک پہنچتی ہے، تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہو اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بینک کے جمع شدہ روپیوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ انہی منافع سے وصول کرتے ہیں، غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہی جاسکتی ہے، جو تمامتر سود سے پاک اور مبرا ہو، اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور زیادہ عالمگیر اثر ہے، یہ عظیم الشان پیشینگوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے، اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا تھا،

یہودیوں سے جنگ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی، یہودی شکست کھاکر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی، اور ان میں سے آواز آئیگی کہ "اے مسلمان دیکھو یہ یہودی چھپا ہوا ہے"، اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گذرتا تھا،

۱؎ ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ باب الربا و مسند احمد عن ابی ہریرہ ۲؎ صحیح مسلم باب الفتن،

کہ الٰہی! یہودیوں میں نہ تو قوت ہے نہ کوئی اُن کی سلطنت ہے، نہ مسلمانوں کے درمیان کہیں اُن کی بڑی آبادی ہے، یہ لڑائی کیونکر پیش آئیگی، مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورتِ حال نمایاں کردی ہے، اور عہد نامۂ بالفور نے فلسطین کو یہودی کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحریک نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے، اُس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشینگوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کردیا،

حجاز کا انقطاع مصر، شام اور عراق سے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عراق نے اپنا نقرئی سکہ (درہم)، اور غلہ کا پیمانہ (قفیز) روک دیا، شام نے اپنے غلہ کا پیمانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا، اور مصر نے اپنے غلہ کا پیمانہ (اردب) اور اپنی اشرفی روک دی، اور تم وہیں لوٹ گئے، جہاں سے چلے تھے، وہیں لوٹ گئے، جہاں سے چلے تھے، وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ اس حدیث کے ارشادِ نبویؐ ہونے پر ابوہریرہؓ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے"

اس حدیث میں درحقیقت دو پیشینگوئیاں ہیں، ایک یہ کہ مسلمان اُن ممالک کو فتح کریں گے اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش انہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی، اور پھر وہ زمانہ آئیگا، جب یہ علاقے الگ ہوجائیں گے، اور حجاز پھر ویسا ہی ہوجائیگا جیسا اسلام سے پہلے، یا اسلام کے آغاز میں تھا، پہلی پیشینگوئی تو حضرت عمرؓ کے عہد میں پوری ہوئی، اور اس وقت سے لیکر تیرہ سو برس تک برابر

یہ حالت قائم رہی حجاز کے لئے ہر قسم کا سامان انہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا مصروشام سے برابر غلہ قانوناً بھیجا جاتا تھا، سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے، بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشینگوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہوسکتا تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا، جب حجاز عراق وشام اور مصر سے دفعۃً منقطع ہوگیا ہو، آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغازِ اسلام میں تھی، جب عراق پر ایرانی اور شام ومصر پر رومی حکمراں تھے، اور خود عرب کے صوبے پراگندہ اور بے نظام تھے اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا، آج عراق ومصر وفلسطین وبحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمراں ہیں، عرب کے تمام صوبے پراگندہ اور بے نظام ہیں اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا حکمراں ہے، اور باہمی آتشِ جنگ وجدل برپا ہے، ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے، عراق کا غلہ اور نذرانہ بند ہے، شام کی موقوفہ جائدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کرلیں، اور آپنے گذشتہ سال سن لیا کہ مصر نے حجاز کے غلہ اور اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کردیا جو عہد فاروقؓ سے اب تک کبھی بند نہیں ہوا تھا،

اہلِ یورپ سے شام میں جنگ صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثارِ قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپنے صاف وصریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے: کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزولِ مسیحؑ سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے، گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سیکڑوں خونی معرکے پیش

کئے ہیں، مگر جنگِ عظیم نے شام کی جو صورتِ حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب و تمہید ہیں،

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی

ابو داؤد[1] اور بیہقی میں ہے کہ آپ نے فرمایا قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں،" حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائیگی فرمایا نہیں تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے، جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے (کہ سیلاب اس کو بہائے لئے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دیگا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دیگا، کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا دنیا دنیا کی محبت اور موت سے کراہت، موجودہ دنیائے اسلام کی پیشِ نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں،

[1] کتاب الملاحم،
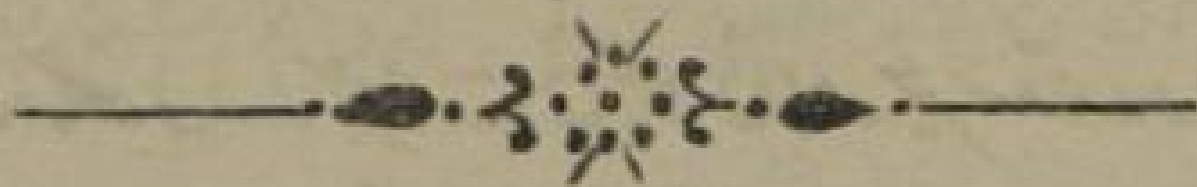
معجزاتِ نبویؐ

کے متعلق

غیر مستند روایات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں، ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دی جائے مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں ان کو اس کتاب میں نہ پاکر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہونگے اس لئے صرف ان کی تسکین اور کشفِ حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا، یہ روایتیں زیادہ تر کتبِ دلائل میں ہیں، یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کرکے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے،

یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور انہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے، خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرفِ قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے، اور حق و باطل کی تمیز مشکل ہو گئی، حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے

کتبِ صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ اس درجہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے ان کو بیشتر ناقابلِ اعتبار قرار دیا، کتبِ دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تاکہ خاتم المرسلینؐ کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتدبہ اضافہ ہوسکے، بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے مثلاً زرقانی وغیرہ وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ انکی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے لیکن جو چیز اس وسعت کیساتھ پھیل گئی ہو جو اسلامی لٹریچر کا ایک جزء بن گئی ہو، جو اسکی رگ و پے میں سرایت کرگئی ہو، اس کے لئے صرف اس قدر کافی نہیں بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے، خصوصاً اس لئے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں، وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں،

اس تنقید کے تین حصے ہوسکتے ہیں، (۱) اصولِ روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں، اُن کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ (۲) اُن کتابوں میں جو غلط موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ (۳) اُن کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے؟

کتبِ دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور ان کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آگئی ہے کہ ان

روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکامِ فقہی سے ہے، محدثین نے جو سختی اور شدت اختیار کی ہے، وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے، چنانچہ علمِ حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کے الگ الگ فضائل نام بنام تمام خلفا کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد، اعمالِ انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب و عقاب کے بیانات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کاہنینِ عرب کی پیشینگوئیاں اور اشعار اور عجیب و غریب غیر صحیح فضائل، معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدوّن ہے،

یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں، تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں[1]،

مسند ابو یعلیٰ، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی، اور طبرانی کی تصنیفات ان میں سچی جھوٹی، اچھی بری، قوی ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں، اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے، انھوں نے چاہا کہ اوّل اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں اُن کو ایک جگہ جمع کر دیں، یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا، اور قصہ گو واعظین محض ان سے رونقِ محفل کا کام لیتے تھے، اسرائیلیات، اقوالِ حکما، اشاراتِ حدیث، قصص و حکایات اور روایاتِ نامعتبر کو انھوں نے حدیث کا درجہ دیکر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا، کتاب الضعفاء لابن حبان،

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث

کامل لابن عدی، او خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار ہے،

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں، صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر (یعنی صحاح ستہ پر) محدثین کا اعتماد ہے، اور انہی پر انحصار ہے، تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں، اور جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے، غرض جو صحیح اور غلط اور خطا و صواب میں امتیاز کامل رکھتے ہیں، چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور انکو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بیفائدہ کی کاوش فکر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمامتر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں، متاخرین نے عام طور سے یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزار اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں، حافظ قسطلانی نے انہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا، اور معین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں، اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا، کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے،

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے، وہ حسب ذیل ہیں، کتاب الطبقات لابن سعد، سیرۃ ابن اسحق، دلائل النبوۃ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ، دلائل النبوۃ ابو اسحق حربی المتوفی ۲۵۵ھ، شرف المصطفیٰ ابو سعید عبد الرحمن بن حسن اصفہانی

المتوفی سنہ ۲۰۷ھ، تاریخ و تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری المتوفی سنہ ۳۱۰ھ، مولد یحییٰ بن عائذ، دلائل النبوۃ جعفر بن محمد مستغفری المتوفی سنہ ۴۳۲ھ، دلائل النبوۃ ابو القاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی سنہ ۵۳۵ھ، تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی سنہ ۵۷۱ھ، لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں، کتاب الدلائل ابو نعیم اصفہانی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی سنہ ۴۳۰ھ،

ان بزرگوں کے بذات خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کم کلام ہے، جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انھوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد و تمیز کے بغیر اخذ کیں، اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدوّن کر دیا، اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا، حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور، بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں، اور اُن کے سلسلۂ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں جن کو محدثین کے دربار میں صفِ نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی، ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلۂ روایت لکھ دیا گیا ہے، اور لوگ اس سلسلۂ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے، ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں، یا یوں کہو کہ عشق نبویؐ نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا، حالانکہ خود اسی جذبۂ عشق اور اسی ولولۂ شوق نے ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے، اور من کذب علیّ متعمداً کی دارو گیر سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے، محدث ابن مندہ نے

کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابونعیم اصفہانی کی نسبت، نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں،

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

لَا اَعْلَمُ لَهُمَا ذَنْبًا اَكْثَرَ مِنْ	مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی گناہ
رِوَايَتِهِمَا الْمَوْضُوْعَاتِ سَاكِتَيْنِ	معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں کو خاموشی
عَنْهَا، (ترجمہ ابونعیم)	کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں،

لیکن ثقات محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی ان کی خاموشی خدا انہیں معاف کرے آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے،

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علمائے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے، جو پہلی تین صدیوں میں تھے، اس لئے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں، اگر تراجم و انساب میں ان کے کچھ حالات مل جاتے ہیں، تو محدثانہ حیثیت سے ان پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا، اس لئے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں، اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے،

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے[1]، تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ انہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے، جو ان مجالس کی غرض سے

[1] الملک المظفر شاہ اربل مولود ۵۴۹ھ متوفی ۶۳۰ھ نے جیسا کہ ابن خلکان نے اس کے حال میں لکھا ہے، مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منایا کرتا تھا، یہ جنگ صلیبی کا زمانہ تھا، اسکے لئے ابن دحیہ المتوفی ۶۳۳ھ نے ۶۰۴ھ میں کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی،

وقتاً فوقتاً لکھی گئیں اور جن کی بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جا بجا آتے ہیں،

علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے، اور جامع تالیف ہے، علامۂ ممدوح نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد سعید ابن منصور، طیالسی ابن ابی شیبہ حاکم ابویعلیٰ، بلکہ ان سے بھی فروتر، بیہقی، ابونعیم، بزار، ابن سعد، طبرانی، دارمی، بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا، ابن شاہین، ابن ابی النجار، ابن مندہ، ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، خرائطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا، قوی اور ضعیف اور صحیح و غلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا، اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا، ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا، تاہم مصنف کو یہ فخر ہے جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں،

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا، روایت کی معتبری کی حجت کیونکر ہوسکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ ہے کہ کتاب میں صحیح و غلط، قوی اور ضعیف مشہور و منکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں، اسلئے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ ہے، وہیں خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے، پوری کتاب میں شاید دس۱۰ بیس۲۰ مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجۂ استناد کا پتہ دیا ہو، اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے ان کو بہ تحقیق معلوم تھا کہ یہ صحیح نہیں،

تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر عام کتبِ میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں ان کو بتمامہا دلائلِ ابونعیم سے نقل کرکے آخر میں لکھتے ہیں،

هذا الاثر والاثران قبله فيها نكارة شديدة ولم اورد في كتابي هذا اشد نكارة منها ولم تكن نفسي تطيب ما يرادها لكن تبعت الحافظ ابا نعيم في ذالك (خصائص جلد اول ص۴۹)	اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر (منکر) باتیں ہیں، اور میں نے اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابلِ اعتبار روایتیں نہیں لکھیں، میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا، لیکن حافظ ابونعیم کی پیروی کرکے لکھدیں،

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:-

واخرج الخطيب في المتفق والمفترق بسند فيه مجاهيل (جلد ۲ ص۲۵)	خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے جس میں مجہول الحال راوی ہیں، بیان کیا ہے

ایک اور مقام پر ایک گدہے کا واقعہ نقل کرتے ہیں، جو گدہے کی صورت میں ایک جن تھا، اور آپ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا، یہ لوگوں کے گھروں میں جاکر اشارہ سے ان کو بلاتا تھا، یہ عجیب جانور آپ کو خیبر میں ملا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی، اور جب آپ نے وفات پائی تو فرطِ غم سے اپنے کو کنوئیں میں گرا کر

جان دیدی، حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہی، اور اس پر بے تعرض کئے گذر گئے ہیں، حالانکہ بعینہٖ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سرتاپا موضوع ہے"۔

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر یہ جرح کی ہی کہ اُس کی سند اور متن دونوں غریب ہیں، باایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے ظاہر کرتے ہیں کہ

هُوَ فی المُعجزات حسن، — معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے،

(زرقانی جلد ۱ ص ۱۲۷ وخصائص سیوطی جلد ۱ ص ۵۳)

اس پر علامہ زرقانی، شرح مواہب میں لکھتے ہیں،

لان عادة المحدثین التساهل — یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہی کہ عقائد اور

فی غیر الاحکام والعقائد، — احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں وہ

(جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) — نرمی برتتے ہیں،

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور من کذب علی متعمداً کی تہدید سے خالی ہی؟ معجزات ہوں یا فضائل، ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی بھی نسبت کی جائے وہ شک شبہہ سے پاک ہو، جیسا کہ امام نوی، حافظ عسقلانی، ابن جماعہ، طیبی، بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے،[1]

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونیکے اسباب

۱- ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہی کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصہ میں آیا جو کچھ

[1] دیکھو تدریب الراوی ... موضوع میں،

یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے، اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی، اور ادھر گرمیِ محفل اور شور احسنت کے لئے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اسلئے لامحالہ اُن کو اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا، ان میں جو کسی قدر محتاط تھے اُنھوں نے ان کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامینِ شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دیدی، یا بعد کو انہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کرلی اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے، انھوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا، بلکہ ایک سند جوڑ کر انھوں نے براہِ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دیدیا، حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

احدھما القصاص ومعظم البلاء منھم یجری لانھم یزیدون احادیث تنفق وترق الصحاح یقل فیھا ھذا ثم ان الحفظ یشق علیھم ویتفق عدم الدین وھم یحضرھم جھال،	جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہی اور سب سے بڑی مصیبت انہی سے پیش آتی ہو کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبولِ عام اور موثر ہو سکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں، اسکے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہی، اسکے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے،
(آخر کتاب اللآلی المصنوعہ ص ۲۴۹)	

چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے،

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جو اب مصر میں چھپ گئی ہے،
کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا، منجملہ ان کے ایک استہ واعظین ہیں،

والقصاص فانهم يميلون وجوه
العلوم اليهم ويستدرون ما
عندهم بالمناكير والغرائب
والاكاذيب من الاحاديث
ومن شان العوام القعود عند
القاص ما كان حديثه عجيبا
خارجا عن فطر العقول او
كان رقيقا يحزن القلوب و
يستغزر العيون (ص۳۵۶)

اور واعظین، کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی طرف
پھیرنا چاہتے ہیں، اور جو کچھ ان کے پاس
ہے، اس کو لغو، منکر اور عجیب و غریب باتیں
بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں، اور عوام
کی حالت یہ ہو کہ وہ اسی وقت تک ان
واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں، جب تک وہ
خارج از عقل باتیں یا ایسی موثر باتیں بیان
کیا کرتے ہیں، جو ان کے دلوں میں اثر پیدا
کریں اور ان کو رلائیں،

آپ کی برتری اور جامعیت کا تخیل،

۲۔ ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیا ہیں، آپ کامل ترین شریعت لیکر مبعوث ہوئے ہیں،
آپ تمام محاسن کے جامع ہیں، یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت
دیدی اور انبیاے سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیا،
اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے، بیہقی اور ابونعیم نے دلائل میں اور
سیوطی نے خصائص میں علانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہی کے مثل آپ کے

معجزات بھی ڈھونڈ کر نکالے ہیں، اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپؐ کی تعلیم تمام انبیاؑ کی تعلیمات کا عطر خلاصہ اور مجموعہ ہے، اسی طرح آپکے معجزات بھی تمام دیگر انبیاؑ کے معجزات کا مجموعہ ہے، اور جو کچھ عام انبیاؑ سے متفرق طور پر صادر ہوا، وہ تمام کا تمام مجموعاً آپسے صادر ہوا ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلہ کے لئے تمامتر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہوسکتیں، اس لئے لوگوں نے انھیں ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی ہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پردازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم کی دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی، حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہو کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی، حضرت نوحؑ کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی، تو آپ کی قحط کی دعا قبول ہوئی، حضرت صالحؑ کے لئے اونٹنی معجزہ تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ نے باتیں کیں، حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے آپسے بھی آتشیں معجزے صادر ہوے، حضرت اسمٰعیلؑ کے گلے پر چھری رکھی گئی، تو آپؐ کا بھی سینہ چاک کیا گیا، حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیے نے گفتگو کی، روایت کی گئی ہے کہ آپسے بھی بھیڑیا ہمکلام ہوا، ابو نعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا ہوا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا حصہ دیا گیا، حضرت موسیٰؑ کے لئے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کی انگلیوں سے بھی پانی بہا، حضرت موسیٰؑ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی، تو آپکے فراق میں بھی چھوہارے کا درخت رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی، حضرت موسیٰؑ کیلئے

بحر احمر شق ہوا، تو آپؐ کے لئے معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا، یوشعؑ کے لئے آفتاب ٹھہرا دیا گیا، تو آپؐ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا،

حضرت عیسیٰؑ نے گہوارہ میں کلام کیا تھا، یہ روایت وضع کی گئی کہ آپؐ نے بھی گہوارے میں کلام کیا، اور آپ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی،

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کا زندہ کرنا ہے، اور صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی اس نے کہا کہ "جب تک آپؐ میری لڑکی کو زندہ نہ کردیں گے میں ایمان نہ لاؤنگا"، چنانچہ آپؐ نے اس کی قبر پر جاکر آواز دی، اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی، اور پھر چلی گئی، اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپؐ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں، اور آپ پر ایمان لائیں،

غیبی آوازوں اور پیشینگوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق

۴- قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیائے گذشتہ کے صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشینگوئیاں ہیں، اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، اس واقعہ کو دروغگو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا، چنانچہ ولادت نبوی سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے، اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا، بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں در کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپؐ کا تمام حلیہ لکھا تھا، اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں

تو آپ کی تصویر یہ تک موجود تھی، توراۃ و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشینگوئیاں حقیقت میں موجود تھیں، اور وہ آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں، ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف، آپ کے نام و مقام کی تخصیص و تعین کے ساتھ پھیلایا گیا،

عرب میں بتخانوں کے مجاور اور کاہن تھے، جو فال کھولتے تھے اور پیشینگوئیاں کرتے تھے، ان کا ذریعۂ علم جنات اور شیاطین تھے، چنانچہ جب آپ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بتخانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں، کاہن مقفیٰ اور مسجع فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ خبریں سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آگیا، یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا، ملوک یمن، شاہانِ فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر آپ کا نام جابجا لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا، قریش کا مورثِ اعلیٰ کعب بن لوئی ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی، مکہ کے لوگ احبار اور راہبوں کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے، مدینہ کے لوگوں کو انہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ شہر یثرب آپ کا دار الہجرت ہوگا، اس لئے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے، سطیح کاہن کا آپ کی پیشینگوئی میں ایک طویل افسانہ ہے لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے، اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے وہ پہلے گذر چکا ہے،

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لیا۔

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لئے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے، اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہؓ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا، جانور خوشی سے بولنے لگے، پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے، مغرب کے چرندوں اور پرندوں نے مشرق کے چرندوں اور پرندوں کو مبارکباد دی، مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آگئی، ستارے زمین پر جھک گئے، آسمانوں کے دروازے کھل گئے، فرشتوں نے ترانۂ مسرت بلند کیا، انبیاء نے روے روشن کی زیارت کی، فرشتوں نے بچہ کو زمین و آسمان کی سیر کرائی، شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی، پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے، دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں، درختوں نے سرسبزی کے نئے جوڑے پہنے، بہشت و جنت کے ایوان نئے سروسامان سے سجائے گئے، وغیرہ بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا، اور روایت تیار ہو گئی،

آیندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے، اُن کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے، اور اُن کو بحیثیت معجزہ کے آیندہ واقعات کا پیش خیمہ بنایا گیا ہو، مثلاً آپ کے زمانہ میں بُت پرستی کا استیصال ہو گیا، کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا، شام کا ملک فتح ہوا، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتشکدۂ فارس بجھ کر رہ گیا، نہر ساوہ خشک ہو گئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے،

معجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق

۲ بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا، لیکن تکثیرِ معجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں اعجوبہ پن اُن کو نظر آیا، تو اس کو مستقل معجزہ بنا دیا، مثلاً حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے اور وہ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ آپؐ کے گھر میں کوئی پالو جانور تھا، جب آپؐ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا، اور جب آپؐ باہر چلے جاتے، تو وہ اودھر اودھر دوڑنے لگتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپؐ کی جلالتِ قدر اور حفظِ مراتب کا پاس تھا، اور وہ آپؐ کی عظمت و شان سے واقف تھے لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں،

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جابرؓ سخت بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کو گئے تو وہ بیہوش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے اُن کے مُنھ پر پانی چھڑکا تو ان کو ہوش آگیا، یہ ایک معمولی واقعہ ہے، مگر کتب دلائل کے مصنفین نے ان کو بھی معجزہ قرار دیا ہے،

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے، یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے، اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں، (مستدرک باب اخبار النبی[۲]) اور بقول علامہ ابن قیم (زاد المعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ

---

[۱] خصائص کبری سیوطی جلد دوم ص ۱۷ حیدر آباد دکن،

ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں،

روایات صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی، یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری، قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اسکو بھی معجزہ اور آپ کا خاصہ قرار دیا ہے،

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتبِ دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلۂ سند کے راویوں میں باہم موقع، مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا، تو اس کو چند واقعہ قرار دیدیا، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا یا بگڑ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کے پاس گئے، تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپکے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر تو ضرور آپکے سامنے سربسجود ہونا چاہئے، آپنے فرمایا، "اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے" یہ ایک ہی واقعہ ہے جو ذرا ذرا سے اختلاف بیان کی بنا پر چودہ پندرہ واقعہ بن گیا ہے،

الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی

۔ ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے، اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں، بلکہ معمولی واقعہ ہے، لیکن نیچے درجہ کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دیدیا، صحاح کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانۂ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا، جس کو "خاتمِ نبوت" کہتے تھے، اور آپ کی انگشتِ مبارک میں جو نقرئی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی، اس پر محمد رسول اللہ منقوش تھا،

بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا، اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور ابونعیم کی دلائل میں جاکر یوں ہو جاتی ہو کہ پشتِ مبارک کے گوشت کی خاتمِ نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں،

مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت

دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابلِ اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہو کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پرتال کی جائے، تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے، لیکن یہاں اسکا موقع نہیں، اس لئے ہم صرف اُن روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں، جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں اور میلاد کی محفلوں میں اُن کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے،

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم، عرش و کرسی جن و انس، غرض سب سے پہلے نور محمدیؐ کو پیدا کیا، پھر لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین ارواح و ملائکہ سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں، اس کے متعلق اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی یعنی "سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا" کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہو، مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا، البتہ ایک روایت مصنف عبدالرزاق

لے بعض اربابِ سیر نے اس بناء پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں، اور خصوصاً جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے، اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۳، مگر جو علماء ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں، ان کو اس میں کلام ہے، البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہو،

میں ہے، یاجابر اوّل ماخلق اللّٰہ نور نبیک من نورہ، اے جابر سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے نور سے پیدا کیا، اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح وقلم عرش وکرسی، آسمان وزمین، اور جن وانس کی پیدایش ہوئی،

زرقانی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں لکھی، ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے، مگر پہلی نہیں ملتی، دوسری جلد دیکھی گئی اس میں یہ حدیث مذکور نہیں، اس لئے اس روایت کی تنقید نہ ہوسکی، اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں، اور فضائل ومناقب میں انکی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے، اس لئے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس وپیش ہے، اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہو کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے "قلم تقدیر" کی پیدایش کا تصریحی بیان ہو کہ اوّل ماخلق اللّٰہ القلم[1]

۲۔ روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا، پھر حضرت آدمؑ کے تیرہ وتار جسم کا چراغ بنا، پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا، اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہ کو سپرد ہوا، اور حضرت عبداللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا، نور کا سجدہ میں پڑا رہنا، اور اس کا موجود ہونا بالکل موضوع ہے، اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہونا

[1] جامع ترمذی کتاب القدر، ان علماء نے جنھوں نے اوّل ماخلق اللّٰہ نوری کو قبول کر لیا ہی، نور محمدی اور قلم کی اوّلیت پیدایش میں تطبیق کی کوشش کی ہے،

رہنا بے سرو پا ہے، طبقات ابن سعد اور طبرانی، ابو نعیم اور بزار میں اس آیت پاک

الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی السٰجدین، (شعراء) — وہ خدا جو تجھ کو دیکھتا ہے، جب تو (تہجد کی نماز میں) کھڑا ہوتا ہے، اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے،

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے، کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا، لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق و سباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں،

۲۔ روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبد المطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے، سو کر اُٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے، اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے، یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے، آخر کار اُن کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے، اس نور کے اثر سے عبد المطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا، قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی، تو اس نور کے وسیلہ سے وہ دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی"

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری المتوفی ۴۰۶ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفٰی میں ابو بکر

ابن ابی مریم کے واسطے سے کعب احبار (نومسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے، اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے، آگے کی سند نہیں، علاوہ ازین کعب احبار گو نومسلم اسرائیلیات میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں، تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں، اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں، بیچ کا راوی ابوبکر بن ابی مریم باتفاقِ محدثین ضعیف ہے، اس کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا،

۴- ابونعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے کہ عبدالمطلب یمن گئے تھے، وہاں ایک کاہن اُن کے پاس آیا، اور اُن کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھکر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے مین بادشاہی کی علامت ہے، تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جاکر شادی کرو، ان مصنفوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے، اس کی نسبت میزان مین ہے کہ امام بخاری نے کہا "اس کی حدیث نہ لکھی جائے" نسائی نے کہا "متروک ہے" یحییٰ نے کہا "یہ شعر و شاعری کا آدمی ہے، ثقہ نہ تھا" عبدالعزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے، جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ "اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو" ابوزرعہ نے کہا "وہ کچھ نہیں وہ واقدی کے قریب ہے" امام احمد نے کہا "وہ کچھ نہیں، اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے" ساجی نے کہا "وہ منکر الحدیث ہے" علاوہ ازین اس روایت مین بعض اور مجہول بھی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اسکو روایت کیا ہے لیکن امام ذہبی نے نقدِ مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے،

۵۔ روایت ہے کہ "حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی اوس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبد اللہ سے ہمبستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے، مگر یہ سعادت اُس کی قسمت میں نہ تھی۔ اس وقت عبد اللہ نے عذر کیا، اور گھر چلے گئے، وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی، عبد اللہ نے واپس آکر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمھاری پیشانی سے منتقل ہو چکا"

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر، بیہقی، اور ابو نعیم میں مذکور ہے، ابن سعد نے تین طریقوں سے اسکی روایت کی ہے، ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے، دوسرے میں کلبی ہے، یہ دونوں مشہور دروغگو ہیں، تیسرا طریقہ ابو یزید مدنی تابعی پر جاکر ختم ہو جاتا ہے، ابو یزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے، مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ "میں اس کو نہیں جانتا" ابو زرعہ نے کہا "مجھے نہیں معلوم"، ابو نعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے، لیکن کوئی ان میں قابلِ وثوق نہیں، ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبد العزیز بن عمرو الزہری ہیں، اور یہ تینوں نامعتبر ہیں، تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں، جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہیل ہیں، چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے، اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے، اور ان کا حال بھی نہیں معلوم، بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہی، خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں،

۶۔ حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے، کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو

عورتیں گنی گئیں، جنھوں نے اس غم میں کہ عبد اللہ سے اُن کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مرگئیں (لیکن انھوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑی ہو" یہی حکایت ہی جس کا غلط ترجمہ اردو مولفین میلاد نے یہ کیا ہی کہ "اس رات دو سو عورتیں رشک وحسد سے مرگئیں" یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ، رُوِی (یعنی "بیان کیا گیا ہے") مذکور ہی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے، یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہی، اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں،

۷۔ روایت ہی کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا، اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، اور سادہ کی نہر (واقع فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہوگئی، اور فارس کا آتشکدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا، بجھ گیا، اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا، جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی، یہ قصہ بیہقی، خرائطی، ابن عساکر اور ابونعیم میں سند اور سلسلۂ روایت کے ساتھ مذکور ہے، ان سب کا مرکزی راوی مخزوم بن ہانی ہی، جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریش) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی، بیان کرتا ہی، ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو، اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں، اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے، ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں، نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے، یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت

کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں، اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں، ابو نعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے،

۸- روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی ماں شفا بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آپؐ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہوگئی، یہاں تک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے، میں نے آپؐ کو کپڑا پہنا کر لٹاہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا، اور میں ڈر کر کانپنے لگی، پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی تو آواز سنی کہ کہاں لے گئے تھے" جواب ملا کہ "مغرب کی سمت"، ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی، کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہاں لے گئے تھے، جواب ملا کہ "مشرق کی طرف" یہ حکایت ابو نعیم میں ہے، اس کے بیچ کا راوی احمد بن محمد بن عبدالعزیز زہری نامعتبر ہے اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں،

۹- روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے اے آمنہ! تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا، جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا اور یہ تعویذ اسکے گلے میں ڈالنا، جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے، (اسکے بعد اشعار ہیں)، یہ قصہ ابو نعیم میں ہے جس کا راوی ابو غزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا، اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا، متاخرین میں حافظ عراقی نے اس روایت

بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے، ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کیا ہے،

ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے، جس کی دروغگوئی محتاجِ بیان نہیں،

۱۰۔ روایت: عثمان بن ابی العاص صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردِ زہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں، یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں، اور جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا، یہ قصہ ابونعیم، طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے، اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، اور عبدالعزیز بن عمران بن عبدالرحمٰن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا،

۱۱۔ روایت:۔ حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ "مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی، اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، وہ بھی نہ ہوئی بجز اسکے کہ معمول میں فرق آگیا تھا" قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحاق اور ابونعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے، لیکن ابن اسحاق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں، قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحبِ سیرۃ حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے، لیکن ابن سید الناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کیلئے واقدی کا حوالہ دیا ہے، اور اصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے، اور اسکی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں، مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے، اور اسکی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں، علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں، پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب

پر ختم ہوتا ہے، جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ "ہم یہ سنا کرتے تھے"
دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے،

۱۲- ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ (غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت وعظمت کے باعث) حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا، وہ کہا کرتی تھیں کہ میرے پیٹ میں کئی بچے رہے، مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گران مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا" اوّل تو یہ روایت معروف اور مسلّم واقعہ کے خلاف ہے، حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا، اور نہ حمل رہا، دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ نا تمام ہے، اسی معنی کی ایک اور روایت شداد بن اوس صحابی رض کی زبانی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں، جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کی کرتی تھیں" (کنز العمال کتاب الفضائل) معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے یعنی شداد بن اوس رض اور ان کے بعد کے راوی مکحول میں ملاقات نہیں، اسلئے بیچ میں ایک راوی کم ہے، حالانکہ اس سے بڑھکر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح کذاب، وضاع اور متروک تھا،

۱۳- روایت:- جب ولادت کا وقت آیا، خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دو، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے، سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا، اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں، درختوں میں پھل آگئے، آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کیے گیے، نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے، مکہ کے بت اوندھے ہو گئے، وغیرہ وغیرہ،

یہ حکایت مواہبِ لدنیہ اور خصائصِ کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے لیکن ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہوسکتا تھا وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی، ممکن ہے کہ ابونعیم نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو، یا یہ مطبوعہ نسخہ ناکمل ہو بہرحال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ راوی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے" یہ بیان کرتے تھے" قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے، کہ وہ مطعون ہے" حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمامتر بے سند اور موضوع ہے،

۱۴۔ روایت:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں، اُن میں ایک ہے کہ اُس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے، اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر میں آگئے، وہ دنیا جہان کی امان، اور اہلِ دنیا کے چراغ ہیں، قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اسکی آنکھوں سے اوجھل نہ ہوگیا ہو، اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا، اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہوگئے، اور سلاطین اس دن گونگے ہوگئے، مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جاکر بشارت دی، اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی، پورے ایامِ حمل میں ہر ماہ آسمان وزمین سے یہ ندا سنی جانے لگی، کہ" بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا" حضرتؐ کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گذرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ

اے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہے، جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا، اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔" کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ آیا تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھ کو بھی پیش آیا اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی، عبدالمطلب خانۂ کعبہ کے طواف کو گئے تھے، تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی، میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے، جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اس سے میری تمام دہشت دور ہو گئی، اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی، پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے، پیاسی تھی دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں، گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں، وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا (ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم ہیں، اور یہ حوریں ہیں) میرا درد بڑھ گیا، اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی، اور خوفناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان و زمین کے درمیان پھیلی نظر آئی، اور آواز آئی کہ "اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپالو" میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں، اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے جس میں مشکِ خالص سے بہتر خوشبو تھی، اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش عبدالمطلب اس وقت پاس ہوتے، پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے، وہ میرے کمرے میں گھس آئے، ان کی منقاریں زمرد کی

اور بازو یاقوت کے تھے، میری آنکھوں سے اُس وقت پردے اٹھا دیئے گئے، تو اُس وقت مشرق و مغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے، تین جھنڈے نظر آئے، ایک مشرق میں ایک مغرب میں، اور ایک، خانۂ کعبہ کی چھت پر، اب درد زیادہ بڑھ گیا، تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں، اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی، اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا، میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا، اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا، پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا، جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور بچہ پر چھا گیا، اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا، اتنے میں ایک منادی سنی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لیجاؤ کہ سب ان کے نام نامی اور شکل وصورت کو پہچان لیں، اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں، یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام ونشان مٹا دینگے، پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے، جس کے نیچے سبز ریشم تھا، ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں، اور ایک آواز آئی کہ محمد کو فتح، نصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں،

میں نے دل پر جبر کرکے یہ پوری حکایت نقل کی ہے، یہ اس لئے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق انہی روایتوں سے ہے، یہ روایت ابونعیم میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے، مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھکر یہ فیصلہ کردیگا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے، اس روایت میں یحیٰی بن عبد اللہ البابلتی

اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں، پہلا شخص بالکل ضعیف ہے، اور دوسرا ناقابلِ حجت ہے، ان کے آگے
کے راوی سعید بن عمرو الانصاری اور ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں،

۱۵- اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباسؓ سے نقل کی جاتی ہے، وہ کہتے ہیں میرے
چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرہ پر سورج کی سی روشنی تھی اور والد نے
ایک دفعہ خواب دیکھا، بنو مخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سُن کر پیشینگوئی کی کہ "اس لڑکے کی
پشت کا ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کریگا" جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا
ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثنا میں تمکو کیا کیا نظر آیا، انھوں نے کہا کہ جب مجھے
درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی، اور سبز ریشم کا
پھریرا یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان و زمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا، اور میں نے دیکھا
کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر آسمان تک جاتی ہیں، شام کے تمام محل آگ کا شعلہ
معلوم ہوتے تھے، اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا، جس نے بچہ کو سجدہ کیا، پھر
اپنے پروں کو کھول دیا اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گذری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں
اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا، ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی" پھر ایک بلند بالا سپید رنگ جوان
نظر آیا، جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لے لیا، اور اس کے منہ میں اپنا لعابِ دہن لگایا،
اس کے ہاتھ میں سونے کا ایک طشت تھا، بچہ کے پیٹ کو پھاڑا، پھر اسکے دل کو نکالا، اس میں
سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا، پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی جس میں سپید گھی کی طرح
کوئی چیز تھی، اس کو سینہ میں بھرا، پھر سپید حریر کی ایک تھیلی کھولی، اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر

مونڈھے پر انڈے کے برابر مہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا، اے عباس! یہ میں نے دیکھا،

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے، کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے، اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ "اس روایت اور اس کے پہلے کی دو روایتوں (۱۳، ۱۴) میں سخت نکارت ہے، اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی، اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے محض ابو نعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے" جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ سمجھیں آپ ان کے ضعف کے درجہ کو سمجھ سکتے ہیں، سیوطی اس روایت کا ماخذ ابو نعیم کو بتاتے ہیں مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی، یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی دو سال بڑے تھے، جب آمنہ نے وفات پائی، تو وہ سات آٹھ برس کے بچہ ہوں گے،

۱۶۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیئے، جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا جس سے مشک کی سی خوشبو آرہی تھی، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جس کے چار گوشے تھے، اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا، اور ایک آواز آئی "اے حبیب اللہ! یہ پوری دنیا، پورب، پچھم، خشکی و تری سب مجسم ہو کر آئی ہے، اس کے جس گوشہ کو چاہئے مٹھی میں لے لیجئے" آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے، میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ "محمد" نے کعبہ کے خدا کی قسم کعبہ پر قبضہ کیا ہے، ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور اس کا مسکن بنے گا" تیسرے

کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا، اُس نے اس کو کھولا، تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی، جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں، پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتابہ سے سات بار اس کو دھویا، اور بچہ کے مونڈھے پر مہر کر دی، اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا، اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ رضوانِ جنت تھا، پھر بچہ کے کان میں کچھ کہا، جس کو آمنہ کہتی ہیں، کہ میں سمجھ نہ سکی، اور پھر اُس نے کہا "اے محمدؐ بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں بتایا گیا، تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے، تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی، اور رعب و داب بخشا گیا، جو تمہارا نام سنے گا اُس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا، اے خدا کے خلیفہ!"

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عائذ المتوفی ۳۷۸ھ ہجری نے اپنی کتاب میلاد میں اس کا ذکر کیا ہے ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو غریب کہا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے، یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے،

۱۷۔ روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اوپر آکر چھا گیا، اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، البتہ منادی کی آواز سنائی دی، کہ محمدؐ کو ملکوں ملکوں پھراؤ، اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا اُن کے نام و نشان کو پہچان لے اور جن و انس، چرند و پرند، ملائکہ بلکہ ہر ذی روح

کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی اطاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاکدامنی اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو، آمنہ کہتی ہیں، پھر یہ منظر ہٹ گیا، تو میں نے دیکھا کہ آپ سبز حریر میں لپٹے ہیں، اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے، آواز آئی "ہاں محمد ﷺ نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو اُن کے حلقۂ اطاعت میں نہ آگئی ہو" کہتی ہیں کہ "پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے، اور مشکِ خالص کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے، دفعۃً تین آدمی نظر آئے، ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے، اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، نکالی، پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا، پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے بازوؤں میں لپیٹ دیا اور پھر مجھے واپس کر دیا"

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں السعادۃ والبشریٰ نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے، اور السعادۃ والبشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے، روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے، وہ کس کو معلوم نہیں، قسطلانی نے اس روایت کو ابو نعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر دلائل ابو نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں، غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ "اس میں سخت نکارت ہے"

۱۸۔ روایت:۔ آمنہ کہتی ہیں کہ "جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہوگیا، اور آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ مین گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی، (اہلِ میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ آپ نے روے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا"

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقون سے مذکور ہے، مگر ان مین سے کوئی قوی نہین، اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی مین روایتین ہیں، اُن کا بھی یہی حال ہے،

۱۹۔ روایت:۔ جس شب کو آپ پیدا ہوئے قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے، ایک یہودی نے جو مکہ مین سوداگری کرتا تھا، اُن سے اگر دریافت کیا کہ "آج تمھارے یہان کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے" سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اُس نے کہا "اللہ اکبر! تم کو نہین معلوم تو خیر مین جو کہتا ہون اُس کو سُن رکھو، آج شب کو اس پچھلی اُمت کا نبی پیدا ہوگیا، اس کے دونون مونڈھون کے بیچ میں ایک نشانی ہے، اُس مین گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں، وہ دو دن تک دودھ نہ پئے گا کیونکہ ایک جن نے اس کے منھ مین اُنگلی ڈال دی ہے، جس سے وہ دودھ نہین پی سکتا" جب جلسہ چھٹ گیا، اور لوگ گھرون کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، لوگ اُس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے، اُس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا، جب ہوش آیا، لوگون نے سبب پوچھا اُس نے کہا "خدا کی قسم اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہوگئی، اے قریش! تم اس کی پیدائش سے خوش ہو، ہشیار! خدا کی قسم یہ تم پر ایک دن ایسا حملہ کریگا جس کی خبر چاردانگ عالم مین پھیلے گی"

یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے، اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۲ صفحہ ۶۰۲) میں حاکم کی تردید کی ہے، اس کا سلسلۂ روایت یہ ہے کہ یعقوب بن سفیان فسوی ابو غسان محمد یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت میں یہ روایت نہیں لی ہے، ابو غسان محمد بن یحییٰ کو گو بعض محدثین نے اچھا کہا ہے، مگر محدث سلیمانی نے ان کو منکر الحدیث (ایسی باتیں بیان کرنے والا جن کی تصدیق دیگر معتبر بیانات سے نہیں ہوتی) کہا ہے، ابن حزم نے اُن کو مجہول کہا ہے، بہرحال اُن تک غنیمت ہے، مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے؟ اور کب تھے؟ اسی قسم کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے ہے، اور ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے، لیکن زرقانی نے لکھدیا ہے کہ ابو جعفر ابن ابی شیبہ نامعتبر ہے،

۲۰۔ روایت:۔ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں، کہ یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا، وہ یہ ہے کہ جب آپ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا، اور انگلی سے آپ اُس کو جدھر اشارہ کرتے تھے، ادھر جھک جاتا تھا، فرمایا، ہاں میں اُس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا، اور عرش کے نیچے جاکر جب وہ تسبیح کرتا تھا، تو میں اس کی آواز سنتا تھا؛ یہ

حکایت دلائل بیہقی، کتاب المائتین صابونی، تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر مین ہے، مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ صرف احمد بن ابراہیم حبلی کی روایت ہو اور وہ مجہول ہو" صابونی نے روایت لکھکر کہا ہو کہ یہ سند اور متن دونون لحاظ سے غریب ہو" علاوہ ازین حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شاید ایک ہی دو سال بڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کے عالم مین وہ خود شیر خوار ہون گے،

۲۱۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۶ ص ۳۴۴) مین واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے گہوارہ مین کلام کیا، ابن سبع المتوفی ۹؁ھ کی خصائص مین ہے کہ فرشتے آپ کا گہوارہ ہلاتے تھے اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک سے یہ نکلا، اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للّٰہ کثیرا ابن عائذ وغیرہ میلاد کی بعض اور کتابون مین اور فقرے بھی منسوب ہیں، مثلاً کہ آپ نے لا الٰہ الا اللّٰہ یاجلال ربی الرفیع پڑھا،

واقدی کی سیر سے مراد اگر قدی کی مغازی ہے تو اُس کا مطبوعہ کلکتہ نسخہ جو میرے پیش نظر ہے، اُس مین یہ واقعہ مذکور نہیں، اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہو؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانۂ متاخر کے لوگ ہیں، اور قدما سے روایات کی نقل مین بے احتیاط ہین، کسی قدیم ماخذ سے اس کی تصدیق نہین ہوتی، معلوم نہین یہ روایتین انھون نے کہان سے لین،

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپ کو حلیمہ سعدیہؓ اپنے گھر لیجاتی ہیں، ابن اسحاق ابن راہویہ ابویعلی، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد مین بہ تفصیل مذکور ہیں، حلیمہ سعدیہؓ کا آنا اور آپ کا اُن کو دیکھ کر مسکرانا حلیمہ رضی اللہ عنہا کے

خشک سینون مین دودھ بھرآنا، آپ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہوجانا اور دوسری طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لئے بنظر انصاف چھوڑ دینا، آپکے سوار ہوتے ہی حلیمہ رض کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیزرو، طاقتور، اور فربہ ہو جانا، اور حلیمہ رض کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز و شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا، حلیمہ رض کی بکریون کا موٹا ہونا، اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپ کا غیر معمولی نشو ونما پانا، دو برس کے سن مین آپکے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہ رض کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہ رض کو تسلی دینا، یہ تمام واقعات ان کتابون مین بہ تفصیل مذکور ہیں،

یہ واقعات دو طریقون سے مروی ہیں ایک طریقہ کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے، جس کا کوئی اعتبار نہین، پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے، اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولی حارث بن حاطب جمحی نے کہا، اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا، یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہ بن جعفر سے سُنا، اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ رض سے سُنا" اس روایت مین سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جہم اس روایت کا خود عبداللہ بن جعفر سے سننا یقینی نہین بناتا، بلکہ وہ کہتا ہے کہ "عبداللہ بن جعفر یا کسی نے اُن سے سُن کر مجھ سے کہا" معلوم نہین وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابونعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے، اگر بالفرض جہم نے عبداللہ بن جعفر ہی سے سنا تو

عبداللہ بن جعفرؓ کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین آٹھ نو برس کے تھے، اور ۸ھ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے، حلیمہؓ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے بلکہ علمائے سیر و رجال مین خود حلیمہؓ کے اسلام یا نبوت کے بعد آپ سے ملاقات مین اختلاف ہے صرف ایک دفعہ غزوۂ ہوازن کے موقع پر اُن کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے، مگر اس موقع پر عبداللہ بن جعفرؓ کا جو کمسن تھے، موجود ہونا، اور اُن سے ملنا مطلق ثابت نہین، جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا مدار بنیاد ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال مین اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے،

لَا یُعْرَف یعنی معلوم نہین یہ کون تھا،

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ سلسلہ علاوہ ازین کہ واقدی کے واسطہ سے ہے موقوف بھی ہے، یعنی کسی صحابیؓ تک وہ نہین پہنچتا، اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے، ابن سعد نے دوسری جگہ (جلد اول صفحہ ۹۶) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے اور واقدی عبداللہ بن زید بن اسلم سے اور عبداللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازین کہ اس کا پہلا راوی وہی واقدی ہے، اور روایت بھی موقوف ہے زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے ابو نعیم نے تیسری روایت مین واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے،

۲۳- شق صدر یعنی سینۂ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج مین بیش از آنکہ مسلّم ہے،

مگر بعض لوگون نے بچپن کے زمانہ مین بھی اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے، بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتون میں اختلاف ہی، اکثر روایتون میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ مین یہ پیش آیا، جب عمر شریف غالباً صرف چاؔر برس کی تھی، ایک دو روایتون مین ہے کہ اُس وقت آپ دس برس کے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہدِ طفولیت مین شقِ صدر کی جس قدر روایتین ہیں، صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ، وہ تمامتر ضعیف ہیں، صحیح مسلم کی روایت مین حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہدِ طفولیت مین بیان ہو گیا ہی، اس بارہ مین میں نے اپنی تحقیق شرحِ صدر کی بحث مین مفصل بیان کی ہے،

۲۴- حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ مین ایک اور واقعہ بھی راویون نے بیان کیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بعض یہودیون نے یا عرب قیافہ شناسون نے (روایت مین اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ نبیِ آخر الزمان یہی ہیں، اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائین گے، یہ سمجھ کر انھون نے آپ کو خود قتل کرنا چاہا، یا دوسرون کو آپکے قتل پر آمادہ کرنا چاہا، (روایت مین اختلاف ہے) ایک روایت مین ہے کہ یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا، جب حلیمہؓ آپ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لیکر عکاظ کے میلہ مین آئین، وہان قبیلۂ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا، عورتین اپنے اپنے بچہ کو لے کر اُس کے پاس آتی تھین، اور فال نکلواتی تھین، اس کی نظر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو، مگر آپ لوگون کی نظر سے غائب ہو چکے تھے، حلیمہؓ آپ کو لے کر چل دی تھین، لوگون نے بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اُس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمھارے اہلِ مذہب کو قتل کریگا،

اور تمھارے بتون کو توڑے گا، اور وہ کامیاب ہوگا" اس کے بعد لوگون نے آپ کو بہت ڈھونڈھا مگر آپ نہ ملے، حضرت حلیمہؓ نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا، ایک اور روایت مین ہو کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی، اور وہ کفر ہی کی حالت مین مرگیا، دوسری روایت مین یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہ نے حلیمہ کو کہدیا تھا کہ "میرے بچہ کو یہودیون سے بچائے رکھنا" اتفاق سے جب وہ آپ کو لے کر چلین، تو کچھ یہودی راستہ مین مل گئے، انھون نے آپ کا حال سُن کر ایک دوسرے سے کہا کہ "اس کو مار ڈالو" پھر انھون نے دریافت کیا کہ "کیا یہ بچہ یتیم ہو؟" حلیمہ نے کہا "نہین، مین اس کی مان ہون، اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہو" انھون نے کہا کہ "اگر یہ یتیم ہوتا، تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے" (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی اور چونکہ اُن کو یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ مین پائی نہین جاتی، اس سے ان کا یقین جاتا رہا)

یہ روایتین ابن سعد جلد اول ص ۱۰۹ مین ہین، مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتون کا ماخذ واقدی کی داستانین ہین، اور اس پر بھی اُن کے سلسلے ناتمام ہین، آخری روایت کا سلسلہ یہ ہو، عمرو بن عاصم کلابی، ہمام بن یحیی، اسحاق بن عبداللہ گو یہ تینون عموماً ثقہ اصحاب ہین مگر ان کی یہ روایت موقوف ہو، یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہین، مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سننا ظاہر نہین کرتے، معلوم نہین یہ روایت اُن کو کہان سے پہنچی؟

تقریباً اسی واقعہ کو ابو نعیم نے دلائل مین اس طرح بیان کیا ہے کہ "حلیمہ جب آپ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئین، تو ایک وادی مین پہنچکر اُن کو حبش کے کچھ لوگ ملے، (جو غالباً عیسائی ہون گے) حلیمہ اُن کے ساتھ ہوگئین، اُنھون نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا،

اس کے بعد بہت غور سے انھون نے آپ کو دیکھنا شروع کیا، دونون مونڈھون کے بیچ مین جو مہر نبوت تھی، وہ دیکھی، آپ کی آنکھون مین تھوڑی سُرخی تھی اوس کو دیکھتے رہے، پھر پوچھا کہ کیا بچہ کی آنکھون مین یہ سُرخی کسی بیماری سے ہے؟ "حلیمہؓ نے کہا نہین، یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے، انھون نے کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے" یہ کہکر انھون نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لین لیکن خدا نے آپ کی حفاظت کی"، ابو نعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، اور اُس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں،

۲۵۔ کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہؓ آپ کو دھوپ مین نکلنے نہین دیتی تھین، ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ مین نکل پڑے، حلیمہؓ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں کہ تم دھوپ مین کیون لے گئین، لڑکی نے کہا امان جان میرے بھائی کو دھوپ نہین لگتی، مین نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کئے تھے، جدھر وہ جاتا تھا وہ بھی چلتے تھے، اور جہان وہ رک جاتا تھا، وہ بھی رُک جاتے تھے، اس کیفیت سے وہ یہان تک پہنچا ہے"، ابن سعد نے دو طریقون سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، ایک مین تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہین دیا ہے (ص، جلد اول) اور دوسرے مین ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اوس نے عطا سے، اور عطا نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا، ابن سعد کے علاوہ ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے مگر اس سلسلہ مین واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے،

یہان تک تو ہم نے فضائل و معجزات کی غلط اور ضعیف روایتون کی مسلسل تنقید کی ہے،

ص ۹۰ جلد اول

اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہین، تو یہ دفتر ان اوراق مین نہیں سما سکتا، اس لئے ہم صرف مشہور ترین روایتون کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں،

۶۶- سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ دس بارہ برس کے تھے، تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا، راہ مین ایک عیسائی خانقاہ ملی، جس مین بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا، اوس نے آپ کو دیکھکر اور علامتون سے پہچان کر یہ جان لیا، کہ پیغمبر آخر الزمان اور سردارِ عالم یہی ہیں، اس نے دیکھا کہ ابر آپ پر سایہ افگن ہی جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں، اس کی شاخین آپ پر جھکی آتی ہیں، اوس نے آپ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی اور ابو طالب سے باصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لیجاؤ، ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے، تو اس کو قتل کر ڈالین گے (شاید اس لئے کہ آپ کے ہاتھون اُن کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا) ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رومیون کا ایک گروہ پہنچ گیا، دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیون کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کے ظہور کا وقت آگیا ہے، اسلئے رومیون نے تحقیقِ حال کے لئے ہر طرف اپنے دستے روانہ کئے ہیں، بحیرا نے اُن سے کہا کہ "خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی، اس لئے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ" وہ رُک گئے، اور ادھر ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپکے ساتھ کر دیا، اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپکے ساتھ کیا"،

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابون مین اور بعض حدیثون مین بھی مذکور ہی، مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر مین اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں،

اُن سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں، اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقۂ سند وہ ہے جس میں

عبد الرحمان بن غزوان جو ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے، یونس بن اسحاق سے، اور وہ

ابوبکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں،

یہ قصہ اس سلسلۂ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ،

دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے، ترمذی نے اس کو "حسن وغریب" اور حاکم نے صحیح کہا ہے،

استاذ مرحوم نے سیرۃ کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰) وطبع دوم ص ۱۶۸) میں اس روایت پر پوری

تنقید کی ہے، اور عبد الرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی

کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے ہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ سند میں نہ صرف عبد الرحمان بن غزوان بلکہ دوسرے راوۃ

بھی جرح کے قابل ہیں،

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ ہجری میں مدینہ

آئے تھے، اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نہ تو خود آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اور نہ کسی اور شریکِ واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان

کرتے ہیں، اس لئے یہ روایت مرسل ہے،

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰؓ سے اُن کے صاحبزادہ ابوبکر روایت کرتے ہیں، مگر

اُن کی نسبت کلام ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سُنی بھی ہے، یا نہیں، چنانچہ

ناقدینِ فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے، امام ابن حنبل نے تو اس سے قطعی انکار

کیا ہے، بنابرین یہ روایت منقطع بھی ہے۔ اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ "وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں"۔

(۳) ابوبکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں، گو متعدد محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے، تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں، یحییٰ کہتے ہیں کہ اُن میں سخت بے پروائی تھی، شعبہ نے اُن پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے، امام احمد اُن کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور اُن کی عام روایتوں کو مضطرب اور "ایسی ویسی" کہتے ہیں، ابو حاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں، لیکن اُن کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں، ساجی کا قول ہے کہ "وہ سچے ہیں، اور بعض محدثین نے اُن کو ضعیف کہا ہے"، ابو حاکم کا ہے کہ اکثر اُن کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا"

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے، جس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قرار ہے، اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے، تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے، ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے، ابو احمد حاکم کا بیان ہے کہ "اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے"، ابن حبان نے لکھا ہے کہ "وہ غلطیاں کرتا تھا، اور امام لیث اور مالک سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے"

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ "عبدالرحمٰن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے، اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ

اس مین یہ ہے کہ ابوبکر نے بلال کو آپکے ساتھ کردیا، حالانکہ حضرت ابوبکرؓ اس وقت بچہ تھے، حضرت بلالؓ پیدا بھی نہین ہوئے تھے،

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کے شرط کے مطابق ہے، حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص مین اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مین اس روایت کو بنایا ہوا خیال کرتا ہون، کیونکہ اس مین بعض واقعات غلط ہیں" (مستدرک جلد دوم ص ۶۱۵)

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اسی قدر تسلیم کرتے ہیں، کہ "یہ قصہ اہلِ سیر مین مشہور ہے" حافظ سیوطی نے خصائص مین امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں، اس لئے اصل روایت مین ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں، مگر ان مین سے کوئی بھی محفوظ نہین ہے،

۲- اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفرِ شام مین جب آپ حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے ہیں، بیان کیا جاتا ہے، آپکے ساتھ اس سفر مین حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایہ فگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پرون کا سایہ کرتے تھے، ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہان نسطورا راہب رہتا تھا، آپنے ایک درخت کے نیچے آرام کیا، راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، اس نے نام و نشان بتایا، راہب نے کہا کہ "اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہین ٹھہرا ہے، پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھون مین ہمیشہ یہ سُرخی رہتی ہے؟ غلام نے اثبات مین جواب دیا، راہب نے کہا "تو یہ یقیناً آخرزمانہ کا پیغمبر ہے، تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا"

اسی درمیان مین ایک شخص سے خرید و فروخت مین کوئی جھگڑا پیش آیا، خریدار نے آپ سے کہا کہ تم لات وعزیٰ کی قسم کھاؤ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مین کبھی اُن کی قسم نہین کھاتا، راہب نے میسرہ سے کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے، اس کی صفتین ہماری کتابون مین لکھی ہیں" میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی، تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے، جب آپ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آرہے تھے، اتفاق سے اُس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیون کے ساتھ کوٹھے پر تھین، حضرت خدیجہؓ کی نظر آپ پر پڑی، کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ افگن ہیں، انھون نے یہ منظر اپنی سہیلیون کو دکھایا، اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا، میسرہ نے کہا پورے سفر مین یہی تماشا دیکھتا آیا ہون، اور اس کے بعد اُس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی اُن سے دہرائی،

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر مین ہے، ابن اسحاق مین اس روایت کی کوئی سند نہین ہے، بقیہ کتابون میں اس کی سند یہ ہے کہ اُن کتابون کے مصنفین واقدی سے، اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے، اور وہ عمیرہؓ بنت عبد اللہ بن کعب سے اور عمیرہ، ام سعد بنت کعب سے اور وہ یعلیٰ بن منیہ صحابی کی بہن نفیسہؓ بنت منیہ سے جو صحابیہ تھین، روایت کرتی ہیں، واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہین، اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام ابن حنبل کہتے ہیں، "احادیثہ مناکیر" اُس کی حدیثین مُنکر ہیں، عمیرہ بنت ابن کعب اور اُم سعد کا حال نہین معلوم"

ابن اسحاق، ابن سعد، بیہقی اور ابونعیم مین ہے، کہ قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ

کرکے شعب ابی طالب مین محصور کیا، اور باہم ایک معاہدہ مرتب کرکے خانۂ کعبہ میں رکھ دیا تو
چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا جس نے کاغذ کو کھا لیا، ایک روایت مین ہے
کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس مین بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا، اوس نے کھالیا تھا،
اور دوسری روایت مین ہے کہ خدا کا نام کھالیا تھا، اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی، پھر اللہ
تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب
سے اس کا ذکر کیا، ابوطالب نے قریش کو اس کی خبر کی، اور بالآخر اس واقعہ کو جھوٹ اور سچ
ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار پایا، کفار نے جب کاغذ اُتار کر دیکھا تو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق ہوگئی،

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے، بقیہ تمام روایتین یا واقدی اور ابن لہیعہ سے ہین،
جن کا اعتبار نہین، اور یا ثقاۃ سے ہیں، تو وہ تمامتر مرسل ہیں، اُن مرسل روایتون مین اگر
کوئی بہتر روایت ہے، تو وہ بیہقی مین موسیٰ بن عقبہ کی ہے، جو امام زہری سے اس کو روایت
کرتے ہیں، مگر وہ زہری تک پہنچکر رہ جاتی ہے، کسی صحابی تک نہیں پہنچتی،

۲۵- مشہور ہے کہ ہجرت مین جب آپ نے غار ثور مین پناہ لی، تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے
منہ پر ببولے یا ببول کا درخت اُگ آیا، جس کی ڈالیان پھیل کر چھا گئین، کبوتر کے ایک جوڑے
نے آکر وہان انڈے دیئے، اور مکڑی نے جالے تن دیئے، تاکہ مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو، درخت کے اُگنے، کبوتر کے انڈے دینے، مکڑی
کے جالا تننے، ان تینون کا ذکر صرف ابو مصعب مکی کی روایت مین ہے، بقیہ روایتون مین

صرف کبوتروں کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے، بہرحال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بیہقی اور ابونعیم میں، اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے، ابن مردویہ، بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے، نیز ابن سعد اور ابونعیم کی ایک روایت ابومصعب مکی سے ہے، جو متعدد صحابہؓ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے، ابومصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے، لیکن یہ دونوں صاحب پایۂ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں، ابومصعب مکی مجہول ہے، اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ "کچھ نہیں"، امام بخاری فرماتے ہیں کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے" ابونعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین ابن عمرو القیسی لکھا ہے، یہ عوین بن عمرو بھی بے اعتبار ہے، عقیلی نے اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی، اور اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ ابومصعب مجہول ہے"۔[1]

استاذ مرحوم نے سیرت نبوی جلد اول واقعۂ ہجرت میں صرف ابومصعب کی روایت پر تنقید کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ابومصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مروی ہے، چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، مگر اس روایت کا سر سلسلہ واقدی ہے، جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کرکے اُن کی ایک مشترک روایت ہجرت تیار کی ہے، اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں، :-

---

[1] دیکھو لسان المیزان ترجمہ ابومصعب مکی و عون بن عمرو، و میزان الاعتدال ترجمہ عون بن عمرو اور عوین بن عمرو،

فمروا بالغار فرأوا على بابہ	کفار آپ کی تلاش مین غار کے منہ تک
نسج العنکبوت فقالوا لو دخل	پہنچ گئے، دیکھا کہ منہ پر مکڑی کے جالے ہین
ھھنا لم یکن نسج العنکبوت	تو انھون نے کہا کہ اگر محمد اس کے اندر جاتے
علی بابہ، (جلد اول ص ۳۴۸)	تو یہ جال نہ ہوتے،

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہین ہوتا، البتہ اس روایت کی بنا پر اس کو تائیدات مین جگہ دیجا سکتی ہے، تاہم یہ روایت بھی قوی نہین، اس کے راوی مقسم ہیں، جو اپنے کو مولی ابن عباسؓ کہتے ہیں، اور اُن سے عثمان الجزری نام ایک شخص روایت کرتا ہے، مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے، اور امام بخاری نے صحیح مین اُن سے حجامت کی روایت نقل کی ہے، مگر وہ خود کتاب الضعفار مین اُن کو ضعیف کہتے ہیں، ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، ساجی نے لکھا ہے کہ "لوگون نے ان کی روایت مین کلام کیا ہے"، ابن حزم نے لکھا ہے کہ "وہ قوی نہین"، اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمرو بن ساج الجزری ہے، اور کہین عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے"، گو ابن حبان نے اپنے مشہور تساہل کی بنا پر اس کو ثقات مین داخل کیا ہے، مگر محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ "اسکی حدیث لکھی جائے، حجت مین پیش نہ کی جائے"، علامہ ذہبی نے میزان مین، اور حافظ ابن حجر نے لسان مین صرف ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ یہی ہے،

۳۰۔ روایتون مین ہے کہ اسی سفر مین راہ مین ایک جگہ بکریون کے ایک چرواہے سے

آپ نے دودھ طلب کیا، اُس نے معذرت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں لیکن آپ نے اُسکی اجازت سے ایک دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً دودھ نکل آیا، چنانچہ سب نے دودھ پیا چرواہا یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا،

ایک روایت میں ہے کہ یہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے لیکن عام معجزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے، کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ زمانۂ ہجرت کا نہیں، بلکہ وہ کسی اور زمانہ کا ہے، عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ مسند طیالسی اور مسند احمد میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے، مسند ابو یعلی، مستدرک حاکم، اور طبرانی میں بجائے عبداللہ بن مسعودؓ کے صرف "عبد" یعنی ایک غلام کا ذکر ہے، جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، صحابہ میں سے اس کے راوی قیسؓ ابن نعمان سکونی ہیں، یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اور ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے بعضوں نے اُن سے ایک اور روایت ہدیہ کی بھی نقل کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ وہ شریک واقعہ نہ تھے، انھوں نے یہ واقعہ کس سے سُنا؟ معلوم نہیں، اس لئے یہ روایت مرسل ہے، اس کے بعد ایک راوی عبیداللہ بن ایاد بن لقیط کی، گو اوروں نے توثیق کی ہے، مگر بزار نے لکھا ہے کہ "وہ قوی نہیں" تاہم ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۳ ص ۹) میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ قیسؓ بن نعمان سکونی) میں اس کو صحیح کہا ہے مگر یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جو واقعہ ہجرت کی مفصل روایت صحیحین میں ہے اُسمیں ایک غلام کے بکری کے دودھ پلانے کا واقعہ مذکور ہے،

مگر اس معجزہ کا وہاں نام و نشان بھی نہیں،

ہجرت کے موقع پر دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین معجزہ اُمّ معبد کے خیمہ کا ہے، کہتے ہیں مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلۂ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا، اُمّ معبد اور ابو معبد میاں بیوی اس خیمہ میں رہتے تھے اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے، بکریوں کی پرورش پر اُن کا گذارہ تھا، صبح کو ابو معبد تمام اچھی اور دودھ والی بکریاں لیکر چراگاہ کو نکل گیا تھا، صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گذر ہوا، کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپنے بقیمت طلب کیں جو نہیں ملیں، خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی، آپنے پوچھا کہ اُمّ معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اُس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی، پھر دریافت فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے، راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی، اور لوگ قحط میں مبتلا تھے، فرمایا کہ مجھے اُس کے دوہنے کی اجازت ہے؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اس کے دودھ ہو تو دوہ لیجئے، آپنے دعا فرمائی، اور پھر بسم اللہ کہکر تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً اُس کے تھنوں میں دودھ اُتر آیا، دودھ سب نے پی لیا، اور کچھ بچ گیا، اور قافلۂ نبوی آگے روانہ ہوا، کچھ دیر کے بعد ابو معبد آیا، دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے، تعجب سے پوچھا، یہ دودھ کہاں سے آیا، بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں، اُمّ معبد نے سارا قصہ بیان کیا، ابو معبد نے کہا کہ ذرا اس شخص کی صورت و شکل تو بیان کر، اُمّ معبد نے نہایت تفصیل سے آپکے حُسن و جمال اور شکل و شمائل کی تصویر کھینچی جس کو سُن کر ابو معبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے، جس کا کچھ حال

میں سُن چکا ہوں، میری آرزو ہے کہ مجھے اُس کی صحبت مُیسّر ہوتی، اور جب انشاء اللہ موقع مل گیا میں یہ کروں گا، اُسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سُننے گئے، یہ اشعار بھی روایت میں ہیں اِن اشعار میں اُم معبد کے اسی واقعہ کا بیان ہی، حضرت حسانؓ نے جب ہاتف کی یہ آواز سُنی تو تو اُن اشعار کے جواب میں یہ اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ، طبرانی بیہقی، ابونعیم اور حاکم میں اُم معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے، اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہی بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہی، مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علماء کی نگاہ میں کوئی قدر وقیمت نہیں، چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کردی ہی کہ "اُن میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں،" حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اسی سلسلۂ سے مذکور ہے، اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں، حزام مجہول ہیں، حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہی، حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے، معلوم نہیں انھوں نے کس سے سُنا اسلئے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہی، حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہی، ایک انہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ اُم معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں، پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریق

سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا، ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے، دوسرے طریقہ میں حمزہ ابن صباح گو ثقہ ہیں، مگر ابو معبد سے اُن کی سماعت ثابت نہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے، کہ حمزہ، ابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں، یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے، نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں، حمزہ والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے، جس کو ازدی نے منکر الحدیث، اور ابن عدی نے واہی کہا ہے[1]، ابو نعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابو سلیمان انصاری بدری رضؓ سے اس کی روایت کی ہے، سلیط سے اُن کے بیٹے سلیمان اور اُن سے اُن کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں، لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مولفین سیر صحابہ نے لیا ہے، ورنہ اُن کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں، سلیط انصاری بدری رضؓ جو مشہور ہیں، وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں، اُنکے بیٹے کا نام عبداللہ تھا جن سے کوئی نسل چلی نہیں، لیکن اُن سے روایت نسائی میں موجود ہے، مگر سلیط ابو سلیمان رضؓ انصاری بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں، اسی لئے اسماء رجالِ صحابہ کے مولفین میں سے بعض نے اُن کو اور سلیط بن قیس رضؓ انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے، اگر ایسا ہے تو سلیمان اُن کے بیٹے اور محمد اُن کے پوتے کا نام نہ تھا، اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے نام سب گنے ہوئے ہیں، ان میں سلیط بن قیس رضؓ خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں، پھر یہ مدینہ کے باشندے تھے اور اُم معبد قبیلہ خزاعہ کی تھی جو مکہ و مدینہ کے بیچ میں آباد تھا، معلوم نہیں کہ سلیط انصاری نے

---

[1] لسان المیزان، ترجمہ محمد بن بشر بن ابان السکری،

کس سے سُنا؟ پھر اُن کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمدؒ سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں، حافظ ابن حجر لسانُ

المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری کے تحت میں لکھتے ہیں،

قَالَ العقیلی مجہول بالنقل رُوِیَ عَنْ اَبِیْہ عَنْ جدہ فذکر قصۃ

امّ معبد...... وھُو واہٍ وَقَالَ لیس ھذا الطریق محفوظًا فی حدیث

اُمّ معبد..... قال ابن مندہ مجھول"

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ امّ معبد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم طرزِ تخاطب

اور اشعار کی زبان اور ابو معبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے، جس کو ناقدینِ حدیث اچھی

طرح سمجھ سکتے ہیں، یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتفِ غیب نے تو اشعار مکہ میں لوگوں کو سنائے

اور حسان رضؓ نے جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، مدینہ میں بیٹھے بیٹھے اُن کا جواب کہا، ہجرت

کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں،

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لئے بھی پس و پیش ہے

کہ ہجرت کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعاتِ ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس

میں ایک جگہ ایک چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے، مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر

نہیں ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے، "دفعۃً

ایک چرواہا نظر آیا، جو اپنی بکریوں کو ہانکے لئے جا رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا، تم کس کے

غلام ہو، ؟ اُس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا، جس کو میں جانتا تھا، پھر میں نے کہا تمھاری

بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں، میں نے کہا، اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر پیالہ

میں دودھ تو دوہو، اس نے دوہا تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک برتن میں لیکر اور تھوڑا پانی ملاکر کہ دودھ ٹھنڈا ہوجائے، آپ کے پاس لایا، آپ نے نوش فرمایا؛[1]

مدینہ پہنچکر مسلمانون کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہوگئی تھی، اور خلوت وجلوت میں ہر موقع پر جان نثارون کا ہجوم رہتا تھا، اس لئے آپکے واقعات وسوانح کا ایک ایک حرف پہلےسے زیادہ روشن ہوجاتا ہے، اس بناپر اس زمانہ کے دلائل ومعجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں، اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات بعد کو پیدا ہوئی ہیں محدثین نے موضوعات میں علانیہ اُن کی پردہ دری کردی ہے،[2] اسلئے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں اُن کی تفصیل موجود ہے، مثلاً:-

۱- وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے، وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں،

۲- وہ معجزے جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانورون کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، بروایت صحیح ثابت نہیں ہیں،[3]

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب المهاجرین [2] علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو مع تنقید کے جمع کردیا ہے، [3] یعنی ضعیف روایتوں میں گو یہ آیا ہے، لیکن ان کو صحیح کا درجہ حاصل نہیں، ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے، جو دلائل بیہقی، مسند احمد، حاکم، اور ترمذی میں بطرق متعدد مذکور ہے، جن میں سب قوی حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت ہے حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے بشرط مسلم کہا ہے، (مستدرک ۴ ص ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کی سند قوی نہیں (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۱۴۳)؛

۳- ایسی روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسمان سے خوانِ نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے، موضوع ہیں یا ضعیف ہیں[1]

۴- وہ روایتیں جن میں حضرت خضرؑ یا الیاسؑ سے ملنے یا اُن کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے، صحت سے خالی ہیں،

۵- عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے،

۶- روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے، تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی، یہ سرتاپا موضوع ہے،

۷- واعظوں میں مشہور ہے کہ ابوجہل کی فرمائش سے، اُس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں لیکن یہ ثابت نہیں،

۸- وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں وفات نامہ اور ہرنی نامہ ترتیب پائی ہیں، تمام تر جھوٹی ہیں،

۹- ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھ کر آرام

---

[1] اس قسم کی ایک روایت احمد ج ۴ ص ۱۰۴، دارمی ص ۱۲، نسائی حاکم، بزار، ابو یعلی اور طبرانی میں سلمہ ابن نفیل سکونی سے مروی ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن ذہبی نے اس کے استدراک میں اس کو سند صحیح کہا ہے لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے۔

(مستدرک حاکم جلد ۴ ص ۴۴۷ و ۴۴۸ و خصائص کبریٰ سیوطی جلد ۲ ص ۶۰ حیدرآباد)

فرمارہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا، اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے ادباً آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، جب آفتاب ڈوب گیا، تو دفعۃً آپ بیدار ہوئے، اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی، عرض کی نہیں، آپ نے دعا کی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا، یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے،[1]

۱۰۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جاتے تھے، تو اُجالا ہو جاتا، چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعۃً آپ تشریف لے آئے، تو چہرۂ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی، یہ بالکل جھوٹ ہے،

گو ان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفین نے فضائل نبویؐ میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر ان میں کوئی روایت سنداً ثابت ہو جائے، تو اس خاکسار ہیچمدان کو اس کے قبول میں کوئی عذر نہیں، وفوق کل ذی علم علیم،

---

[1] گو بعض علمائے اہل سنت مثلاً قاضی عیاض، ابوجعفر طحاوی اور عام علمائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں، کہ ہمارے استاذ حافظ مزی اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے،

(البدایۃ والنہایۃ، جلد ۶ ص ۲۸۲)

ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائلِ نبویؐ میں کلام نہیں ہے، بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ پاک کی طرف جو بات منسوب کی جائے، وہ ہر طرح صحیح ہو۔[1]

---

[1] اس کتاب کی تصنیف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البدء والنہایۃ مصر سے چھپ کر آئی ہے، جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے، اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے معجزاتِ نبویہ کی ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر دیا ہے: اور اُن پر کلام بھی کیا ہے، اور اُن کے اسناد کی جرح و تعدیل بھی کی ہے، اہلِ تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں،

بشارات

يَجِدُونَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اعراف)

جس پیغمبر کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلّم نہیں، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پچھلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشینگوئی کی ہے، اور جو اس کی نشانیاں بتائی ہیں، وہ مدعی نبوت میں پائی جاتی ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے تھے، اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تشفی کی دولت حاصل ہوئی، وہ علی الاعلان ایمان لائے، اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے، انھوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا، لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تار تھے، وہ اس ظلمات سے باہر نہ آسکے، اور آب حیات کا سرچشمہ اُن کے ہاتھ نہ آسکا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے جواب میں فرمایا ہے "کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا، اور عیسیٰ کی بشارت ہوں[1]" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے

---

[1] مستدرک حاکم جلد دوم فضائل نبوی و ابن سعد جزء اول [2] صفحات ذیل میں صرف انہی بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن میں مذکور ہیں،

جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو مقدس باپ بیٹوں نے مل کر دعا مانگی کہ ہماری اولاد
میں ایک پیغمبر اس سرزمین میں مبعوث ہو،

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ
فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ
اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ
عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ج وَاِذْ جَعَلْنَا
الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَ
اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى
وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ
الْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاِذْ
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ
مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ
اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ

اور یاد کرو، جب ابراہیمؑ کے پروردگار نے
ابراہیمؑ کا چند باتوں میں امتحان لیا، پس
ابراہیمؑ نے اُن کو پورا کیا، خدا نے کہا کہ اے
ابراہیمؑ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا،
ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے؟ خدا نے
کہا میرا وعدہ گنہگار نہیں پائیں گے، اور یاد کرو،
جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور
امن بنایا، اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ
کو نماز کی جگہ مقرر کر دو اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ
کو فرمایا کہ میرے گھر کو طواف کرنیوالوں اور
رکوع و سجدہ کرنے والوں کیلئے پاک
صاف کرو، اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے دعا
کی کہ میرے پروردگار اس (مکہ) کو امن کا
شہر بنا، اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کو پھل روزی دے

مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَاۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۝

(بقرہ ۱۵-۱)

خدا نے کہا جو ان میں سے خدا اور آخرت کا منکر ہوگا، اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ زندگی میں بہرہ مند کریں گے، پھر اس کو مجبور کرکے عذاب دوزخ میں لیجائیں گے اور بہت برا ٹھکانا ہے اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ کعبہ کی بنیادیں رکھ رہے تھے، تو انھوں نے دعا کی خداوندا ہماری یہ خدمت قبول کر، تو ہی دعا کا سننے والا ہے نیتوں کا جاننے والا ہے، خداوندا ہم کو اپنا فرمانبردار بنا، اور ہماری نسل میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا پیدا کر، اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، ہم سے درگذر کر، تو ہی بڑا درگذر کرنے والا اور مہربان ہے خداوندا انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر جو[۲]

۲؎ ان کو تیری آیتیں پڑھکر سنائے اور کتاب و حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے، بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما، چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا، اور دعا میں حضرت اسمٰعیلؑ کی بھی شرکت تھی، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود

یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسل اسمٰعیلؑ سے ہوگا، اور مکہ میں اُس کی بعثت ہوگی،

موجودہ توراۃ کی کتاب پیدایش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں،

اور ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی، اور ابراہیم نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی، اسمٰعیل (خدا نے دعا سُنی) رکھا، (پیدا ۱۶ - ۱۵)

جب ابراہیم ننانوے برس کا ہوا تب خداوند ابرام کو نظر آیا، اور اُس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو، اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا، تب ابرام منہ کے بل گرا، اور خدا اس سے ہم کلام ہوکر بولا، کہ دیکھ میں جو ہوں، ہوں، تیرا عہد ہے، میرے ساتھ ہے، اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا، اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائے گا، بلکہ تیرا نام ابراہام ہوگا، کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا، اور میں تجھے بہت پھل دوں گا، اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی، اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے، اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان، اُن کے پشت در پشت کے لئے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا، اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو، اور میں اُن کا خدا ہوں گا" (پید: ۱۷ : ۱ تا ۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدایش کے بعد ہی اور حضرت اسحاقؑ

کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسمٰعیلؑ کے لئے ہے اسحاق کے لئے نہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاقؑ کی بشارت دی حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیل زندہ نہ رہیں گے، اور وہ عہد اسحاقؑ کے ساتھ پورا ہوگا فوراً بارگاہِ الٰہی میں عرض کی،

"کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے" (پیدائش ۱۷-۱۸)

خدا نے جواب دیا :-

اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی. دیکھ میں اُسے برکت دوں گا، اور اُسے بارآور کروں گا، اور اُسے بہت بڑھاؤں گا، اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے، اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا، (پید ۱۷-۲۰)

حضرت ہاجرہ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہؓ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی، "میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائیگی، اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو بیٹا جنے گی، اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سُن لیا" (پید ۱۶-۱۰)

حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو فاران (مکہ) کے بیابان میں رخصت کیا، اور مشکیزہ کا پانی چک گیا، اور حضرت ہاجرہؓ نے گریہ وزاری شروع کی،

تب خدا نے اُس لڑکے (اسمٰعیل) کی آواز سُنی، اور خدا کے فرشتے نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا، اور اُس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اُس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے،

خدا نے سنی، اٹھ، اور لڑکے کو اٹھا، اور اُسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اُس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اُس کی آنکھیں کھولیں، اور اُس نے پانی کا ایک کنواں (بئیر زمزم) دیکھا، ...... خدا اُس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا، اور بیابان (عربؔ) میں رہا۔۔

اور وہ فاران کے بیابانؔ میں رہا۔" (پیدائش ۲۱- ۷، تا ۲۱)

موجودہ توراۃ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش اور اُن کی نسل کی برومندی، کثرت اور برکت، اور اُن کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں، اور اُن سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعاے ابراہیمی اور عہد الٰہی کی تائید ہوتی ہی الغرض اسی لئے روایات میں ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ میں تمھیں بتاؤں کیا ہوں؟

اَنَا دعوة ابی ابراهیم میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوںؔ"

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، اُس کے اوصاف یہ گنائے تھے،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ	اے ہمارے خداوند! ان میں (یعنی اسمٰعیل کی اولاد میں) ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	جو ان کو تیرے احکام پڑھ کر سنائے، اور
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۝	ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو
(بقرہ - رکوع ۱۵)	

(بقیہ حاشیہ پر)

۱ عربؔ کے لفظی معنی بیابان کے ہیں، ۲ قرآن مجید نے اس کو وادِ غیرِ ذی زرع بن کھیتی کے میدان سے تعبیر کیا ہے ۳ طبقات ابن سعد و مستدرک حاکم،

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اوصاف ظاہر کئے ہیں،

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۝
(جمعہ ۱)

اسی خدا نے ان پڑھوں میں انہی کی قوم سے ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو اُن کو خدا کے احکام پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کو پاک و صاف کرتا ہے، اور اُن کو کتاب و حکمت

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۝
(آل عمران)

خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان میں ایک پیغمبر خود انہی کی قوم سے مبعوث کیا، جو اُن کو خدا کے احکام سناتا ہے، اور اُن کو پاک کرتا ہے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے،

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے،

حضرت عیسیٰؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بشارت دی ہے، وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے،

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي
إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر آؤں، مجھ سے پہلے جو توراۃ آئی، میں اس کی تصدیق

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ؕ (صف) کرتا ہوا، اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوشخبری سنانے آیا ہوں،

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے:۔

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا، اور وہ تمھیں دوسرا "فارقلیط" بخشے گا کہ ہمیشہ تمھارے ساتھ رہے" (۱۴-۱۶)

آگے بڑھکر پھر ہے:۔

لیکن وہ "فارقلیط" جو روح القدس ہے، جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا، اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں تمھیں یاد دلائے گا" (۱۴-۲۶)

اسی انجیل کے باب ۱۵- ۲۶ میں ہے،

"پر جب وہ فارقلیط" جسے میں تمھارے لئے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے، تو وہ میرے لئے گواہی دے گا"

اسی انجیل کے باب ۱۶-۷ میں ہے،

"لیکن میں تمھیں سچ کہتا ہوں کہ تمھارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے، کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو "فارقلیط" تمھارے پاس نہ آئے گا، پر اگر میں جاؤں تو میں اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ سے اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے، میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں، پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن

جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمھیں ساری سچائی کی بات بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنیگی، سو کہے گی، اور تمھیں آیندہ کی خبر دے گی، وہ میری بزرگی کرے گی، اسلئے کہ وہ میری چیزوں سے پائے گی، اور تمھیں دکھائے گی"

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے، اس کو لفظ "فارقلیط" سے تعبیر کیا ہے، یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے، جس کے لفظی معنی ٹھیک محمد اور احمد کے ہیں، یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ "پیریکلیوطاس" کیا گیا تھا، جو بعینہٖ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے، مگر یہ دیکھ کر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے، ذرا سے تغیر سے "پیریکلیوطاس" کے بجائے "پیریکلیطاس" کر دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ اب عام طور سے "تسلی دہندہ" کیا جاتا ہے، عیسائی اور مسلمان علماء کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے، اور مسلمان علماء نے خود قدیم عیسائی علماء کی تحریروں سے یہ ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ "پیریکلیوطاس" ہے، سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نکلے تھے، اُن کی زبان سُریانی آمیز عبرانی تھی، یونانی نہ تھی، اس لئے جو لفظ اُن کی زبان سے نکلا ہوگا، وہ عبرانی یا سریانی ہوگا، اس لئے یہ بالکل صاف ہے کہ انھوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہوگا، جو احمد یا محمد کا مرادف ہے، جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے[1]

گذشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تورات و انجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً نا آشنا تھے، باایں ہمہ یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے

[1] خطبات احمدیہ، خطبۂ بشارات محمدی، منقول از گاڈفری ہگنس صاحب،

اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنائی ہیں، وہ حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں،

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے، جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا، ... ... اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، تمھیں یاد دلائے گا" (یوحنا ۱۴-۲۶)

"وہ فارقلیط (احمد)... جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے، آئے تو وہ میرے لئے گواہی دے گا" (یوحنا ۱۵-۲۶).

اور وہ (فارقلیط) آن کر دنیا کو گناہ سے، راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا، گناہ سے اسلئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے، ..... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں، پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح جب آئے گی، تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لئے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی، میری بزرگی کرے گی" (یوحنا ۱۶-۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں،

۱۔ مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے، اس لئے وہ پیغمبر آکر اس کو یاد دلائے گا،

۲۔ وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا، اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائیگا، اور سب باتوں کی خبر دے گا،

۳۔ مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا، اور اُن کی گواہی دیگا، اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا"

۴۔ اس کی باتین خود اس کی نہ ہون گی، بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے اس کو سنایا

جائے گا وہی کہے گا"

اس صداقت سے کون انکار کرسکتاہے، کہ مسیحؑ کی اصلی تعلیم عیسائی بُھلا چکے تھے، توحید کی جگہ تثلیث تھی، حضرت عیسیٰؑ کے تعلیمات صادقہ مین انبیت، الوہیت مسیح مجسمہ پرستی اور بیسیون عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک ہے، جس نے حضرت عیسیٰؑ کی بُھلائی باتون کو پھر یاد دلایا، اور بتایا کہ اُن کی اصلی تعلیم کیا تھی؟ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی، اور دنیا مین تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا، اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰؑ کی انبیت اور اُن کی حیات وموت کے مسئلہ کو صاف کیا،

اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے کہا کہ "وہ میری ناتمام باتون کی تکمیل کرے گا" یہ خصوصیت بھی خاتم النبیینؐ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آسکتی، مسیح کے اس فقرہ سے دو باتین ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مسیحؑ تک دینِ الٰہی ناتمام ہے، اور دوسری یہ کہ آیندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی، اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا، اور ساری باتون کی خبر دے گا، یہ پیشنگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے پوری ہوئی، آپ کی ذات سے دینِ الٰہی تکمیل کو پہنچا، اور آپ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، آثارِ قیامت، جنت، دوزخ، سزا، جزا وغیرہ تمام باتون کو اس تفصیل، تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا، جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر

کی تعلیم میں نہیں ملتی، اسی لئے آپ کو خاتم النبیین کا لقب دیا گیا،

حضرت عیسیٰؑ نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ "وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا، اور میرے لئے گواہی دیگا" یہ نشانی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہوسکی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا، اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے ان پر جو غلط اتہامات قائم کئے گئے تھے، اُن کی پردہ دری کی، اور ان کی نبوت و رسالت کی گواہی دی، اور اُن کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رُکن قرار دیا، اُن کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہود نے دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا، یہودیوں نے اُن پر اور اُن کی ماں حضرت مریمؑ پر جو بہتان باندھے تھے، ان کی علی رؤس الاشہاد تردید کر دی، اور نصاریٰ نے اُن کی ولادت، وفات، ابنیت، الوہیت، اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا، اُس کو چاک کر دیا، اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ ان اُمور کی تشریح کی گئی، اور اب کروروں دلوں میں اُن کی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے،

چوتھی نشانی حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی کہ "وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا، بلکہ وہی کہے گا جو اُس کو اوپر سنایا جائے گا" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص وصف ہے قرآن نے کہا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ — اور وہ خواہشِ نفس سے نہیں بولتا، بلکہ وہ

هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ ہ
(نجم - ۱)

جو کچھ بولتا ہے، وہی بولتا ہے، جو اُس پر وحی کی جاتی ہے،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، اُس کو لکھ لیا کرتے تھے، لوگوں نے کہا آپ کبھی غصّہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں، اُن کو نہ لکھا کرو، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ نے جا کر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا، قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ ہدایت ہے، اور اُس کا پیغمبر چراغِ ہدایت ہے، رہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا) ہے، اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیشینگوئی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوئی، اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں، جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں، قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے، کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشینگوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے، اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشینگوئی کو جانتے ہیں،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِیْلِ
(اعراف - ۱۹)

جو لوگ اُس اَن پڑھ پیغام رسان قاصد کی پیروی کرتے ہیں، جس کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،

انجیل میں گذشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اور بھی پیشینگوئیاں مذکور ہیں، انجیل لوقا میں ہے، حضرت مسیح نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا:-

"دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں لیکن جب تک عالم بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے، یروشلم میں ٹھہرو۔" (لوقا ۲۴-۴۹)

اس کی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہوگئی ہے۔ اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں، وہ رسول موعود کون تھا، ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا، انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیح کہتے ہیں کہ اس قوتِ آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر یروشلم میں ٹھہرو، اس سے مقصود اس قوتِ آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم میں محض اقامت نہیں ہے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ اس رسولِ موعود کے ظہور تک تمہارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا، لیکن جب وہ آئے گا تو رخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا، اسی لئے قرآن مجید نے تحویلِ قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے:-

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ	تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا	پھیر، اور تم جہاں بھی ہو، اسی کی طرف
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ وَإِنَّ	اپنے منہ پھیرو، اور جو اہلِ کتاب ہیں
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ	وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار

اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (بقرہ ۱۷)   کی جانب سے ہے،

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ نے آپ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے کھلے لفظون میں دی تھی، اسی لئے احادیث میں ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ "مین اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہون"، انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے، حضرت یحییٰؑ جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ اُن سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبرون مین سے تم کون ہو،

"یہودیون نے یروشلم سے کاہنون اور لاویون کو بھیجا کہ اس سے پوچھین کہ تو کون ہے؟ اور اُس نے اقرار کیا، اور انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ مین مسیح نہیں ہون، تب انھون نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہون، پس آیا تو "وہ نبی" ہے؟ اُس نے جواب دیا نہیں . . . . . اور انھون نے اُس سے سوال کیا، اور کہا اگر تو نہ مسیح ہے، نہ الیاس، اور نہ "وُہ نبی" تو کیون بتپسمہ دیتا ہے" (یوحنا ۱-۱۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کی پیشینگوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبرون کا انتظار تھا، جن میں سے دو کے نام الیاسؑ اور مسیحؑ تھے، لیکن تیسرے کا نام صرف "وہ نبی" لیا گیا ہے، یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے؟ کہ یہود و نصاری دونون یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیحؑ کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے، جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا مین مشہور ہے، مسلمان آپ کو "آنحضرت"

وہ حضرت یعنی پیغمبر کہتے ہیں، اور مسیحیون مین آپ کا نام "دی پرافٹ" وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے،
صحابہ کرامؓ اور تابعین میں جن لوگون کو توراۃ سے واقفیت تھی، یا علماے یہود
مین سے جو لوگ اسلام لائے تھے، ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت
گذشتہ صحف انبیاء علیہم السلام مین مذکور ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ مین کم سن تھے، مگر وہ مطالعہ کتب کے شائق تھے، اور توراۃ پڑھا کرتے تھے، سورۂ
فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مین ہے،

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	ہم نے تجھکو گواہ، خوشخبری سنانے والا، اور
وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تاکہ خدا اور
وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ	اُس کے رسول پر ایمان لاؤ، اور اسکی
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا	مدد کرو، اور اس کی عظمت کرو، اور صبح
(فتح - ۱)	وشام اس کی تسبیح کرو،

سورۂ احزاب مین کچھ اور زیادہ اوصاف مذکور ہیں،

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا	اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو گواہ، خوشخبری
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى	دینے والا، ڈرانے والا، اور اللہ کی طرف
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا	اُس کے حکم سے بلانے والا اور روشن
(احزاب - ۶)	چراغ بنا کر بھیجا ہے،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف

گنائے گئے ہیں، وہ بعینہٖ توراۃ میں ہیں،

عن عبد اللہ بن عمرو ان ھذہٖ
الآیۃ التی فی القرآن یا ایھا
النبی انا ارسلناک شاھدا
ومبشرا ونذیرا قال فی التوراۃ
یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھدا
ومبشرا وحرزا للامیین انت
عبدی ورسولی وسمیتک المتوکل
لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب
بالاسواق ولا یدفع السیئۃ
بالسیئۃ ولکن یعفو ویصفح و
لن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ
الملۃ العوجاء بان یقولوا
لا الٰہ الا اللہ فیفتح بھا اعینا
عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا اہ

(بخاری تفسیر سورۂ فتح)

عبد اللہ بن عمروؓ نے کہا کہ قرآن کی آیت کہ
اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
سنانے والا، اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، توراۃ
میں یوں ہی ہے کہ اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ
اور خوشخبری سنانے والا، اور امیوں کا ماویٰ
و ملجا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ ہے اور میرا
رسول ہے، اور میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ
رکھنے والا رکھا، وہ سخت اور سنگدل
نہ ہوگا، اور بازاروں میں وہ شور نہ کریگا،
وہ برائی کا بدلہ برائی نہ کریگا، بلکہ عفو اور
درگذر کرے گا، اور اس وقت تک خدا
اس کی روح قبض نہ کرے گا، جب تک
اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ
کرلیگا کہ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
کوئی خدا نہیں، پس وہ اس سے اندھی
آنکھوں، بہرے کانوں، اور نافہم دلوں
کو کھول دیگا

صحابہؓ کے زمانہ میں کعب ایک مشہور یہودی عالم تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، تفسیر طبری میں ہے کہ حضرت عطاء تابعی نے اُن سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے، انھوں نے کہا ہاں ہے، اور اس کے بعد انھوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا، چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں، ان میں اشعیاء نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشینگوئی اب تک موجود ہے، اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ نے اسی پیشینگوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے، اشعیاء نبی کی پیشینگوئی یہ ہے:-

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے، میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائیگا، وہ نہ چلائیگا اور اپنی صدا نہ بلند کریگا، اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑیگا، اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائیگا کہ دائم رہے، اُس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے، اور بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں، خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا، اور انھیں تانتا، جو زمین کو، اور انھیں جو اس میں سے نکلتے ہیں، پھیلاتا، اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں، سانس دیتا، اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں، روح بخشتا ہے، یوں فرماتا ہے، میں خداوند نے تجھے صداقت کے لئے بلایا، میں ہی تیرا ہاتھ پکڑونگا، اور میں تجھکو لوگوں کیلئے عہد اور قوموں کیلئے[1] نور بناؤنگا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، اور بند ہوؤں

---

[1] اس فقرہ کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخہ میں صحیح نہ تھا، میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء سے درست کیا ہے،

قید سے نکالے، اور اُن کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید خانہ سے چھڑائے، یہوواہ میں
ہوں، یہ میرا نام ہے، اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا، اور وہ ستایش جو میرے لئے ہوتی کھودی
ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا، دیکھو تو سابق پیشینگوئیاں بر آئیں، اور میں
نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں، میں تم سے بیان کرتا ہوں، خداوند
کے لئے ایک نیا گیت گاؤ، اے تم جو سمندر پر گذرتے ہو، اور تم جو اس میں بسے ہو، اے
بحری ممالک اور اُن کے باشندو تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستایش کرو، بیابان اور
اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے، سلع کے بسنے والے ایک
گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے، وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے،
اور بحری ممالک میں اُس کی ثناخوانی کریں گے، خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا
وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت کو اُسکائے گا، وہ چلائے گا، ہاں وہ جنگ کے لئے بلائیگا،
وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا، میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا، اور
آپ کو روکتا گیا، پر اب میں اُس عورت کی طرح جسے دردِزہ ہو، چلاؤں گا، اور ہانپوں گا،
اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا، میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا،
اور اُن کے سبزہ زاروں کو خشک کروں گا، اور ان کی ندیاں بسنے کے لائق زمین بناؤں گا،
اور تالابوں کو سکھا دوں گا، اور اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے
لیجاؤں گا، میں انھیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لیچلوں گا، میں
اُن کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دوں گا، میں اُن سے

یہ سلوک کرون گا، اور انھیں ترک نہ کرون گا، وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہون جو کھودی

ہوئی مورتون کا بھروسہ رکھتے ہیں، اور ڈھالے ہوئے بتون کو کہتے ہیں: کہ تم ہمارے

الٰہ ہو، سنو، اے بہرو! اور تاکو اے اندھو، تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے، مگر میرا بندہ؟

اور کون ایسا بہرا ہے، جیسا میرا رسول جسے میں بھیجون گا، اندھا کون ہے، جیسا کہ وہ

وہ جو کامل ہے، اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت چیزین

دیکھی ہیں، پر اُن پر لحاظ نہیں رکھا، اور کان تو کھلے ہیں، پر کچھ نہیں سنتا، خداوند

اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا، اور وہ شریعت کو بزرگی دے گا، اور اسے

عزت بخشے گا، (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں،

وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں، پہلا لفظ اس بشارت میں "شاھد" ہے، یعنی خدا کی طرف

سے وہ قومون کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا، اشعیاؑ میں ہے: "وہ قومون کے درمیان عدالت

جاری کرائے گا، اور اس عدالت کا وہ گواہ ہوگا" اس کے بعد مبشر کی صفت ہے، یعنی

وہ نیکوکارون کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا، اشعیاؑ کے اس پورے باب میں اُس

آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوئے ہیں، اس کے بعد "حرز الامیین" امیون کا

مادی اور پناہ ہے" امی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی، چنانچہ اشعیاؑ میں ہے

کہ "اس رسول کے ذریعہ سے اندھون کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤن گا، میں

انھیں ان رستون (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں، لے چلون گا" انت عبدی و رسولی

یعنی تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، اشعیاء کے شروع میں ہے "دیکھو میرا بندہ" اور آخر میں ہے "میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا"، سمیتک بالمتوکل، میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنیوالا رکھا، اشعیاء میں ہے "میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں.... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا" لیس بفظ ولا غلیظ ولا یدفع السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفو ویصفح، وہ سنگ دل اور سخت نہ ہوگا، یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا، اور برائی کا بدلہ برائی نہ دیگا، بلکہ معاف کرے گا، اشعیاء تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں "وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑیگا اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا" ولا سخاب بالاسواق "وہ بازاروں میں نہ چلائے گا" یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا، اشعیاء نے کہا "وہ نہ چلائے گا، اپنی صدا نہ بلند کرے گا، اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا" ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء خدا اُس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرائے گا" اشعیاء میں ہے "اُس وقت تک اُس کا زوال نہ ہوگا، اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا"، فیقولوا لا الٰہ الا اللہ تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں" اشعیاء کہتے ہیں "میں خدا (یہوا) اپنی شوکت دوسرے معبودانِ باطل کو نہ دوں گا، اور وہ ستایش جو میرے لئے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لئے ہونے نہ دونگا".... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں، اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو"، فیفتح بہٖ اعینا عمیا و آذانا صما و قلوبا غلفا وہ اُس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں

اور زیر پردہ دلوں کو کھول دیگا اشعیار کہتے ہیں لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لئے تجھے دونگا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، جو بند ہیں، ان کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں قید سے نکالے ..... سنو اے بہرو تاکو اے اندھو"

حضرت اشعیار کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے، حضرت اشعیار نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشینگوئی کی ہے، وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں "خدا کے بندہ اور رسول" کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں، اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے، نہ انھوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا، اور نہ بُت پرستی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشینگوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا، قیدار بن اسمٰعیل کا مشہور خاندان قریش تھا، اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے، اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے، باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے،

"کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا، اور اپنے پانوں کے پاس بلایا امتوں کو اس کے آگے دھر دیا، اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا، کس نے انھیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے، اڑتی بھوسی کے مانند اس کی تلوار کے حوالہ کیا"

اس درس میں یہ تصریح ہے کہ "وہ راستباز پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا" توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وہ راستباز

سلہ میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن جلد اول جغرافیۂ عرب میں توراۃ کے حوالوں سے اس کو بہ تفصیل دکھایا ہے،

بندہ اور رسول ملکِ عرب میں مبعوث ہوگا،

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ "برگزیدہ" کیا گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب مصطفےٰ کا ترجمہ ہے، دوسرا وصف "راستباز" ہے یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے پہلے اہلِ مکہ کی زبان سے آپ کو ملا تھا،

اب حضرت اشعیاؑ کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و حالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے،

سب سے پہلے یہ کہ اُس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے، یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر اس وصفِ خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا، یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے جس کا طغرائے فخر صرف عبدیت اور رسالت ہے اُس نے دُنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا، کہ عبدہٗ ورسولہٗ، کسی مسلمان کی کوئی نماز اُس وقت تک ختم نہیں ہوتی، جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کرلیتا، "واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اُس کے رُسول ہیں، اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیاء جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا خطاب عبداللہ "خدا کا بندہ" ہے معراج میں جو تقربِ الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لقبِ خاص سے پکارے گئے،

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ — پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے
(بنی اسرائیل) — "بندہ" کو لے گیا،

اس کے علاوہ اور متعدد آیتوں میں آپ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے،

فَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا — اگر تم کو اس میں شک ہے، جو ہم نے اپنے
عَلٰی عَبْدِنَا ، (بقرہ) — "بندہ" پر اتارا،

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ — بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے "بندہ"
عَلٰی عَبْدِہٖ ، (فرقان) — پر قرآن اُتارا،

وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ — اور جب خدا کا "بندہ" اُس کو پکارتے
(جن) — ہوئے کھڑا ہوا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں زانوں کھڑے کر کے کھانا تناول فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ "میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے"،

دوسرا وصف رسول ہے، گو دنیا میں پیغمبر ہزاروں آئے، مگر لفظِ رسول سے اُن کے نام کو شہرت نہیں، یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وصف ہے، جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ملقب ہیں، یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی "دی پرافٹ" یعنی پیغمبر مخصوص آپ کا نام ہے، قرآن نے بتصریح کہا،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح) — "محمد خدا کا رسول"
یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (منافقون) — خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے،

لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (توبہ) تمھارے پاس خود قوم کا رسول آیا،

اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ (حجرات) تم میں خدا کا رسول ہے،

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ، (احزاب) تمھارے لئے خدا کے رسول کے اندر اچھی پیروی ہے،

یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ ○ (مائدہ) اے رسول تجھ پر جو کچھ اُتارا گیا ہے، اس کو لوگوں تک پہنچا دے،

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو بشارت دی ہے، وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے، مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ "میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے"،

حضرت اشعیاء نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف "برگزیدہ" بتایا ہے، کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مُصْطَفٰی (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں، حدیث صحیح میں ہے،

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی کِنَانَۃَ مِنْ وُلْدِ اسْمٰعِیْلَ — بیشک خدا نے اولاد اسمٰعیل میں سے کنانہ کو برگزیدہ

وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ کِنَانَۃَ — کیا، اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا، اور

وَاصْطَفٰی بَنِیْ ھَاشِمٍ مِنْ قُرَیْشٍ — قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا، اور

وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ[1] — بنی ہاشم میں مجھ کو برگزیدہ کیا،

[1] جامع ترمذی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ "جس سے میرا جی راضی ہوا" یہ صفت نہ صرف آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لئے بلکہ آپکے وسیلہ سے تمام پیروانِ محمدیؐ میں عام ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ	محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں
......یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا،	.... وہ خدا کی مہربانی اور رضا کو ڈھونڈتے ہیں.
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (مائدہ، توبہ، مجادلہ، بینہ)	خدا ان سے راضی ہوا، اور وہ خدا سے راضی ہوئے.
لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (فتح)	بیشک خدا مومنوں سے راضی ہوا،

تمام انبیاء کی اُمتوں سے یہ مخصوص وصف اُمّتِ محمدیؐ ہی کا ہے، اُس کے پیرو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی دعاء سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں،

اس کے بعد اشعیا، اس پیغبر کا وصف یہ بتاتے ہیں کہ خدا اس سے کہتا ہے "میں نے اپنی روح اُس پر رکھی" قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو متصف کیا ہے،

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ)	ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح وحی کی،
نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ (شعراء)	امانت دار روح اس کو لے کر اُتری،
قُلْ نَزَّلَہٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (نحل)	کہدو کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے،

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ "وہ نہ چلائے گا، اور وہ اپنی صدا بلند نہ کرے گا، اور اپنی

آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، صحابہؓ نے آپ کی سیرت کے خط وخال کی بھی تصویر کھینچی ہے، متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ آپ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے، بلکہ صرف مسکراتے تھے[1]، شمائل ترمذی میں حضرت ہندؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چپ رہتے، بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا، ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے،

حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپ کے اخلاق پوچھے، انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدگو نہ تھے، اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے، حضرت علیؓ سے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا "آپ شور و غل نہیں کرتے تھے"[2]

سفر اشعیاء میں اس کے بعد ہے "وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا، اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا، مسکینوں، غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائیگا، وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا"

قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے،

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (ن)	اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے،
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	خدا کی رحمت کے سبب سے تو اُن کے ساتھ
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ	نرم ہے، اگر تو کڑا، اور دل کا سخت
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)	ہوتا، تو یہ تیرے اردگرد سے ہٹ جاتے،
لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمھاری قوم سے تمھارے پاس ایک پیغمبر آیا

---

[1] جامع ترمذی باب ما جاء فی صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] یہ دونوں روایتیں شمائل ترمذی باب خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں، حضرت عائشہؓ والی روایت مسند ابوداؤد طیالسی ص ۲۱۴، اور مستدرک حاکم میں بھی ہے،

عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ	جس کو تمھاری تکلیف شاق ہوتی ہے،
عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ	تمھاری بہی خواہی کا حریص ہے، اور
رَّحِیْمٌ ۝ (توبہ - ۱۶)	مسلمانوں پر مہربان اور رحمت والا ہے،

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کرتے تھے، اور درگذر فرماتے تھے، آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ "آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے"، ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپ کے آغوش پر وردہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ "آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے، اور نہ کسی سے انتقام لیتے[1]"

حضرت انسؓ خادمِ خاص کہتے ہیں کہ "میں نے دس برس آپ کی خدمت کی، مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے باز پرس نہ فرمائی[2]"، مالک بن حویرثؓ جو ۲۰ دن تک آپ کی صحبت میں رہے تھے کہتے ہیں کہ "آپ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے[3]"

حضرت اشعیا اس کے بعد کہتے ہیں کہ "وہ عدالت کو قائم کریگا کہ دائم رہے" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی، آپ آخری دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہے گا، پھر کہتے ہیں کہ "اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ ملا جائیگا، جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے" یعنی جب تک

[1] یہ تمام روایات شمائل ترمذی میں مذکور ہیں [2] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب [3] صحیح بخاری باب رحمۃ الناس،

اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی، اس کو موت نہ آئے گی، ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰؑ پر صادق نہیں آتا، کہ وہ اپنی تعلیم و شریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ مخصوص وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے جب تک آپ کی تعلیم و شریعت نے ظہور تام اور استحکام کامل نہیں حاصل کر لیا، چنانچہ جب یہ بات حاصل ہو گئی تو آپ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کی اجازت ملی، حضرت اشعیاؑ کی یہ پیشینگوئی قرآن مجید کے اس سورہ کے مطابق ہے،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدا کی نصرت اور فتح آچکی اور تو نے
وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ	لوگوں کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	دیکھ لیا، (تو تیرا فرض انجام پا چکا) اور
رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ	اس دنیا سے تیری رخصت کے دن قریب
تَوَّابًا،	آگئے) اب خدا کے حمد و استغفار میں
(نصر - ۱)	مصروف ہو کہ وہ رحم کرنے والا ہے،

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ "خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے، یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے، مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا، حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے، وہ سمجھ گئے، کہ "یہ بندہ کون ہے" حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا، انھوں نے جواب دیا، کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی، [۱]

[۱] صحیح بخاری تفسیر سورہ نصر

اس کے بعد اشعیاء کہتے ہیں کہ "تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں" یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت نہر سیحون و جیحون سے دجلہ و فرات ہو کر بحر روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی، اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے۔ بعد ازیں اشعیا خدا کا وعدہ سناتے ہیں کہ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑونگا، اور تیری حفاظت کرونگا" یہ وعدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورا ہوا، آپ نے یکہ وتنہا دعوتِ توحید کی اس وقت اشاعت کی جب ملکِ عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا، اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دوسرا دستگیر نہ تھا، اس نے دشمنوں کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ کی ذاتِ گرامی کو محفوظ رکھا، اور سفر اشعیاء کے وعدہ کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا، مکہ میں عین اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا، یہ آیت اتری

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ، (اسراء ۶) — اور یاد کر واے محمدؐ! جب ہم نے تم فرمادیا کہ تمھارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ نہ اٹھائیں،

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (طور ۲) — اور اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،

مدینہ میں آکر یہ وعدہ مکرر دہرایا گیا،

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) — اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کریگا،

صحابہ جان نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے گرد پہرا دیا کرتے تھے،

جب یہ آیت اتری تو آپ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا "لوگو! واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے" اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے،

بشارات اشعیاء میں اس کے بعد ہے "میں تجھ کو لوگوں کے لئے عہد اور قوموں کے لئے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے، اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید سے نکالے" تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ بھی پیغمبر اسلامؐ کے وجود سے کس خوبی سے پورا ہوا ہے، قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا،

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ
الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ
كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

وہ لوگ جو اُس اَن پڑھ فرستادہ پیغمبر
کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے یہاں
توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ اُن کو
نیکی کا حکم کرتا ہے اور بُرائی سے روکتا ہے
اور اچھی چیزیں اُن کے لئے حلال کرتا ہے
اور بُری چیزیں اُن پر حرام کرتا ہے اور اُن سے
اُن کی ان پابندیوں اور زنجیروں کو جو اُن
پر تھیں ہلکا کرتا ہے، تو جن لوگوں نے اس کو
مانا، اور اس کی مدد اور نصرت کی اور اس

النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (اعراف - ۱۹)

روشنی کے پیچھے چلے، جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے، وہی کامیاب ہوں گے، کہدے (اے پیغمبر!) اے لوگو! میں تم سب کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں،

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (احزاب)

اے پیغمبر! ہم نے تجھکو گواہ، خوشخبری دینے والا، ہشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا، اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے،

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (نساء)

اے لوگو تمھارے پاس خدا کی طرف سے دلیل آچکی، ہم نے تمھاری طرف نور اتارا جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے،

وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن)

اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء)

اے محمد! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے،

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (ابراهیم ۱)

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا ہے، تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لائے،

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ	لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہو تاکہ ہم اپنے
مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ	بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ)	اور تو سیدھی راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہی

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحیدِ کامل کا مُبلّغ بُت شکن، اور باطل پرستی کا دشمن ہوگا، اور بُت پرست کُفّار و مُشرکین کو وہ شکستِ عظیم دیگا،

"یہوا (اللہ) میرا نام ہی، اور اپنی شوکت دوسرے (معبودانِ باطل) کو نہ دوں گا،"

وہ ستایش جو میرے لئے ہوتی ہے کھودی ہوئی مورتوں کے لئے نہ دوں گا......وہ پیچھے ہٹیں، اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں،"

ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو"

حضرت اشعیاؑ کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحیدِ کامل کی تعلیم پیغمبرِ اسلامؐ سے واضح تر، اور کامل تر دی ہو، جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بتخانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو، اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کر دیا ہو، قرآن اور آپ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بُت پرستی کے خلاف جہادِ عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہو کہ اس فرض کو محمد رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا، وہ کسی اور سے نہ ہو سکا،

بعد ازیں حضرت اشعیاؑ بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہوگا، اور وہ باطل پرستیوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا،

"خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائیگا، وہ چلائیگا"

ہاں وہ جنگ کے لئے بلائے گا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا"

یہ حضرت عیسیٰؑ کی صفت نہیں ہو سکتی، یہ صرف بدر و احد اور حنین و خندق کے سپہ سالار پیغمبرؐ کی شان ہے،

"بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے"

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابانِ عرب) اور خاندان (قیدار بن اسمٰعیل) بھی بتا دیا گیا ہے، آخر میں ہے،

"اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤں گا، میں انھیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا"

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ اُمیوں کا پیغمبر اور اس قوم کا داعی ہوگا، جس کو کبھی راہِ راست کی ہدایت نہیں ملی، یہ صفت اہلِ عرب کی ہے، جن کو آپ سے پہلے کوئی صاحبِ شریعت پیغمبر نہیں ملا، حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے، جن کو شریعت مل چکی تھی، اس لئے یہ اُن کی صفت نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ صرف پیغمبرِ عرب کا وصفِ خاص ہے، چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا:۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ	تاکہ اُن کو ہشیار کرے، جن کے پاس تجھ
نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ ، (قصص)	سے پہلے کوئی ہشیار کرنے والا نہیں آیا،
اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ عَلٰى	تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے، اور سیدھی راہ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ تَنزِيلَ الْعَزِيزِ
الرَّحِيمِ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ
آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ (یٰسین)
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن
كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (جمعہ)
وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ
فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ
أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ
عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن
كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ
أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ
لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُم
بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَ
رَحْمَةٌ
(انعام ۔ ۲۰)

پر ہے، اور یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے
اُترا ہی، تاکہ تو اُن کو ہشیار کرے جن کے باپ
دادا ہشیار نہیں کئے گئے تو وہ غفلت میں ہیں
وہی خدا جس نے اَن پڑھوں میں پیغمبر
بنا کر ان ہی میں سے کھڑا کیا، جو اُن کو خدا
کی آیتیں پڑھ کر سُناتا، اور کتاب اور دانائی
سکھاتا ہی، اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے
یہ کتاب ہی جس کو ہم نے اُتارا ہی، جو
برکت والی ہی تو اُس کی پیروی کرو، اور
پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے
(یہ کتاب تم کو اس لئے دی گئی) تاکہ یہ
کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ
دو قوموں کو عطا ہوئی، اور ہم اس کے
پڑھنے سے غافل تھے، یہ کہو کہ اگر خاص
ہم پر کوئی کتاب اُترتی تو ہم اُن سے زیادہ
راہ راست پر ہوتے، تو تمہارے پاس
خدا کی طرف سے کھلی دلیل، ہدایت، اور رحمت

وَمَآ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَھَا | اور ہم نے اُن کو نہ تو کتابیں دیں جن کو
وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ قَبْلَكَ مِنْ | وہ پڑھیں، اور نہ تجھ سے پہلے اُن کے
نَّذِیْرٍ (سبا) | پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا،

اس بشارت، کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا، اور اس کے ایک ایک فقرہ کی، قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبوی کے ساتھ حرف حرف تطبیق پر غور کریگا، وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا،

ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِہٖٓ | وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ
اٰیٰتٍۢ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ | وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی
الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (حدید) | میں لے جائے،

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے توراۃ اور انجیل کی ایک اور پیشینگوئی کا حوالہ دیا گیا ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ | محمد خدا کا بھیجا ہوا، اور جو لوگ اس کے ساتھ
اَشِدَّاۗءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَیْنَھُمْ | ہیں، وہ کافروں پر بھاری آپس میں
تَرٰىھُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ | مہربان ہیں، دیکھتے ہو تم اُن کو کہ خدا
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا | کے سامنے رکوع اور سجدے میں گرے
سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْهِھِمْ مِّنْ | رہتے ہیں اور خدا کی رحمت اور خوشنودی

أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۵ (فتح - ۱)

ترجمہ: کے جویاں رہتے ہیں، اُن کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے نور ہی، اُن کی حالت کا یہ بیان توراۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہی، جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانۂ خلیل کی کامل آزادی اور معبودانِ باطل کی دائمی شکست کا دن ہی، اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کی آخری وصیت جس پر اُن کی توراۃ اور اُن کے صحیفۂ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بنی اسرائیل کو یہ فرمائی :-

"یہ وہ برکت ہی جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اُن کے لئے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے۔" (استثنار ۳۳ - ۱ و ۲ و ۳)

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے، جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہی، اس بشارت میں کوہِ فاران سے نور الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے، اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں،،

(۱) وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ (فتح - ۴) — محمد خدا کے فرستادہ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں،

(۲) اس کے ہاتھ میں اُن کے لئے آتشیں شریعت ہوگی،

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ (فتح - ۴) — وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے،

(۳) وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا

رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح - ۴) — آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہونگے

(۴) (اے خدا) اُس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے،

تَرٰىھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح - ۴) — دیکھتے ہو تم اُن کو خدا کے آگے رکوع اور سجود میں جھکے ہوئے خدا کی مہربانی اور خوشنودی کے طلبگار ہیں اطاعت و عبادت کے اثر سے اُن کے چہروں

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اُس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں، فتح مکہ کے دن بعینہٖ یہی دس ہزار مقدسین تھے، جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازے میں داخل ہوئے، اور اس طرح حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ کہا تھا، وہ پورا ہوا،

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے،

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ
شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ
عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ ۝
(فتح-۴)

اور اُن کی مثال انجیل میں مثل کھیت کے ہے،
جس نے ٹہنی نکالی، پھر اُس کو مضبوط کیا،
پھر موٹا ہوا، پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا،
کھیت والوں کو خوش اور مسرور کر رہا ہے،

حضرت عیسیٰؑ نے یہ تمثیل "آسمانی بادشاہی" کی دی ہے، چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے،

"آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا، وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے، پر جب اُگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے، اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آکے اُس کی ڈالیوں میں بسیرا کریں"،

(متی ۱۳-۳۱ - مرقس ۴، ۳۰)

"خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص جو زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے اٹھے، اور بیج اس طرح اُگے، اور بڑھے، کہ وہ نہ جانے، اس لئے کہ زمین آپسے آپ پھل لاتی ہے، پہلے سبزی، پھر بال، بعد اُس کے بال میں تیار دانے، اور جب دانا پک چکا تو وہ فی الفور ہنسوا بھجواتا ہے، کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا ہے، (مرقس ۴ - ۲۶)

حضرت عیسیٰؑ نے "آسمانی بادشاہت" کی جو تمثیل دی ہے، قرآن مجید نے اُسی کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے، کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی، ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے جلوس و موکب کا دن فتح مکہ کا دن ہے، اور آسمانی بادشاہی کی تمثیل

پوری ہوئی کہ محمد نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا، اور اُس سے سیکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے، اور اُس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی،

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں،

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اُس کی طرف کان دھرو، (استثناء ۱۸ - ۱۵)

"میں اُن کے لئے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا، وہ سب اُن سے کہے گا، اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سُنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا، لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے، کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُس کو حکم نہیں دیا، اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا، اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں، تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اُس نے کہا ہے واقع نہ ہو، یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی، بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو، (استثناء ۱۸ - ۱۹)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس کے مصداق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا، بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسمٰعیل تھے، اس سے یہ مفہوم ہوا کہ وہ

پیغمبر نسل اسمٰعیلؑ سے ہوگا، حضرت عیسیٰؑ اسماعیلی نہ تھے، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانتے
حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ "وہ آیندہ نبی میرے مانند ہوگا" حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں
کوئی وجہ مماثلت نہیں ہی، حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰ
جنگجو اور مجاہد تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک
پہنچایا، حضرت عیسیٰؑ نے ایسا نہیں کیا، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں
میں بادشاہ تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ صرف واعظ نہ تھے عمل فرما، اور کارپرداز
بھی تھے، حضرت عیسیٰؑ صرف واعظ تھے، حضرت موسیٰؑ قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے، اور
حضرت عیسیٰؑ ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے، برخلاف اسکے حضرت موسیٰؑ اور محمد رسول اللہ علیہما
السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک ہیں، اس لئے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰؑ کے مانند پیدا
ہونے والا تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اس بشارت میں
جو کچھ فرمایا ہی، قرآن مجید نے اُس کی حرف حرف تصدیق کی ہی، قرآن مجید کا بیان ہی کہ خدا نے
روز ازل تمام انبیاؑ سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے، اور اپنی اُمت کو
یہ نصیحت کرجائے کہ جب کوئی پیغمبر اُن کے پاس آئے تو وہ اُس کی تصدیق کرے،

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ	اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ	عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دانائی دیں
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	اور پھر کوئی پیغمبر تمھارے پاس آئے جو کتاب
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	اور شریعت تمھارے پاس ہی اسکی تصدیق

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (اٰل عمران - ۹)

کرنا ہو تو ضرور اس کو ماننا اور اس کی مدد کرنا، اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کرلیا؟ ان باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اس کو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں، فرمایا تو تم گواہ رہو اور تمھارے ساتھ ہم بھی ایک گواہ ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہی ازلی عہد و پیمان کا ایفا تھا،

حضرت موسیٰؑ نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ "وہ میرے مانند ہوگا" قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی،

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ (مزمل)

ہم نے تمھارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے، جو تم پر گواہ ہے جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا،

اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ خدا اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالے گا" قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا،

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (نجم - ۱)

اور وہ اپنی خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے کہ جو اسے خدا کی طرف سے

توراۃ میں ہے،

"اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سُنے گا،

تو میں اُس کا حساب لوں گا،

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے

منکر ہوگا، اس کو اپنے حساب کے لئے تیار رہنا چاہئے،

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (رعد - ٦)	اور اے پیغمبر عذاب وغیرہ کے جو وعدے (ان کفار سے) ہم کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو تمھاری زندگی ہی میں تم کو پورا کرکے دکھائیں گے، یا اُن کے پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اُٹھالیں گے تمھارا کام ہمارے احکام کو اُن تک پہنچا دینا ہے اور پھر اُن کا حساب لینا ہمارا کام ہے

توراۃ نے حضرت موسیٰ ؑ کی زبانی اس بشارت میں یہ کہا،

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے، جس کے کہنے کا میں نے اُس کو حکم نہیں دیا، اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا"

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہر ثبت کی،

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا	اگر پیغمبر (محمد) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر کہتا تو ہم اُس کا ہاتھ پکڑ لیتے،

مِنْهُ الْوَتِیْنَ فَمَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ — اُس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے،

عَنْهُ حَاجِزِیْنَ ، (حاقہ ۲) — پھر تم میں سے کوئی اُس کو مجھ سے نہ بچا سکتا،

توراۃ نے اُس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ "اُس کی تمام پیشینگوئیاں سچی ہونگی" سیرۃ نبویؐ کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں، دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کمی ہوئی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ "رویا میں جو کچھ آپ دیکھتے تھے، وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا"[1] مسلمان تو مسلمان، خود کفار تک کو اس پر یقین تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشینگوئی غلط نہیں ہوتی، یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابیؓ عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے، انھوں نے قریش کے رئیس اُمیہ سے کہا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو قتل ہوگا" اس پیشینگوئی کا یہ اثر اُس پر ہوا کہ کانپ گیا معرکۂ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا، جاتے ہوئے اُس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ کہاں جاتے ہو، تم کو اس مدینہ والے کی پیشینگوئی یاد نہیں"[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینکڑوں پیشینگوئیاں کیں، اور اُن میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر پوری اُتری،

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر رُوم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا، اُس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا، ایک دن وہ دربار میں آیا، تو چہرہ متغیر تھا، کسی درباری نے سبب دریافت کیا تو اُس نے کہا رات تاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملک الختان" (ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہو گیا، تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے، درباریوں

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی [2] صحیح بخاری مغازی،

نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں، اس لئے آپ مضطرب نہ ہوں، صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں، اسی اثنا میں حدودِ شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے قیصر نے کہا "دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟" اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا، تو اُس نے کہا "ہاں یہ اُس اُمت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے،" اور اس کے بعد اہلِ دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ" درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا، مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحبِ علم دوست تھا قیصر نے اس کو لکھا تو اُس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی،

ہمارے محدثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں، اور اسی لئے لفظ ملک الختان کا تلفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے، اور نہ مَلَک (فرشتہ) ہے، بلکہ ملاک ہے جس کے معنی "فرستادہ اور پیغامبر" کے ہیں جس کی اصل عربی میں الوکہ بمعنی پیغام ہے، اور اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں ملک پڑھا جائے تو یہ لفظ اس موقع پر "فرشتہ" کے اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے، قیصر کا یہ لفظ ملاک الختان (ختنہ کا پیغامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراۃ کی ایک پیشنگوئی کی طرف اشارہ ہے، ملاخیا نبی کی کتاب میں یہ پیشنگوئی ان الفاظ میں مذکور ہے،

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا، اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا، اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں "ختنہ کا رسول" جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئیگا، ربّ الافواج فرماتا ہے، پر اُس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا"

اور جب وہ ظاہر ہوگا کون ہے جو کھڑا رہے گا، کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کے مانند ہے اور وہ روپیہ کا میل کاٹتا ہوا اور اُسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا،" (باب ۳)

آج کل کے ترجموں میں "ختنہ کے رسول" کے بجائے "عہد کا رسول" لکھا ہے، یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا اُس کے متعلق یہ بشارت ہے لیکن اصل یہ ہے کہ توراۃ کی زبان میں "ختنہ" نسل ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی عہد و میثاق" کی مہر کا نام ہے، توراۃ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے مذکور ہے:-

"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنی بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو، اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے" (پیدایش ۱۷-۱۰)

اس بنا پر "ختنہ" کے بجائے مترجمین نے "عہد" کا لفظ رکھ دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب مولد کے زمانہ میں اس پیشینگوئی کے مطابق اس "رسول الختان" کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا، اور قیصر روم اسی پیشینگوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ کے حق میں نہ تھی، کیونکہ اگر اُن کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اُس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا، "رسول الختان" کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہوگا، اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے، یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسل ابراہیم کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے'

توراۃ میں ایک اور بشارت ہے،

"خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا، فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، (استثنار ۳۳-۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں پھر دہرایا گیا ہے؛

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہِ فاران سے آیا، اُس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا، اور اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی، (۳-۳)

صحیفۂ استثنار کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہو، کوہِ سینا، کوہِ سعیر اور کوہِ فاران، یہ درحقیقت خورشید نبوت کے تین مطلع ہیں، اُن میں بہ ترتیب کوہِ سینا سے حضرت موسیٰؑ، کوہِ سعیر سے حضرت عیسیٰؑ اور کوہِ فاران سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے، حضرت حبقوق اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا، تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں، اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں، پھر کہتے ہیں "اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا" یہ معراجِ آسمانی کی تشریح ہے، پھر کہتے ہیں "اس کی حمد سے زمین معمور ہوگئی" زمین کا کون گوشہ ہو جو محمدؐ کے حمد سے معمور نہیں، لفظ حمد کہ محمد کا مادہ اور عباداتِ اسلامی کا آغاز (الحمد الخ) ہے محمدؐ رسول اللہ کی تلمیح سے لبریز ہے،

توراۃ کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا،

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ — قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی، "

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ (تین) اس امن والے شہر کی،

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جو حضرت عیسیٰؑ کا مولد اور کوہ سعیر کا مبدر ہے، طور سینا حضرت موسیٰؑ سے عبارت ہے، اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے،

علماے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن ہم نے صرف انہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے، جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں، کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشینگوئیاں عرب کے کاہنوں اور بتخانوں کے پوجاریوں سے منقول ہیں لیکن چونکہ اُن کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے، اسلئے ہم اُن کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں، تاہم ان روایات کا قدر مشترک اس قدر ضرور نکلتا ہے کہ عرب بھی ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا، روم و فارس کی دہ سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو لالہ زار بنا دیا تھا، اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کردی تھی، اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لئے کافی تھا، اور یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے، اس لئے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب و روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ اور انجیل کی بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا، صحیح بخاری میں حضرت ابو سفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبویؐ دعوت نامۂ اسلام لیکر قیصر کے دربار میں پہنچا ہے، اور قیصر نے ابو سفیان کو بلا کر جو اُس وقت تک کافر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند استفسارات کئے ہیں، اور ابو سفیان نے اُن کے جو جوابات دیئے ہیں، اُن کو سُن کر

اُس نے بھرے دربار میں کہا "تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے، تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اس کے قبضہ میں ہوگی، مجھکو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر ممکن ہوتا تو میں خود جاکر اس کی زیارت کرتا، اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا،"[1]

قیصر کے محرم راز اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہو کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبویؐ خط لیکر گیا تھا، وہ بھی یہ جواب لایا، کہ "ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنیوالا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا، حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے پیغمبر ہیں[2]" یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا، اور فیصلۂ حق کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں، لیکن وفد کے سمجھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا، اور کہا کہ "خدا کی قسم اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لئے تباہ ہوجائیں گے"[3] اس سے معلوم ہوا کہ اُن کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا، اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگردان رہے، وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے، دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے، یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے۔ اور اُن کا بھی یہی حال پایا، وہاں سے شام کے عیسائیوں

---

[1] صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی [2] سیرۃ نبوی جلد اول [3] سیرۃ نبوی جلد دوم

میں گئے، دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں، آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمھیں دینِ حق کی تلاش ہو

تو عراق جاؤ" وہاں ایک بزرگ ہیں، زید جب اُن کے پاس پہونچے، اور لبِ سوال وا کیا، تو

دریافت کیا کہ تم کہاں سے آتے ہو، زید نے کہا حرمِ مکہ سے، اُن بزرگ نے کہا جاؤ تم اپنے

وطن کو لوٹ جاؤ، دینِ حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے، وہ لوٹ کر مکہ آئے، لیکن اسلام

سے پہلے اُن کی وفات ہوگئی[1] ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرۃ جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ

وہ جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے، بعثت کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہؓ آپ کو

لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں، تو ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی، اور آرزو ظاہر کی کہ کاش

میں آپ کی ہجرت تک رہتا، تو آپ کی مدد کرتا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں

کو آنے والے پیغمبر کا اُس وقت انتظار تھا،

ابن سعد، ابن اسحاق، مسند احمد، تاریخ بخاری، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی، معجم

طبرانی، دلائلِ ابونعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی ایک آنے والے پیغمبر کے

جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے، اور انہی سے سُن سُن کر اوس و خزرج کے کانوں میں

پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی، اور اکثروں کے لئے یہ خبر ہدایت کا باعث بنی،

چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتبِ مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسندِ صحیح

مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ "میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ آیا، اثنائے وعظ میں اس نے

---

[1] مسند ابو زرعہ،

ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا، اُس نے اُن انصاری کی طرف جو اُس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے، اشارہ کرکے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اُس کا زمانہ پائے گا،" انس بن مالکؓ سے روایت ہو کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا، اتفاق سے وہ بیمار پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی عیادت کو گئے، اور اس کے باپ سے پوچھا کہ "کیا میرا ذکر تم توراۃ میں پاتے ہو؟" اُس نے کہا نہیں، لڑکے نے فوراً جواب دیا "ہاں یا رسول اللہ آپ کا ذکر ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے"، اور یہ کہکر اُس نے کلمہ پڑھا، اور مسلمان ہوگیا،[۱] عربوں اور یہودوں میں جب لڑائی ہوتی، تو یہودی کہا کرتے تھے، کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، اُن کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی، قرآن مجید نے اُن کے اُسی عقیدہ کو دہرا کر اُن کے عدمِ اسلام پر ملامت کی ہے،

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى	اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا	پیغمبر کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے، پس
عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	جب وہ سامنے آگئی جس کو انھوں نے
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، (بقرہ - ۱۱)	پہچان لیا تو انکار کر دیا، کافروں پر خدا

قرآن مجید نے اُس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو اُن کے اس سابق یقین کے خلاف اُن کے موجودہ اظہارِ کفر پر اُن کی سرزنش کی ہے،

---

[۱] بیہقی باسناد صحیح، مگر یہ روایت صحیح بخاری (کتاب جنائز) سے کسی قدر مختلف ہی، صحیح بخاری میں ہو کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا،

اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (بقرہ ۱۷)	جن کو کتاب پہلے دیجا چکی ہو وہ یقیناً (اُن نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں،) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے اُن کے پروردگار
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ - ۱۷)	جن کو ہم پہلے کتاب دیچکے ہیں اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن اُن میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے،
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنَاهُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (انعام ۲)	جن کو ہم پہلے کتاب دیچکے ہیں، وہ اُس کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے

یہ انہی بشارتوں اور پیشینگوئیوں کا اثر تھا کہ علماے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراۃ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضرِ خدمت ہوتے تھے اور سوالات کرتے تھے، اور آپ کا امتحان لیتے تھے، اور جب اُن کو تشفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہوجاتے تھے،

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام پر تقریر کی، اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوگئی، اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" اور اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سُنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا

اٹھا کر کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اُس سے زیادہ نہیں[۱]"

کفار عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اُس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں،

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۝ (احقاف - ۱)	اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو، اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو، اور تم اُس سے منکر ہو، اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب نازل ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا، اور تم مغرور بنے رہے تو[۲]
اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (شعراء)	کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں،

[۲] یعنی اس صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا،

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲،

خصائصِ محمدیؐ

خصائص وہ امور ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں، جو اوروں کو نہیں ملی تھیں، یہ خصائص محمدیؐ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو صرف آپ کے لئے تھے، اور آپؐ کی اُمت میں سے کسی اور کے لئے نہ تھے، دوسرے وہ جو صرف آپؐ کو عطا ہوئے، اور دوسرے انبیاء عَلَیہِم السَّلام کو مرحمت نہیں ہوئے، غرض پہلی خصوصیتیں اُمت کے مقابلہ میں اور دوسری انبیاء عَلَیہِم السَّلام کے مقابلہ میں تھیں، ہم نے پہلے کا نام "خصائصِ ذاتی" اور دوسرے کا "خصائص نبویؐ" رکھا ہے،

اربابِ سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے کہ اُس سے بارگاہِ الٰہی میں آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیات میں شمار کرکے خصائص نبوی کا ایک بڑا انبار لگا دیا ہے، مثلاً حافظ ابو سعید نیشاپوری نے شرف المصطفٰی میں آپکے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے، حافظ سیوطی نے خصائصِ کبریٰ میں اس پر سیکڑوں کا اور

اضافہ کیا ہے، حالانکہ اُن میں اکثر کا ماخذ، تاویل بعید، نکتہ آفرینی، اور ضعیف روایتیں ہیں بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کرلی گئی ہیں، جو گو عام افرادِ امت کے لئے نہیں لیکن امراء اور خلفائے اسلام کا اُن سے اتصاف تعلق جائز ہے،

محدثین نے خصائصِ ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انھوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیثِ قولی کو حدیثِ عملی پر ترجیح ہوگی یعنی اگر ایک امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت ہے، اور اُس کے مخالف دوسرا امر آپکے عمل سے ظاہر ہوتا ہو، تو عام اُمت کو آپکے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپکے قول کی تعمیل کرنی چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپ کے لئے مخصوص اور آپ کے خصائصِ ذاتی میں ہو لیکن ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لئے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر آتے ہیں، خصوصاً حضرت مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اُن کے متعلق فرمانِ الٰہی نے اعلان کردیا ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ	اور تمہارے لئے (اے مسلمانو!) رسول اللہ
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ (احزاب)	میں بہترین اقتدا ہے،

توجب آپ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپ کی تقلید، اور پیروی کا حکم دیا گیا، تو ایسی حالت میں آپ کا ہر فعل ہمارے لئے قابلِ تقلید اور لائقِ پیروی ہے، بے شبہ بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو بحیثیت پیغمبر آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں لیکن ضرورت ہے کہ دفعِ التباس اور رفعِ شک کے لئے ان تمام مخصوص امور

کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلانِ عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصاتِ نبوی ہیں، اور یہ عامِ اُمت کے لئے نہیں ہیں، اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر خصائصِ ذاتی تھے، شریعت نے اُن کو برملا واضح کر دیا ہے، اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لئے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصاتِ نبوی میں ہیں، ان کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی، اور اس طرح یہ معلوم ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصائصِ ذاتی ہیں، وہ چند محدود امور ہیں، اور کتاب و سنت نے اُن کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے،

خصائصِ ذاتی

نبوت اور لوازمِ نبوت سب سے پہلی چیز جو آپ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ مخصوص تھی اور جس کا کوئی حصہ افرادِ اُمت کو نہیں ملا، وہ نبوت اور اُس کے لوازم وحی، تشریع، اخبارِ الٰہی، نزولِ جبریل، نسخِ احکام وغیرہ ہیں، یعنی آپ کے سوا نہ تو کسی فردِ اُمت پر کوئی وحی آئی اور نہ آسکتی ہے، نہ کسی کو کوئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سُن کر وہ خبر دے سکتا ہے، نہ اُس کے پاس قاصدِ الٰہی آسکتا ہے، نہ وہ احکامِ شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے، وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افرادِ اُمت کے لیے باقی ہیں، اور وہ رویائے صادقہ اور کشف و الہام ہیں۔

امورِ متعلقہ نکاح مسائلِ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند امور مخصوص کر دیئے گئے ہیں جن کی رخصت عام اُمت کے لئے نہیں،

۱۔ عام مسلمان بشرطِ عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے،

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے بغیر مہر کے آپ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ اُس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو

ایسا واقعہ نہیں ہوا لیکن افرادِ اُمت کے لئے بغیر نکاح ممکن ہی نہین،

یہ دو خصتین تھین لیکن اُن کے مقابلہ میں اس باب مین آپ پر کچھ قیدین بھی تھین جو عام افرادِ اُمت پر نہین،

۳۔ آپ پر وہی عورتین حلال تھین جن کو ادائے مہر یا بغیر مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے، اور رشتہ کی بہنون میں سے صرف وہی عورتین آپ کی زوجیت میں رہ سکتی تھین جنھون نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی، عام مسلمانون پر قید نہ تھی،

۴۔ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتون سے جنھون نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کرسکتے تھے اور کرسکتے ہین، مگر آپ کو اس کی اجازت نہ تھی،

۵۔ جو بیویان آپ کے پاس تھین، اُن میں سے اب کسی کو نہ آپ طلاق دے سکتے تھے، اور نہ اُن کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کرسکتے تھے،

۶۔ آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ اُن بیویون مین سے چند کو اپنے قریب کرلین، اور باقی کو پیچھے کردین، چنانچہ آپ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ اور اُمّ سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا، اور بقیہ کو شرفِ زوجیت بخشنے کے ساتھ اپنے سے علحدہ رکھا تھا، اور اُن مین آپ ردّوبدل بھی کرسکتے تھے،

۷۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویون کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی،

وَلَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ   اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبر کی بیویون سے

اَبَدًا (احزاب) اس کے بعد کبھی نکاح کرو،

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں تبصریح تمام مذکور ہیں، اور اُن کے خاص وجوہ و مصالح
ہیں، اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی، بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی،
توراۃ میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام ملتے ہیں جن کی متعدد بلکہ سیکڑوں بیویاں تھیں،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف
ایک بی بی (حضرت خدیجہؓ) پر کفایت کی، حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کیے،
حضرت سودہؓ سے جو کبیر السن تھی، اور حضرت عائشہؓ سے جو صرف ۶ برس کی تھیں اتنی
چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یکجہتی
کی ترقی ہی کے لئے ہو سکتا تھا، مدینہ آکر آپ نے چند اور نکاح کیے، اُن نکاحوں پر ایک عمیق نظر
ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن میں دو قسم کی عورتیں تھیں، ایک وہ جو روساے
قبائل کی لڑکیاں تھیں، اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لیے تعلقات کی توسیع
اور اضافہ تھا، حضرت عائشہؓ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی
تھیں، حضرت اُم حبیبہؓ ابو سفیان رئیس بنی اُمیہ کی بیٹی تھیں، حضرت جویریہؓ قبیلۂ بنی المصطلق
کی رئیسہ تھیں، حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں،

ازواج مطہرات میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا، اور گویا
اس طرح اُن کی کفالت کا بار آپ نے اٹھایا تھا، چنانچہ حضرت سودہؓ حضرت اُم سلمہؓ حضرت
میمونہؓ حضرت زینبؓ ام المساکین، یہ سب بیوائیں تھیں، ایک اور بیوی حضرت زینب بنت جحش

تھیں، جو گو بیوہ نہ تھیں لیکن مطلقہ تھیں، اُن کے شوہر نے اُن کو طلاق دیدی تھی، اس تفصیل سے آپ کی کثرتِ ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے،

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورۂ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے، لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے، اور اس کے بعد[1] آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں، اس لئے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی ۸ھ کو قرار دیا جاسکتا ہے کہ ۸ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی، اور خیبر، طائف، اور مکہ معظمہ فتح ہوچکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت تھی،

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام نے ازواج مطہراتؓ کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور اُن کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دیکر اُن کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا، اور اُن کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا، وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (سورۂ احزاب) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے، اب جناب رسالت مآب صلعم کے لیے اس کے سوا چارۂ کار کیا ہوتا کہ وہ اپنی موجودہ بیویوں پر محدود رہیں کہ اگر اُن میں سے کچھ کو طلاق دیدی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آسکتیں، اس لئے اُن پر صریح ظلم ہوتا، بنابریں

---

[1] طبقات ابن سعد جزء نساء ص ۹۴،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیویوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے،

اور طلاق کی رخصت آپ سے سلب کرلیجاتی ہے، اور اُن محدود ازواج میں سے بھی چند کو قریب

رکھنے اور بقیہ کو شرفِ زوجیت کے ساتھ علٰحدگی (ارجار) کا حکم دیا جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم چار کو یعنی حضرت عائشہ رضؓ، حفصہؓ، اُمّ سلمہؓ، زینبؓ کو اختیار کرتے ہیں، اور حضرت

سودہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ اور حضرت اُمّ حبیبہؓ سے ارجار کرتے ہیں[1]،

کتابیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوّتِ

محمدی پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امورِ دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا، اور نہ

اس کو محرمِ راز ہونے کا شرف بخشا جا سکتا تھا،

نمازِ شبانہ | شروع میں جب نمازِ پنجگانہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے مسلمانوں پر رات

کی نماز (تہجد) فرض تھی، اس کے بعد معراج میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہو گئی، تو

تہجد کی نماز عام اُمت پر فرض نہیں رہی بلکہ صرف مستحب رہ گئی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے لیے یہ نمازِ شبانہ فرضِ مزید کے طور پر باقی رہی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری پابندی

کے ساتھ اس کو ادا کرتے تھے، یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پائے مبارک

میں ورم آجاتا تھا، سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے، اس میں نمازِ پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً   اور رات کے حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ، یہ

لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ   تیرے لئے مزید ہے، قریب ہے کہ تیرا پروردگار

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری تفسیر سورہ احزاب جلد ۲۲ ص ۱۶ مصر

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل ۸۰) تجھ کو مقامِ محمود (مرتبۂ شفاعت) میں اٹھائے،

نمازِ چاشت اور قربانی اسی طرح چاشت کے وقت نماز عام مسلمانون کے لئے نفل ہے، مگر احادیث[1] میں ہے کہ یہ نماز آپ پر بمنزلہ فرض کے تھی، اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی، غالباً یہ حدیثین سورۂ کوثر کی تفسیرین ہیں،

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ ۔ اے پیغمبر! ہم نے تجھے کوثر عطا کیا تو تو اس کے

وَانْحَرْ ۔ (کوثر) شکرانے میں اپنے رب کی نماز (چاشت پڑھ) اور قربانی کر،

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہین، اس لئے ہمین اُن کو خصائصِ نبوی میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے،

عصر کے بعد نماز دوگانہ عام اُمت کے لئے نمازِ عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرین بعض ازواجِ مطہرات[2] نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، دریافت کیا تو فرمایا کہ "ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو رکعتین مجھ سے رہ گئی تھین، یہ ان کی قضا پڑھتا ہون" عام اُمت کے لئے تو اس کی قضا واجب بھی نہ تھی، اور اگر ہوتی بھی تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپ نے اپنے لئے ایک نمازِ سنت کے ترکِ عمد کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کوشش کرتے رہے،

صومِ وصال یعنی کئی کئی دن متصل افطار کئے بغیر روزہ رکھنا عام اُمت کے لیے ممنوع ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے، اور بیچ مین افطار کے وقت کچھ

[1] بحوالہ خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم طبع حیدر آباد [2] ابو داؤد ترمذی باب الصلوٰۃ بعد العصر،

کھاتے پیتے نہ تھے، بعض صحابہؓ نے آپ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا، تو آپ نے روک دیا، اور فرمایا تم میں کون میری طرح ہے، مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے۔[۱]

صدقہ و زکوٰۃ کھانے کی حرمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے، عام مسلمان غربت اور تنگدستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے، مگر آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے اس مد کی ہر شے حرام کر دی، اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی صرف میں لانا گوارا نہ فرمایا، یہاں تک کہ اگر حسنین علیہما السلام لڑکپن کے اقتضا سے صدقہ و زکوٰۃ کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے، تو آپ اگلوا دیتے تھے[۲] اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگوں کے مال و دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو روا نہیں[۳]، چنانچہ سادات کے لئے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں، آپ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر جاتا تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرے، تو آپ دریافت فرمالیا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟ اگر تحفہ کہتا قبول فرماتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے،[۴] اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ و خیرات کی اس تاکید کا مقصود (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا،

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الاعتصام [۲] صحیح بخاری و مسلم کتاب الزکوٰۃ [۳] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ [۴] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و صحیح بخاری کتاب الہدایا،

خصائصِ نبویؐ

دیگر انبیاءؑ کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپ کو عطا ہوئے ہیں، وہ متعدد و معتبر حدیثوں میں مختلف تعدادوں میں تمام بنام خود زبانِ اقدس سے ادا ہوئے ہیں، صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں، مجھے رعب اور دھاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی، میرے لیے تمام روے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا، اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لئے حلال نہ تھا، شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا، مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے، اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا[1]" صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی چھ باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب و داب سے نصرت دی گئی، مالِ غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا، تمام روے زمین میرے لئے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا[2]"

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبانِ اقدس سے بیان ہوئی ہیں،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب جعلت لی الارض کلہا مسجدا، و کتاب التیمم و صحیح مسلم باب المساجد و نسائی باب التیمم [2] صحیح مسلم باب المساجد و ترمذی کتاب السیر و نسائی،

مثلاً یہ کہ میرا معجزہ وحی قیامت تک کے لئے ہے، میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں، میری نبوت اولین ہے، مجھ کو فلان فلان سورتین دی گئین جو کسی اور کو نہیں ملین، فلان فلان وقت کی نمازین خاص میری امت کے لیے فرض ہوئیں، مگر حقیقت میں ان مین بعض جزئیات ایسی ہیں جو انہی چھ عنوانون کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے مندرج ہین، سورتون کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے بعض نمازون کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے،

قرآن مجید میں آپ کی دو خصوصیتین مذکور ہوئی ہیں، وہ ان سب کو جامع ہیں، یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت، بہرحال اجمال کر چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے،

رعب و نصرت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے، اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبرون کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہین جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہین، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام، مگر ان مین سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا، اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز گو انتہائی بیچارگی اور مسیحی غربت سے ہوا، مگر انجام موسوی طاقت، داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا، اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ کی تمامتر قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتون نے راستہ پایا، بھولون نے یاد کیا، سننے والون نے آواز دی، اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ جس راستہ

سے نکل جاتے گنہگار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے،
متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے فتح و نصرت، رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی،
یہانتک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے"[1]، علامہ ابن خلدون نے
مقدمہ میں فنونِ جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی
ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے، وہ اُسی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد
مرعوبیت چھا جاتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لئے عطا ہوا تاکہ مزید خونریزی کے بغیر
ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے، اور صدائے حق کے لئے راستہ صاف ہو،
قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا،

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (انفال) — عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا،

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی،

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (احزاب و حشر) — اور خدا نے اُن کے دلوں میں رعب ڈالدیا،

چنانچہ بڑی بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر آئے مگر جب روئے روشن
پر نظر پڑی، کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے،
مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے، اور جن کو

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ و احمد و ابن ابی شیبۃ و بیہقی و بزار عن علی،

اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانون پر ناز تھا جب انھون نے سرتابی کی، بے لڑے بھڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو اُن کے قلعون کے سامنے دفعۃً کوکبۂ اسلام طلوع ہوا، تو اُن کے مُنہ سے چیخ نکل گئی کہ "محمد کا لشکر!" ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجون کے پرے لگا تار ہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اُس کو لے کر اسلام کے موجزن دریاے الٰہی کا نظارہ دکھارہے تھے، اور رنگ رنگ کے علم نگاہون کے سامنے سے گذر رہے تھے، تو ہر نئے دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ کانپ جاتا تھا،

باانیہمہ اس مجسمۂ ہیبت کا حال کیا تھا، ناآشنا ڈرتے تھے، اور وہ اُن کو تسکین دیتا تھا، بےخبر اس سے رعب کھاتے تھے، اور آگاہ پروانہ تھے کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ‏ محمد رسول اللہ اور اُن کے ساتھی کافرون پر

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ‏ بھاری اور آپس مین رحمدل ہیں،

ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی کانپ گیا، فرمایا ڈرو نہین، مین بادشاہ نہین ہون، مین تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہون جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی[1]، حضرت مخرمہ صحابیؓ نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنانخانہ مین ہین، آپ کو آواز دو، وہ ہچکچانے لگے، باپ نے کہا جان پدر! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہین ہین[2]، یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ وسنان کی چمک، فوج وعسکر کے تلاطم

---

[1] شمائل ترمذی [2] صحیح بخاری جلد دوم ص ۸۷۱،

جانبازون کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیون کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ

ہیبتِ حق است این از خلق نیست　　　ہیبتِ این مردِ صاحب دلق نیست، (رومی)

سجدہ گاہ عام | اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں، وہ اپنے مراسمِ عبادت کے ادا کرنے کے لئے چند گھری ہوئی چاردیواریون کے محتاج ہیں، گویا اُن کا خدا انھی کے اندر بستا ہے، یہود اپنے صومعون اور قربانگاہون سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں، اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کرسکتے ہیں، عیسائی اپنے کنیسون کے بغیر خدا کے آگے نہین جھک سکتے، یہان تک کہ بت پرست قومین بھی اپنے بتخانون ہی کی چاردیواریون کے اندر اپنے دیوتاؤن کو خوش کرسکتی ہیں، لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب وگل اور سنگ وخشت کی چاردیواریون میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جاسکتا ہے، کوہ وصحرا، خشکی وتری، مسجد وکنشت[1] ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، وہ جس طرح مسجدون کے اندر ہے، مسجدون کے باہر بھی ہے، اس کی قربانی مشرق ومغرب ہر جگہ گذرانی جاسکتی ہے،

اَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ　　　جدھر منہ پھیرو، اُدھر ہی خدا کا منہ ہے

ہر جا کنیم سجدہ بدان آستان رسد

آپ نے فرمایا کہ "میرے لئے تمام روے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی"[2]، یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت نہان ہے، جو اسلام کی عالمگیری اور

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیع میں ہو کہ حضرت ابن عباسؓ ان گرجاؤن میں جن مین تصویرین نہ ہوتین نماز پڑھ لیتے [2] صحیح بخاری ومسلم ونسائی وترمذی باب المساجد

اُس کے آخری مذہب ہونے کا اعلانِ عام کرتی ہے،

پیروون کی کثرت | دنیا مین لاکھون پیغمبر آئے مگر آج دنیا میں اُن کی تعلیم وہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں، یہان تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی اُن کا نام ونشان نہین، وہ انبیار جن کے صرف حالات معلوم ہین، اُن کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے، حضرت نوحؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ، حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہون، حضرت موسیٰؑ کی کوششون کے جولانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے، جو قدم قدم پر راہِ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں کہین گوسالے کو پوجتے ہین، کہین خدا کو ان آنکھون سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہین کہین سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدانِ جنگ مین جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ کارنامے، صرف اسی قدر اثر دکھاتے ہیں، کہ چند وہائی انسان اُن کی شیرین گفتاری کا دم بھرتے ہین، مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابنِ آدم کو دشمنون کے پنجہ مین اسیر کراتے ہین، اور تین دفعہ اُس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیون میں آپ نے تنِ تنہا بے یار و مددگار متلاشیانِ حق کو صدائے توحید دی، جواب میں پہلے ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی لیکن ۲۳ سال نہ گذرنے پائے تھے، کہ ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے پُرشور ہوگیا، اور جب آپ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لیے حجۃ الوداع کا اعلان کیا، تو کم وبیش ایک لاکھ جان نثار و فدا کار داہنے بائین کھڑے تھے،

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا اُن کی اُمت میں صرف ایک ہی نکلا"، صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا "ایک دفعہ مجھ پر (عالمِ مثال میں) قومیں پیش کی گئیں بعض پیغمبر ایسے تھے کہ اُن کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے، اُن کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی، خیال ہوا کہ یہ میری امت ہو گی، تو بتایا گیا کہ یہ موسیٰ اور اُن کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو، تو اتنا سواد عظیم نظر آیا کہ اُس سے افق چھپ گیا، پھر کہا گیا، اسی طرح ادھر دیکھو اُودھر دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا کہ یہ سب تیری اُمت ہے"۔

دعوتِ عام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروون اور حلقہ بگوشون کی کثرتِ تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیا آئے، وہ خاص خاص قومون اور قبیلون کی طرف بھیجے گئے، ان کی دعوت عام نہ تھی، یہان تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑون کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روی زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی، کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم، ترک، تاتار، چینی، ہندی، سب آپ میں برابر کے حقدار ہیں، قرآن نے کہا:-

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا)

اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانون کے لیے بھیجا ہے،

ؔ صحیح مسلم کتاب الایمان ؔ صحیح مسلم کتاب الایمان و بخاری کتاب الطب باب وفاة موسیٰ و کتاب الرقاق

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا	بابرکت ہو وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے،

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا، اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں"، اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں، اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ سب کے پیرو دن کو اس کی زندگی میں خود اسی کے قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے، لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ صہیب رومیؓ، بلالؓ حبشی سب کو پاؤ گے، سلاطینِ عالم کے نام آپ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیم دعوت کی مستحکم علمی دلیل ہے،

جوامع الکلم دنیا میں کئی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک کے سوا وصفِ جامعیت سے سب محروم ہیں، توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے، عقیدۂ توحید و رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائلِ عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائقِ اخلاق سے یکسر خالی ہے، زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے، سفر ایوب میں صرف عقیدۂ تقدیر و رضا کی تعلیم ہے، امثالِ سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں، دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ و ندامت پیشنگوئی اور ماتم ہیں، انجیل کا صحیفہ، حضرت مسیح کی سرگذشت اور تعلیماتِ اخلاقی کا مجموعہ ہے لیکن محمد رسول اللہ کو جو صحیفہ ملا، وہ جوامع الکلم ہے، یعنی وہ تمام باتوں کو جامع ہے، وہ توراۃ بھی ہے

[1] بخاری و مسلم کتاب المساجد،

زبور بھی، اور انجیل بھی، اور کچھ اُن سے زیادہ بھی، اسی لئے آپ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے، کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے[1]، بیہقی میں[2] حضرت واثلہ بن الاسقعؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے توراۃ کی جگہ سبع طوال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں، اور سُورِ مفصلات[3] زیادہ ملیں" ابونعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ مئین انجیل کی جگہ حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں[4]"

اس لئے قرآن مجید، توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے، اور اُن کے سوا کچھ اور بھی ہے[5]، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواعظ بھی ہے، دعا، و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام مراسم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لئے کامل ہدایات اور صحیح

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام و باب التعبیر و مسلم کتاب المساجد [2] بحوالہ خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۱۹۸، [3] سبع طوال مئین اور مفصلات، قرآن مجید کی گنی گنی سورتوں کے مختلف مجموعوں کے نام ہیں، [4] ابونعیم عن ابن ابی عباس (بحوالہ خصائص سیوطی جلد ۲ ص ۲۲۳، دوسری روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ قرین قیاس ہیں، کیونکہ مثانی اور سبع طوال ہماری تحقیق میں ایک ہی ہیں اور پہلی روایت میں اُن کو دو بتایا گیا ہے، حالانکہ خود قرآن نے سَبْعًا مِنَ المثانی (مثانی کی سات سورتیں) کہا ہے، حوامیم وہ سورتیں ہیں، جن کے شروع میں حٰمٓ ہے، سبعاً من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علماء کی تشریحات میں بہت سے اختلافات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعاً من المثانی سورۃ فاتحہ کو کہا گیا ہے جس میں سات آیتیں ہیں، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب،

تعلیمات موجود ہیں، صرف توراۃ کے اسفارِ خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا مکمل سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ اُن کے عقائد و عبادات بھی اُن کے صحیفوں کے رہنِ منت نہیں، اور وہ اُن کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں، لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں، باہر جو کچھ ہے (احادیث) اس کی عملی توضیح و تفسیر ہے، وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل، اور ہر سوال کا مجیب ہے، اور اسی لئے اُس کے پیرو کامل حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرۂ فخر بلند کرتے ہیں،

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کے ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں، اُس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہا نے چند در چند مسائل نکالے ہیں، اور صوفیہ اور اربابِ حال نے متعدد نکتے پیدا کئے ہیں، تاہم اُس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا، اور اُس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا،

تکمیلِ دین اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے، تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا، کامل ہوگا، قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ عام اعلان کیا،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری

---

[۱] صحیح بخاری ذکر مرضہ ووفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم ومسلم کتاب الوصیہ،

دِیْنًا ۝ کردی، اور اسلام کو دین کی حیثیت سے

(مائدہ ۱-۱) میں نے تمہارے لئے پسند کیا،

اسلام قرآن کے عقیدہ کے مطابق اُس صحیح مذہب کا نام ہے، جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا، اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچکر تمام ہوگیا، اور یہ منصبِ خاص صرف آپ کی ذات پاک کے لئے روزِ ازل سے مقدر ہوچکا تھا، آپ نے فرمایا: انا خاتم النبیین و آدم منجدل فی طینتہٖ[۱] میں پیغمبرِ آخر تھا، اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیلِ دین کی تشریح فرمائی ہے، فرمایا "میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں، اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، تو میں وہ آخری اینٹ ہوں[۲]" عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے، اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی اُمی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے،

دائمی معجزہ | وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کے لئے آیا کیا، اس لئے اُن کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک

---

۱ مستدرک حاکم تفسیر سورۂ احزاب ۲ صحیح بخاری و صحیح مسلم و ترمذی باب خاتم النبیین،

خاص وقت میں پیدا ہوئے، اور مٹ گئے، اب عصائے موسیٰؑ، لحنِ داودؑ، تعبیرِ یوسفؑ، ناقۂ ہودؑ، نفسِ عیسیٰؑ کا کہاں پتہ ہے، لیکن جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا کامل تھا، اور قیامت تک کے لئے آیا تھا، بنا بریں اس کے لئے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی، اور وہ خود صحیفۂ اسلام ہے، صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے، جو خدا نے بھیجی، تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیا سے زیادہ ہوں گے۔ یہ خیالِ مبارک اسی لئے تھا کہ آپ کا معجزۂ وحی قیامت تک کے لئے ہے، اس لئے اس کو دیکھنے والے، اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے اسی لئے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا، اسی لئے وہ ہمیشہ کے لئے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا، وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (حجر) "اور ہم ہیں اس کے محافظ"

ختم نبوت | یہ رُعب و نصرت، یہ پیرووں کی اکثرت، یہ سجدہ گاہِ عام، یہ اعجازِ دوام، یہ جوامع الکلم، یہ دعوتِ عمومی، یہ تکمیلِ دین، یہ آیاتِ مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجودِ اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہوگیا، اور نبوت و رسالت کا سلسلہ منتہی ہوگیا اور اب دنیا کسی نئے آنے والے کے وجود سے مستغنی ہوگئی، اسی لئے قرآن پاک نے عہدِ نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلانِ عام کیا کہ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الاعتصام، و صحیح مسلم کتاب الایمان،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ — آج میں نے تمہارا دین کامل کردیا، اور
اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ — اپنی نعمت تم پر تمام کردی، اور تمہارے
لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ) — لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا،

یہ آیت جو نو ذی حجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی، اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے ۵ھ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گذار ہو چکی تھی،

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ — محمد تمہارے مردوں میں سے کسی
رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ — کے باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور
وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ، (احزاب) — تمام نبیوں کے خاتم ہیں،

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے، اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے[1]، اسی سے اس کے دوسرے معنی "کسی شے کو بند کرکے اس پر مہر کرنے کے ہیں" جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے، اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں، قرآن مجید میں یہ تمام معنی مستعمل ہوئے ہیں، مثلاً :-

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی — آج (قیامت کے دن) ان کے منھ

[1] دیکھو لسان العرب، وصحاح جوہری واساس البلاغۃ زمخشری،

اَفْوَاهِهِمْ (یٰسٓ) پر مہر لگا دیں گے (یعنی بند کر دیں گے کہ بول نہ سکیں)

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں،

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ (بقرہ) خدا نے ان (کافروں) کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی اُن کے دلوں کے دروازے بند کر دئے)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ اُن کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں،

وَخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ، (جاثیہ) اور خدا نے اُس کے کان پر اور دل پر مہر لگا دی (یعنی اُس کے کان اور دل بند کر دیئے)

کہ اس کے کان کے اندر دعوتِ رسول کی آواز اور اُس کے دل کے اندر اُس آواز کا اثر نہیں جاتا،

فَیُسْقَوْنَ مِنْ رَحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ (مطففین) اہلِ جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی،

وہ سربمہر یعنی بند ہوگی، جو اس بات کا ثبوت ہوگا، کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھلی نہیں کہ اُس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو، اور نہ اُس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے، جس سے اُس کی تیزی گم ہوگئی ہو، اسی کے بعد یہ آیت ہے،

خِتٰمُہٗ مِسْکٌ، (مُطففین) اُس کی مہر مشک ہوگی، (یا) اُس شراب کا آخر مشک ہوگا،

یعنی اُس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بُو اس میں سے نکلے گی، یا یہ معنی کہ تو بل یا صراحی کا منہ غایتِ صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مشکِ خالص سے بند ہوگا،

بہرحال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ سے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں، لفظِ خاتم کی دو قرأتیں ہیں، مشہور قرأت[1] تو خاتِم (بکسرتا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے، اور دوسری قرأت خاتَم کی ہے، جس کے معنی ہیں وہ شے جس کے ذریعہ سے کوئی شے بند کی جائے، اور اُس پر مُہر لگائی جائے تاکہ وہ کھولی نہ جاسکے اور نہ اُس کے اندر کوئی چیز باہر سے جاسکے، الغرض دونوں حالتوں میں آیتِ پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور اُن پر مُہر لگا دینے والا ہے، کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہوسکے،

آیتِ پاک کا مطلب یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمتِ نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں، اس لئے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ سے وہی پدرانہ محبت رکھنی چاہئے اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہیے،

احادیثِ صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے، مسند احمد

---

[1] تفسیر ابنِ جریر طبری و تفسیر ابنِ حبان اندلسی، تفسیر آیتِ مذکور،

میں حضرت ثوبانؓ[۱] اور حضرت حذیفہؓ[۲] اور ترمذی[۳] میں صرف حضرت ثوبانؓ سے مروی ہو کہ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے،

وَاَنِّی خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (ترجمہ) تحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے، جس سے ثابت ہوتا ہو کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا، اس کے علاوہ آپ نے تکمیلِ دین اور ختمِ نبوّت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے، اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں، اُس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ "میری اور دیگر انبیاءؑ کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اُس کو آ آ کر دیکھتے ہیں، اور اُس کی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اتنا ناتمام رہ جاتا تو خوب ہوتا" اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسبِ ذیل الفاظ ہیں،

فَاَنَا تِلْکَ اللَّبِنَۃُ[۴]	تو میں وہی آخری اینٹ ہوں،
فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ[۵]	تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں،
فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَۃِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ[۶]	تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں میں آیا تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا،

---

[۱] جلد ۵ ص ۲۷۸ [۲] جلد ۵ ص ۳۹۶، اس روایت میں ۲۷ تعداد لکھی ہے، جن میں چار عورتیں ہوں گی [۳] کتاب الفتن حدیث حسن صحیح [۴] بخاری و مسلم باب خاتم النبیین [۵] بخاری باب خاتم النبیین و صحیح مسلم عن ابی ہریرۃؓ وعن ابی سعید الخدری باب خاتم النبیین [۶] صحیح مسلم باب مذکور عن جابرؓ

وَاَنَا فِی النَّبِیِّیْنَ مَوضعُ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ[۱]،	میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں ان میں ایک ختم نبوت بھی ہے، چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی (کتاب السیر باب الغنیمۃ) اور نسائی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ،	اور انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے،

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ (باب یا اکرم اللہ نبیہ ص ۱۶)	اور پیغمبروں کا خاتم ہوں، اور اس پر فخر نہیں،

آپ کا خاتم نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لئے روز ازل سے مقرر ہو چکی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا[۲]:۔

اِنِّیْ عَبْدُ اللہِ لَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَ اِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ	میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا، اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے،

---

[۱] باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترمذی عن ابی بن کعبؓ [۲] یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے، مستدرک حاکم تفسیر سورۂ احزاب جلد۲ ص ۴۱۸، حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے، و تاریخ امام بخاری (بحوالہ فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۷ و حلیۃ الاولیاء، ابی نعیم و شعب الایمان بیہقی (بحوالہ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۴ حیدرآباد) و مسند احمد جلد ۴ ص ۱۲۷ و ۱۲۸،

حضرت علیؓ کو جب آپؐ نے اہلِ بیت کی نگرانی کے لئے مدینہ میں چھوڑ کر تبوک جانا چاہا،
اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملالِ خاطر ظاہر کیا تو آپؐ نے اُن کو تسلی دی اور فرمایا،

الا ترضیٰ ان تکون منّی بمنزلۃ	کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ
ھارون من موسیٰ الا انّہ لیس	میں وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ
نبیّ بعدی (صحیح بخاری غزوہ تبوک)	میں تھی لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،

صحیح مسلم (مناقب علی) میں یہ الفاظ ہیں،

غیر انّہ لا نبیّ بعدی،	لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،
الا انّہ لا نبوّۃ بعدی،	لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارت) میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل
کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا، تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا،

وَانّہ لا نبی بعدی،	اور بہ تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا،

جامع ترمذی[1] اور مستدرک[2] حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی
مدح میں فرمایا،

لو کان نبیّ بعدی لکان عُمر	اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو وہ
بن الخطاب،	خطاب کے بیٹے عمر ہوتے،

عربی زبان جاننے والے کو معلوم ہے کہ "لَوْ" امر محال کے لئے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا

---

[1] مناقب عمرؓ، حدیث غریب حسن، [2] مناقب عمرؓ جلد ۳ ص ۸۵، حیدرآباد، حدیث صحیح، صححہ الذہبی،

کہ آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کرے گا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا، اور میں عاقب (آخری) ہوں اَلَّذِی لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا[۱]، جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے اَلَّذِی لَیْسَ بَعْدِی نَبِیٌّ یعنی "میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا[۲]"

صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے کہ "خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا" صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں، فرمایا رویاے صالحہ[۳]" (یعنی سچے خواب) پڑھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے امورِ غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع مقرر کئے ہیں، منجملہ ان کے ایک رویاے صالحہ بھی ہے، اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ "نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء مومن کا رویاے صالحہ ہے[۴]" ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "تم سے پہلے قوموں میں محدثین (بات کئے گئے) ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوتا، تو وہ عمر ہیں[۵]" ائمہ حدیث نے محدث کے معنی

---

[۱] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں، مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۰، میں یہ حدیث اور عاقب کی یہ تفسیر امام زہری سے مذکور ہے [۲] فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۶، [۳] صحیح بخاری کتاب التعبیر [۴] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم کتاب الرؤیا، و مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۴۹، عن انس [۵] بخاری و مسلم و ترمذی، مناقب عمرؓ،

ملخصاً لکھے ہیں،

غرض ختمِ نبوت کے بعد اب جو نعمت اہلِ ایمان کے لئے باقی رہ گئی ہے، وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام، لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے، اس لئے کسی مومن کے رویاہائے صالحہ و الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اس پر بھی حجت نہیں، اور ان کے منجانب اللہ ہونے پر یقین کامل کرنا، اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا، اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے، ان رویاہائے صالحہ اور الہاماتِ صادقہ کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دی جاتی ہے، وہ احکام نہیں ہوتے، بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں یعنی امرِ غیب اور مستقبل سے کچھ اطلاعات اور مناظر!

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، حضرت ابوبکرؓ امام تھے، اور صحابۂ کرامؓ صف بستہ پیچھے، اس وقت یہ آخری اعلان فرمایا،

یا ایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او ترٰی لہ، (جلد ا ص ۲۱۹)	اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں (غیبی ذرائعِ علم و خبر) میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی لیکن ایک رویائے صالحہ، جو مسلمان اپنے متعلق آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے لئے

اس سے صاف ہو گیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے، اسی کتاب

میں حضرت انسؓ بن مالکؓ کی روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لئے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلسِ نبویؐ میں خدام حاضر تھے، آپ نے فرمایا،

اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَت	رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا
فَلَا رَسُولَ بَعْدِی وَلَا نَبِیَّ،	تو میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی

صحابہ پر یہ بات سخت گذری تو آپ نے فرمایا وَلٰکِنَّ الْمُبَشِّرَاتِ لیکن خوشخبریاں باقی ہیں، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا مردِ مسلم کی رویائے صالحہ، وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے[1]"

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی[2] و حاکم میں ہے، اس آیت کی تفسیر ہیں،

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ	ہاں! اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور
عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ	غم نہیں، جو ایمان لائے، اور تقویٰ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى	کرتے تھے، اُن کو دنیا اور آخرت
فِى الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِى الْاٰخِرَةِ (یونس)	میں بشارت ہے،

صحابہ نے پوچھا کہ دنیا میں اُن کے لئے بشارت کیا ہے؟ فرمایا "رویائے صالحہ" اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان مبشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے، اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جنکو یہ مرتبہ حاصل ہو اولیاء اللہ ہے

[1] مسند ابن حنبل عن انس جلد ۳ و ترمذی کتاب الرویا، [2] تفسیر سورۂ یونس وکتاب الرویا، و مستدرک حاکم تفسیر یونس (صحیح)

اور اس لئے اُن کے اُس رُتبہ کا نام ولایت ہوگا، اُس کو جزئی نبوّت، لغوی نبوّت، مجازی نبوت، نبوّتِ ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا، ایسی لفظی گمرہی ہو جو معنوی گمرہی کی طرف مفضی ہو، اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح بُرائیاں پیدا ہوں گی، بلکہ ہوئیں، اور ہو رہی ہیں، جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہکر حقیقی معنوں میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوتِ محمدیؐ کے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا، معمار قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھ کر اپنی تعمیر پوری کر چکا، درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لئے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغِ کائنات میں وہ سدابہار موسم آگیا جس کے بعد پھر خزاں نہیں،

شفاعتِ اولین عرصۂ دار و گیرِ محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمازت پر ہوگا، اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا، اُس وقت سب سے پہلے فخر موجودات، باعثِ خلقِ کائنات، سیدِ اولادِ آدمؑ، خاتم الانبیاء و رحمتِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم ہاتھوں میں لواے حمد لے کر اور فرقِ مُبارک پہ تاجِ شفاعت رکھ کر گناہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے،

لفظِ "شفاعت" اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے، جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہو کہ کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گذار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اس کی عرض و درخواست کو قبول کر لینے کی خواہش کا اظہار کرنا" آپ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپ گنہگاروں کی زبان

بن کر اُن کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے اُن کی بخشایش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے، سورۂ اسراء میں ہے،

عَسٰی اَن یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا　　قریب ہو کہ خدا تجھے مقامِ محمود میں اٹھائے،

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابۂ کبارؓ سے منقول ہو کہ "مقامِ محمود" سے مراد "رتبۂ شفاعت" ہی[1]، صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کر کے یہ آیتِ بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کا تمھارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے[2]، صحیح مسلم میں ہو کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی اُن کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجدِ نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہ صحابیؓ آیت کے واقعات بیان کر رہے تھے، اُن میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابی آپ یہ کیا فرما رہے ہیں، خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہو، یہ کہکر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی جس کا یہ مطلب ہو کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیئے جائیں گے کُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِیْدُوْا فِیْهَا حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہو" اُس نے جواب دیا، "ہاں" فرمایا تم نے اس "مقامِ محمود" کا حال سُنا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ تمھارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا، اُس نے کہا ہاں سُنا ہے، فرمایا تو یہی

---

[1] صحیح بخاری و جامع ترمذی و مستدرک تفسیر آیت مذکور (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ)

[2] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیہ ص ۱۱۰۰)

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود ہے جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہیگا، نکالیگا" یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہوگئے، اور بولے "کہ کیا یہ بوڑھا صحابیؓ رسول پر جھوٹ بولے[1] گا؟"

بخاری[2] میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ "قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر کے پیچھے چلے گی، اور کہے گی کہ "اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے" یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپؐ کو مقام محمود میں اٹھائے گا، جابر بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے گا کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے محمد کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے وعدہ فرمایا، تو قیامت کے دن اس کے لئے میری شفاعت اترے[3] گی"، آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لئے چھپا رکھا"[4] پھر فرمایا کہ "مجھ کو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں .... ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی"[5] (یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انھوں نے وہ دعا مانگ لی، اور وہ قبول کرلی گئی، لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کیلئے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور [3] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور و باب الدعا عند النداء [4] صحیح بخاری کتاب التوحید کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ [5] صحیح بخاری و مسلم کتاب الجنا

چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی اُمت کی شفاعت ہی[1] فرمایا کہ میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا، اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کی جائے گی[2] اور فرمایا میں پہلا ہوں گا جو جنت کی شفاعت کریگا[3]

اُس دن جب دنیا کی گنہگاریاں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی، اور آدم کی اولاد ترساں و لرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی، کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈھیگی، کبھی نوحؑ وابراہیمؑ کو یاد کرے گی، کبھی موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی طرف بیتابانہ لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی، بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرین آگے بڑھیں گے، اور تسکین کا پیام سنائیں گے صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا[4] کہ قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہونچیں گے، اور کہیں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے، وہ جواب دیں گے، کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہ ہوا تھا، اور نہ ہوگا نفسی نفسی! (اے میری جان! اے میری جان!!) لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ آپ روے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ [2] صحیح مسلم کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ [3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ

آپ کو شکر گذار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجیے، وہ کہیں گے، ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا تھا، اور نہ کبھی ہو گا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا، وہ اپنی قوم کی تباہی کے لئے مانگ چکا، نفسی نفسی! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ" مخلوق اُن کے پاس جائے گی، اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی، کہ آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اور اپنے پروردگار سے شفاعت کیجیے" وہ بھی کہیں گے "میرا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ" لوگ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ اے موسیٰؑ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے۔ اپنے خدا سے ہمارے لئے سفارش کیجیے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے"؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے کہیں گے، کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا، اور نہ ہوگا، میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ" حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا، اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے، وہ بھی کہیں گے "یہ میرا رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب ہے، جو نہ کبھی ہوا، اور نہ ہوگا، نفسی نفسی! تم محمدؐ کے پاس جاؤ" مخلوق آپ کے پاس آئے گی، اور کہے گی اے محمدؐ! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، اور وہ ہیں جن کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں، آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجیے" آپ اُٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے، اور اذن طلب کریں گے، اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے، آپ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا جو

کسی اور کے لئے نہیں کھولا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے آپ دیر تک سربسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی "اے محمدؐ سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی" عرض کریں گے "الٰہی! اُمتی اُمتی، خداوندا! میری اُمت، میری اُمت" حکم ہوگا، جاؤ جس کے دل میں جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا، اُس کو نجات ہے" آپ خوش خوش جائیں گے، اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے اور سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی، کہ اے محمدؐ سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی" عرض کریں گے "الٰہی! اُمتی اُمتی" حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا وہ بخشا گیا، حضور جائیں گے، اور پھر واپس آکر عرض گذار ہوں گے، حمد و ثنا کریں گے، اور سربسجود ہوں گے، آواز آئے گی "جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سے چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالو" آپ پھر جا کر واپس آئیں گے، اور گذارش کریں گے، اور حمد و ثنا کر کے سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر ندا آئے گی "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سُنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی" عرض کریں گے "جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی، اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو" صدا آئے گی، اس کا اختیار تم کو نہیں لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے، میں دوزخ سے ہر اُس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لئے دوسرا معبود نہیں بنایا من قال لا الٰہ الا اللہ[1]

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ کے سوا کس نے سنایا صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیاء ذکر نوح و صحیح مسلم باب الشفاعۃ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے، ہم نے سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

فضائل اُخروی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ خصائص تھے، جو آپ کو پیغمبر، مبلغ دین، صاحب مذہب اور پیشوائے اُمت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے، علاوہ بریں آپ کو آخرت کی دنیا میں بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا "قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام، اور اُن کی شفاعت کا پیروکار ہوں گا، اور اس پر فخر نہیں[1]" پھر فرمایا ہے "میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں، اور اس پر فخر نہیں، اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا، اور اس پر فخر نہیں، اور قیامت کے دن آدم وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے، اور اس پر فخر نہیں، اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا[2]" نیز ارشاد ہے "لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے، تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا، جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے، تو اُن کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا، جب وہ نا اُمید ہوں گے، تو اُن کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا، اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا[3]"

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وسلم

تم الجزء الثالث من السیرۃ النبویۃ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

یکم جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۴۲ھ

سید سلیمان ندوی

---

[1] ترمذی، مناقب نبوی، حدیث حسن صحیح غریب [2] حوالۂ مذکور حدیث حسن [3] حوالۂ مذکور حدیث حسن غریب۔

سلسلۂ مقالاتِ سلیمان

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد ضخیم تصانیف کے علاوہ سیکڑوں علمی، فقہی، تاریخی، تنقیدی و ادبی مقالات بھی لکھے ہیں، اور بہت سی علمی و ادبی کتابوں پر تبصرے بھی کیے ہیں، اور علمی مجالس میں صدر نشین کی حیثیت سے خطبے بھی دیئے ہیں جو الندوہ اور معارف کے ہزاروں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں، اُن کے ادبی و تنقیدی مقالات کا ایک مجموعہ اُنہی کی زندگی میں نقوشِ سلیمانی کے نام سے شائع ہو کر مقبول بھی ہو چکا ہے، اب اُن کی وفات کے بعد نئے سرے سے اُن کے تمام مقالات، مضامین اور تحریروں کی ترتیب و تدوین کا کام شروع کیا گیا ہے جن کے مجموعے بتدریج شائع ہوں گے، اب تک دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں،

مقالاتِ سلیمان تاریخی (جلد اول)	مقالاتِ سلیمان علمی (جلد دوم)
یہ سید صاحب کے اُن اہم تاریخی مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ہندوستان کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر لکھے، اور اپنی اعلیٰ تحقیقات اور مواد کی تلاش و جستجو پر یورپ کے مستشرقین اور ہندوستان کے علماء و محققین سے داد حاصل کی، اس میں مسئلۂ خلافت کے سلسلہ کے بھی تمام مضامین آگئے ہیں، قیمت:- للعہ	یہ سید صاحب کے علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے اس کے بعض اہم مضامین یہ ہیں، ہندوستان میں علم حدیث، محمد بن عمر الواقدی، عرب امریکہ، اسلامی رصد خانے، مرزا بیدل، حکیم سنائی کے سنینِ عمر، حجاز کے کتب خانے، انڈیا آفس لائبریری میں اُردو کا خزانہ، یہ سید صاحب سفر یورپ کی یادگار ہے، قیمت:- للعہ
مُرتّبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے	مُرتّبہ شاہ معین الدین احمد ندوی

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ